احمد نگر جیل سے

اگست ۱۹۴۲ء میں کانگرس کے "ہندوستان چھوڑ جاؤ" کا ریزولیوشن پاس کرنے پر ورکنگ کمیٹی کے تمام ممبروں کو گرفتار کر کے قلعہ احمد نگر میں نظر بند کر دیا گیا - ان میں ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ بھی تھے۔ جیل کی پرسکون اور خاموش فضا میں انہوں نے اپنی مشہور کتاب Feathers & Stones (پنکھ اور پتھر) لکھی - "احمد نگر جیل سے" اسی تصنیف کا اردو ترجمہ ہے -

ڈاکٹر پٹابھی سیتارامیہ کی دوسری اردو

۱- تاریخ کانگرس (۱۹۴۶ء تک)

زیر طبع

۲- کانگرس کے ساٹھ سال

مطبوعہ مرکنٹائل پریس نسبت روڈ لاہور باهتمام لالہ
چھاپکر انڈین بک کمپنی لمیٹڈ لاہور سے شائع

احمد نگر جیل سے

مصنفہ

ڈاکٹر پٹابھی سیتا رامیہ

مترجمہ

سنام رائے، ایم-اے

پبلشرز

انڈین بک کمپنی لمیٹڈ

۳۷- نسبت روڈ، لاہور

[قیمت ساڑھے چار روپے

اس

دیباچہ

اس کتاب کی بابت مصنف رجس کی دیگر کمزوریوں میں کسر نفسی شامل نہیں یہی دعوےٰ کرسکتا ہے - کہ یہ مذاق اور خرد کی کتاب ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز بھی مصنف کی اپنی ذکاوت کی مرہون منت نہیں۔ کیونکہ اس میں وہی کچھ درج ہے جو اس نے سُنا یا پڑھا ہے - اگر کوئی شخص اس میں سے خیالات کی جدت، تخیل کی فراوانی یا روشن دماغی تلاش کرنا چاہیگا۔ تو یقیناً اسے مایوسی ہوگی۔ کوئی پڑھنے والا مصنف کو اچھا نام دینے کی کوشش نہ کرے۔ اور نہ ہی اس کی توقع کے مطابق نہ لکھنے پر اُسے کوسے۔ نہ ہی اُس کیلئے یہ اُمید رکھنا واجب ہے کہ اُسے ان صفحات میں ساکنین قلعہ احمد نگر کی موجودہ مسائل کے متعلق سنجیدہ مباحثوں میں کوئی دسترس حاصل ہوگی۔ مثلاً "ہندوستان چھوڑ دو" کا حشر، ورکنگ کمیٹی پر ہندوستان، انگلستان، امریکہ، روس اور چین کی رائے عامہ کا ردعمل، اس جلیل القدر جماعت کے جسے بڑی شان کے ساتھ

"ہائی کمانڈ" کہا جاتا ہے۔ باہر کے سیاسی۔ اقتصادی خیالات اور پالیسی یا خالص سیاسیات۔ پاکستان اور تعمیری پروگرام کے سلسلہ میں گاندھی جی کے ارشادات مشورے اور تجاویز کے متعلق وقتاً فوقتاً فیصلے۔ ایسا خبردار کرنے کی صاف وجہ یہ ہے کہ باقاعدہ اور زیادہ تر ایسی کوئی بحثیں ہوئی ہی نہیں اور اگر ایک آدھ موقعہ پر ہوئیں تو انہیں یہاں بیان کرنا بے موقع اور نامناسب ہوگا۔

ایک زخمی سپاہی کے متعلق ایک دلچسپ کہانی بیان کی جاتی ہے۔ وہ یہ کہ جب وہ ایک ہسپتال جہاز پر سوار تھا تو اُس سے پوچھا گیا کہ کیا اُس کی اپنی کوئی چیزیں بھی ہیں جو ساحل پر لے جانی ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے نے اپنا سر ہلا دیا۔

"تمہارا یہ مطلب تو نہیں کہ جس سپاہی نے جنگ کا اتنا کچھ دیکھا ہے جتنا تم نے دیکھا ہے۔ اُس کے پاس کوئی یادگاری تحفہ ہی نہیں ہے۔ افسر نے چلّا کر کہا۔ سپاہی نے کہا "کپتان! میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس لڑائی کے متعلق جو کچھ میں جانتا ہوں، وہ ایک مدھم سی یاد ہے۔" میرے سامنے سوال یہ تھا کہ کیا میں احمد نگر قلعہ میں اتنے طویل (۳۲ ماہ) عرصہ کی کوئی یادگار لے جاؤں۔ (۱۸½ مہینے تو عوام کو قلعہ کا پتہ نہیں لگا۔ باقی عرصہ لگ رہا) میری حالت اس ہسپتالی جہاز والے سپاہی کی سی نہیں۔ چونکہ میں خوش و خرم وہاں سے لوٹا ہوں۔ اس لئے میں قلعہ کی کچھ خوشگوار یادگاریں اپنے ساتھ لے جانا چاہوں گا۔ اور ایسے قلعہ کے اندر احاطہ میں اتنی طویل نظربندی بھی کچھ نہ کیا کر سکتی تھی جو قدرت کیا کرتی ہے (قدرت زندہ اور مُردہ AVINE

معدنی) یا بہ الفاظ دیگر کچھ پر اور پتھر جن کے متعلق ان صفحوں میں اکثر ذکر ہوگا۔
اور اسی وجہ سے اس تصنیف کا نام بھی یہی ہے ۔

ٹھیک کہا گیا ہے کہ " اگر زندگی کا مقابلہ کسی بڑے شہر سے کیا جائے تو ایک آدمی کی تصانیف اُس کے گھر کی سب سے بالائی منزل کی کھڑکیاں خیال کی جانی چاہیئں۔ اس لئے کسی آدمی کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم یہی چاہتے ہیں کہ اس کی سب سے اونچی منزل کی کھڑکی سے زندگی کو دیکھیں اور زندگی کے متعلق اسی نظارہ کو حاصل کریں جسے مصنف دیکھتا ہے۔ ستارے، بادل، اور پہاڑوں کی چوٹیاں جو افق کے ساتھ قطار باندھے کھڑی ہوتی ہیں۔ نیز شہر کے مکانات کی چوٹیاں اور تنگ کوچے سب کے سب وہی کے وہی ہوتے ہیں۔ لیکن سب سے اُونچی منزل سے شہر کا نظارہ انفرادی اور بالکل اپنا اور نرالا ہوتا ہے۔ اس لئے قوم کے ادب پر نظرثانی کرتے ہوئے ہم یہی کوشش کیا کرتے ہیں کہ ہم زندگی کی وہی جھلک دیکھیں جسے قوم کے بہترین دماغ دیکھتے ہیں۔ اور جسے وہ اپنے نرالے وسیلہ سے ظاہر کرتے ہیں"۔ (لن یوتانگ، "میرا ملک اور میرے لوگ") لیکن ان صفحات کو پڑھنے والا بیرونی دُنیا کو ویسا ہی خیال کرے گا۔ جیسا کہ مصنّف نے دیکھا۔ کیونکہ مصنّف نے اپنی آنکھوں سے سوائے ۲۴ کمروں کے سلسلہ، ۱۰۰ گز لمبا اور ۴۰ گز چوڑا گھاس کا ایک ٹکڑا، اور اپنے گیارہ ساتھی، ۱۲ عام قیدی اور دو افسر جو اصل میں ان تمام ۳۲ مہینوں میں قیدی ہی بنے رہے اور کچھ نہیں دیکھا۔

ہمیں بتلایا گیا ہے کہ چین کے علماء ہمیشہ ایسی "نوٹ بکس" کے مجموعے بطور ورثہ چھوڑ جاتے ہیں جنہیں شوپی یا پیچی کہا جاتا ہے۔ اور جو ایسے غیر ترتیب شدہ پیراگرافس پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن میں ادبی کاموں کی تصنیف کے متعلق آرا اور تواریخی ریکارڈوں میں غلطیوں کی اصلاح کو سیام کے جوڑے، لومڑی کی ارواح اور لال ڈاڑھی والے ہیبر دیا کنکھجورا کھانے والے مرتاض کی زندگیوں کے خاکوں کے حالات کے ساتھ جوڑ دیا جاتا ہے۔ لیکن میں نے اپنی اس نوٹ بک میں کسی ایسی چیز کی کوشش نہیں کی ہے یہ کتاب سنسنی خیز واقعات، حکام جیل سے لڑائی، بھوک ہڑتال کے مختصر عرصہ جات، اور جیل سے بھاگ جانے کی غیر مہذب مساعی۔ جہاں سپاہی ہمیشہ تنی ہوئی تلواروں اور قائم شدہ سنگینوں کے ساتھ پہرہ پر ہوتے ہیں، کو بیان نہیں کرتی۔ یہ صفحات تو "میرے مطالعہ کی کھڑکیاں ہیں"۔ ایک ایسا نام جو مَیں نے اس کتاب کو دیا ہے جس میں میرے خیالات درج ہیں یا وہ چند اقتباسات جو میں نے کتب، رسائل اور اخبارات کو پڑھ کر منتخب کئے، کاٹے اور اکھٹے کئے نیز وہ بیان کردہ کہانیاں اور پرائیویٹ زندگی کے واقعات، جو مَیں نے دوسروں سے گفتگو کر کے حاصل کئے۔ ان سالوں میں میں نے سینکڑوں ضرب الامثال اور عام کہاوتیں، زرّیں اقوال اور دستور العمل، واقعات، نصیحت آموز افسانے۔ اور دیہاتی کہانیاں سُنی ہیں۔ اور مَیں نے محسوس کیا کہ یہ بڑی افسوسناک بات ہوگی کہ اگر بین الصوبجاتی تہذیب کے ان نمونہ جات میں سے کچھ عوام کی خدمت میں نہ پیش کئے جائیں۔ اور درحقیقت ہزار بار افسوس کا

مقام ہے کہ باوجود مختلف صوبجات اور مختلف ریاستوں کے . . .
بڑھتے ہوئے تعلقات اور رسل ورسائل کے دیسی تہذیب کا اتنا تھوڑا میل ملاپ ہو۔

اور یہی ایک وجہ ہے کہ اس بود و باش کے دوران میں میں نے اپنے
تمام ایسے نئے تجربات کو نوٹ کر لیا ہے۔ لیکن ان تمام کے علاوہ میرا ایک شغل
تھا۔ جسے میں نے ان مہینوں میں، غالباً سارا عرصہ نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً پورا
کر لیا۔ وہ شغل تھا پر چننا اور قلعہ کی زمینوں سے پتھر نکالنا۔ یہ نہ خیال کیا
جائے کہ اس نامعلوم قلعہ میں جہاں ہم ۳۲ مہینے رہے، ہمیں بھاری پتھر اٹھانے
یا ہلکے پر اکٹھے کرنے کی مشقت دی گئی تھی۔ ہم میں سے کچھ ایک نے ذاتی طور پر
یہ دونو کام کئے۔ لیکن نہ ہی پتھر کسی طرح سے بھاری تھے اور نہ ہی پر ہلکے۔
فی الحقیقت یہ چھوٹے پتھر ہی تھے جو قلعہ کی زمینوں کی سطح تک اٹھ آئے اور
بھاری پر جو زمین کی سطح پر آپڑے جنہیں ہم نے اکٹھا کر لیا۔ پتھر مختلف رنگوں
کے نیم صاف موتی۔ بٹّہ۔ روڑا یا عنبر اور غالباً لعل وہیرے کے ٹکڑے تھے پر
مینا، عقاب، چڑی اور ابابیل کے تھے۔

لہٰذا اس کتاب کو "میرے مطالعہ کی کھڑکیاں" کہا جائے اور یہ نام میں
نے مشہور امریکن مصنف جیمز رسل لوول سے قرض لیا ہے۔

مسولی پٹم
مورخہ ۹ اگست ۱۹۴۶ء

بی۔ پٹابھی سیتارامیہ

مرہٹہ۔ مغل تاریخ

جن لوگوں کو یک دم عجیب حالات میں پھینکا جائے۔ اُن کے اندر قدرتی طور پر یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ وہ اپنے نئے رنگ روپوں کی بابت پوری واقفیت حاصل کریں۔ یعنی جگہ کی پرانی تاریخ، اس کے آب و ہوائی حالات، اس کے لوگوں کا حال۔ اس کے قُدرتی اور مصنوعی وسائل۔ اور ملک کے باقی حصہ کے متعلق اس کی موجودہ پوزیشن۔ تب اس خیال سے رہائش کی یہ جگہ جس سے مہمان نواز موسم کے زیر اثر ہم نے ۳۲ مہینے رہنا یا لطف لینا تھا۔ ایک ایسی جگہ ہے جو اپنی تواریخی روایت اور جغرافیائی تفصیل، اپنے مجلسی اقتصادی حالات نیز سیاسی اور جنگی طریق کے لحاظ سے بڑی دلچسپ ہے۔

۲۴۰ قبل مسیح کے سال سے لے کر عہد یورپ کی تاریخ میں احمد نگر شہر مشہور رہا ہے۔ جب کہ گوداوری کے بائیں کنارے پر پیٹھان یا پرتشٹھان کا سب سے پہلا حوالہ دیا گیا تھا۔ اور جو نظام کی مملکت میں احمد نگر سرحد کی

مشرق میں تقریباً دو میل اور احمد نگر کے شمال مشرق میں ۵۰ میل پر واقع تھا۔ موریا خاندان کے بڑے شہنشاہ اشوک کے چودھویں شاہی فرمان میں پیٹینکوں کا ذکر آتا ہے۔ جن کی بابت گزیٹیر کی رائے ہے کہ وہ پیٹھان کے لوگ ہیں۔ خاندیش میں پلت کھورا کی غاروں میں جو دو کتبے ہیں اور جو تقریباً اتنے ہی پرانے ہیں جتنے اشوک کے شاہی فرمان (۲۴۰ قبل مسیح) اُن میں دو ایسے ستونوں کے عطیہ کا ذکر ہے۔ جنہیں پیٹھان کے دو آدمیوں نے غاروں میں بنوایا تھا۔ آج تک بمبئی احاطہ میں پیٹھان کا نام ریشموں اور نہایت اعلٰے قسم کی پگڑیوں کے لئے مشہور ہے۔ اور پیٹھانی ظاہر ہی قیمتی ریشمی لباس کو کرتا ہے۔ نیز پیٹھان نے اپنے آپ کو اندھرا سلطنت کا دار الخلافہ بنا رکھا تھا۔ جس پر اندھرا بھرتیوں نے تقریباً ۹۰ سال قبل مسیح سے لے کر ۳۰۰ سال بعد مسیح تک حکمرانی کی۔ اور جس کے ایک مشہور راجا شری پلامئی شتھا کرنی یا اندھرا بھرتیہ کے کتبے ناسک اور کرلا گو لونا میں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے پیٹھان میں اپنے دار الخلافہ کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ احمد نگر ضلع کو اپنے قبضہ میں رکھا۔

احمد نگر ڈسٹرکٹ (شہر کو لوگ نگر کہتے ہیں) ۲۰-۱۸° اور ۵۹-۱۹° شمالی اور ۴۰-۳° ۷۳ اور ۵۴-۵° ۷۴ مشرقی کے درمیان واقع ہے اور جس کا رقبہ ۶۶۶۶ مربع میل ہے۔ ۱۸۸۱ء میں اس کی آبادی ۷۵۱۲۲۸ تھی۔ اس کے شمال و مغرب میں ناسک کا ضلع ہے۔ مغرب میں تھانہ اور پونا کے اضلاع ہیں۔ جنوب میں پونا اور شولاپور اور شمال مشرق اور جنوب مشرق

میں نظام کی نوآبادیات جن سے شمال مشرق میں تقریباً پیپٹان تک گوداوری اسے علیحدہ کرتی ہے۔" ضلع کی آب و ہوا بحیثیت مجموعی نہایت موافق خیال کی جاتی ہے۔ گرچہ زیادہ سے زیادہ بارش ۱۸۹۱ء میں ۳۱ انچ تھی۔ اور جس کی اوسط گذشتہ ۲۲ سال میں ۲۱ انچ رہی ہے۔" زیادہ سے زیادہ ٹمپریچر مارچ میں ۱۱۹° ڈگری اور اپریل و مئی میں ۱۱۴° ڈگری جبکہ کم از کم فروری میں (۱۸۸۲ء، ۱۸۷۷ء) میں ۴۲ ڈگری تھی۔ ہماری تین گرمیوں میں یہ ۱۱۲° سے نہیں بڑھی۔

نگر سے تھوڑی ہی دور ۲۲ میل کے فاصلے پر زمرد و دوسرے پتھروں کی مختلف قسم کی ندیاں ہیں جو کہ چمکدار موتیوں۔ بلوری پتھروں۔ شفاف موتیوں سے زمین کو ڈھانپتی ہیں۔ نقلی ہوتی۔ عمیق کی قسم کے پتھر بھی نگر کے شہر کے نزدیک پائے جاتے ہیں۔ یہ وہ پتھر ہیں جن کا ذکر دلچسپی کے ساتھ اس کتاب میں کیا گیا ہے۔ اور سنگ سلیمانی کے یہ پتھر پٹھانوں کی سپلائی کے ذرائع میں گنے جاتے تھے۔

ضلع اپنی دستکاریوں کے لئے خوب مشہور تھا۔ ان میں سے ۲۹ جماعتوں کا بیان کیا گیا ہے۔ جن میں کمبل بننے والے، کان میں کام کرنے والے۔ معمار اور پتھر ٹھیک کرنے والے۔ گشتی لوہار۔ درزی۔ برش ساز، پیتل ساز۔ کمہار۔ چمڑے کا کام کرنے والے۔ سائیس سمیت تین گروہوں کے جولاہے، لاکھ کی چوڑی بنانے والے، کھری لگانے والے۔ دوسرے صوبوں کے پردیسی حلوائی۔ چمڑہ کمانے والے۔ سنار۔ ٹھٹھیار، بڑھئی۔ تیلی۔ زمین کھودنے والے، راگی، پروہت نوکر۔ حجام، دھوبی۔ گڈریے، گوالے، گٹوپال۔ قصاب۔ ماہی گیر، سرائے دار اور ہریجنوں کی کچھ تعداد شامل ہیں۔ یہ ذکر کرنا دلچسپی کا موجب ہے۔ کہ سائیس جولاہوں، ڈھنگروں (گوالوں) اور بھوئیوں (ماہی گیروں) میں ہزاروں تلنگی یا تیلیگو (اندھرا) ہیں۔ جو ہمارے علم کے مطابق شاید اندھرا بھرتیوں کے زمانہ سے وہاں ہوں گے۔ یا صرف تارکان وطن جنہیں دو یا تین سے زیادہ صدیاں نہ گزری ہوں۔

ضلع میں مسلمانوں کی آبادی ۷.۲.۵ فیصدی ہے اور ۳۵ ڈویژنوں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے سترہ اکھٹی شادی کرتی ہیں اور باقاعدہ مسلمانوں کی بڑی جماعت جس کی تعداد اٹھارہ ہے۔ اور جن کی علیحدہ قومیں ہیں صرف اپنے اندر شادیاں کرتے ہیں۔ ۱۳ قومیں جو بڑی جماعت یا باقاعدہ مسلمانوں کا حصہ ہیں، ۱۰ عطار۔ آتش بازی بنانے والے، بہشتی، دلال، درزی، غلہ فروش۔ چلمن ساز۔ ہرکارے۔ کھری لگانے والے۔ پھندے بننے والے، رنگ ساز، تیر ساز اور کاغذ ساز ہیں۔ ۱۸ بے قاعدہ اور جدا قومیں یہ ہیں:۔

پھل بیچنے والے۔ بکرے کے گوشت کے قصائی، باورچی۔ بوہرے۔ گائے کے گوشت کے قصائی، اینٹیں بنانے والے، اینٹی مہدلیس۔ حجام۔ خاک چھاننے والے۔ مرغیاں پالنے والے، چوڑیاں بیچنے والے۔ میمن یا جنرل مرچنٹس، مومن یا ہاتھ سے کھڈی پر بننے والے، روئی کو صاف کرنے والے، زرہ بکتر بنانیوالے بڑھئی، پتھر کے معمار اور پان فروش۔

اس کے بعد کی احمدنگر کی تواریخ باہمنی سلطنت کی تاریخ سے جس نے اپنا دارالخلافہ گلبرگہ سے احمد نگر بدل لیا تھا گہرے طور پر وابستہ تھی۔ نیز بیدر بیجاپور اور گولکنڈہ کی تاریخ سے ہم دیکھتے ہیں کہ سولھویں صدی میں ان ریاستوں کے مابین جن میں وجے نگر کی سلطنت بھی شامل کرلی جائے جس کے مہربان رام راجا اور اس کے بھائی وینکا قدری کا ذکر شان کے ساتھ اس زمانہ کی تاریخ میں آتا ہے اتنے ادل بدل اور میل ملاپ ہوئے۔ نظام شاہی (۱۶۳۶-۱۴۹۰) کی حکومت اور اس کے بعد مغلوں (۱۷۵۹ - ۱۶۳۶) کی حکومت کے بعد ہم اس زمانہ کی طرف آجاتے ہیں جبکہ ۱۷۵۹ سے ۱۸۱۷ تک مرہٹوں کا عروج رہا- اور ۱۸۱۷ سے آگے برطانیہ۔ اصل میں مرہٹہ حکومت بہت دیر تک نہیں ٹوٹی رہی۔ کیونکہ ساہو جسے چھ سال کی عمر میں اس کے باپ سنبھاجی کی ۱۶۹۰ میں پھانسی کے بعد اورنگ زیب دہلی لے گیا۔ اور جسے احتیاط سے پالا گیا۔ اسے اورنگ زیب کی موت سے پہلے رجو ۲۱ فروری ۱۷۰۷ء کو ۸۹ سال کی عمر میں ہوئی، آزاد کر دیا گیا۔ اور جسے شواجی کی بھوانی تلوار نیز بیجاپور کے جرنیل افضل خاں کی تلوار بلنٹی کی گئیں۔ اور ساتھ ہی نیواسہ کا ضلع بطور عطیہ شاہی دیا گیا۔

(۱۷۱۶ء تا ۱۷۲۰ء میں تنگ کرنے والی اور سست رفتار گفت وشنید کے بعد میں مغل فوجوں کی قتل وغارت کے بعد) بالاجی وشوا ناتھ پیشوا کے قابل انتظام کی بدولت مرہٹوں کو دکن کے چھ اضلاع کی جن میں احمد نگر بھی شامل تھا۔ چوتھ اور سردیش مکھی کی جاگیریں مل گئیں۔ ۱۷۴۸ میں نظام کی موت پر جس کے ماتحت احمد نگر تھا۔ جو شورشیں ہوئیں انہوں نے پیشوا کو اس کے جانشین صلابت جنگ پر حملہ کرنے کا موقع بہم پہنچا دیا اور انجام کار نظام کی فوجیں تقریباً زک کھا گئیں۔ ۱۷۵۲ میں صلابت جنگ صلح کے لئے تیار ہو گیا۔ جس سے مرہٹوں کو ناسک اور خاندیش کے علاوہ احمد نگر میں گنگ تھاڑی کا قبضہ مل گیا۔ ۱۷۵۹ میں احمد نگر کا قلعہ بھی پیشوا کے ہاتھ آگیا۔ ہمیں اس کی بعد کی تاریخ میں جانے کی ضرورت نہیں۔ سوائے یہ کہنے کے کہ کرکی کی لڑائی (۵ نومبر ۱۸۱۷ء) میں اپنی شکست کے بعد پیشوا (۱۷ نومبر) کو لنگہ یو کی طرف بھاگ گیا۔ اور ۲۰ مارچ ۱۸۱۸ء کو شولاپور میں آشتی کے مقام پر دوسری ہار کے بعد باجی راؤ نے ۳ جون ۱۸۱۸ کو ہتھیار ڈال دئے۔ اس اثنا میں ہلکر نے جنوری ۱۸۱۸ میں شیوگاؤں سمیت ست پڑا کے جنوبی مقبوضات حوالے کر دئے تھے۔ بالآخر ۱۸۲۱ میں احمد نگر انگریزوں کے ہاتھ آگیا۔ ۱۸۱۷ سے اب سوا سو سال تک اہل برطانیہ مرہٹوں سے ملک کے اس حصہ کا قبضہ لے کر اس پر حکومت کر رہے ہیں۔ اور ۹ اگست ۱۹۴۲ء کو ہم یہاں اس قلعہ کے اندر آپہنچے اور اس کے اندر ہی یہ سطور لکھی جا رہی ہیں۔ قلعہ کے چاروں طرف ایک مضبوط موٹے پتھر کی دیوار ہے۔ جو تقریباً دائرہ کی شکل کی اور ایک میل اور ۸۰ گز

گول ہے۔ قلعہ کو پہلے حسین نظام شاہ (۱۵۶۵-۱۵۵۴) نے کیچڑ سے بنوایا تھا لیکن جو تھوڑے عرصہ بعد دوبارہ پتھر کا بنوایا گیا۔ اور جسے خاص پلین (Plain) اور خاص طور پر پختہ بنا ہوا خیال کیا جاتا ہے۔ تعمیر میں جو کاریگری دکھائی گئی ہے اس کی بڑی تعریف کی جاتی ہے: اس کی بڑی طاقت کا ثبوت اس وقت ملا جب ایک بڑی بھاری مغل فوج نے مراد اور معراج خاں کے زیر کمان یونہی نومبر ۱۵۹۵ سے فروری ۱۵۹۶ یعنی امن کے ہو جانے تک اس کا محاصرہ کیئے رکھا۔ اور حسین نظام شاہ کی لڑکی ملکہ چاند بی بی نے بڑی کامیابی اور شان کے ساتھ اسے بچائے رکھا۔ جولائی سنہ۱۶۰۰ء میں ایک اور محاصرہ کیا گیا۔ جس میں ملکہ ماری گئی۔ ۱۷۹۷ میں قلعہ کی قسمت نے پھر پلٹا کھایا اور اسے سندھیا کے حوالے کیا گیا۔ ۱۲ اگست ۱۸۰۳ سے جنرل ولزلی نے سنبھالا۔ جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن کہلایا۔ قلعہ جس میں سندھیا کا محل بڑی شان و شوکت کی جگہ بیان کیا جاتا ہے جس کی کھڑکیوں کے درمیان لٹکنے والے بڑے اور خوبصورت کئی درجن شیشے ہیں، دو بجلی ساز مشینیں، ایک آرگن۔ ایک پیانو، چمکیلی روشنیاں۔ موم بتی دان، گلوبز اور دیگر بہت سی عیش و عشرت کی اشیاء یعنی ہندوستان کے نہایت قیمتی کپڑے، ریشم اساٹن، مخملیں، پوستینیں شالے۔ پلیٹ اور نقدی۔ ۱۸۰۳ میں یہ قلعہ پیشوا کو دیا گیا اور انجام کار ۱۸۱۷ میں برطانیہ کے حوالے کیا گیا۔

پہلے کی تواریخ

ڈائری لکھنے والے کے لئے جیل کی ڈائری ہمیشہ ہی ایک نئی بات ہے۔ مگر شاید کوئی یہ خیال کرے کہ اس انوکھےپن کے مزے قید کی پہلی ہی آزمائش کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب قیدوں کا سلسلہ ہی بندھ جائے تو ہر نئے تجربے کے ساتھ دلچسپی بڑھتی جاتی ہے۔ کیونکہ پھر وہی بے مزا، تھکا دینے والی اور ایک جیسی حالت نہیں رہتی جس کی توقع شاید کی جائے۔ میری پہلی سزا زیر دفعہ ۱۰۸ بڑی سادہ اور سیدھی تھی۔ سادہ اس دفعہ کو (۱۹۳۰) کی ضمانتی دفعہ کہتے تھے۔ نمک سازی جرم کرنے کا جزو تھا اور پکٹنگ جرم تھا۔ اور سال کی سزا نتیجہ تھا۔ ایک مہینہ کے بعد 'A' ڈویژن مل جانے سے زندگی ٹھیک اور غیر متبدل بن گئی۔ اس بیان میں جو باوجود واحد متکلم ضمیر کے استعمال کے زیادہ تر غیر شخصی مُدعا لئے ہوتا ہے۔ جسمانی امراض اور خرابیِ صحت

پچھلی جگہ پاتے ہیں۔ میری دوسری سزا جو ۱۹۳۲ء میں ہوئی اُس میں ہر پُرانے قیدی سے صرف یہ مطالبہ تھا کہ وہ "جیسے کہ تم تھے" ہو جائے۔ مگر میرے مقدمے میں کسی قسم کی کاٹ نہ تھی۔ یہ پہلے مقدمہ کی مانند برابر سیدھا۔ جھوٹ موٹ کی بناوٹ اور سادہ مقدمہ تھا۔ لیکن اس بار قانون ضابطہ ترمیم فوجداری کے ماتحت۔ دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی، لمبی سزا اور بھاری جُرمانہ کے لئے کافی وجہ مُہیّا کرتی تھی۔ اس لئے جب ۲ سال قید سخت اور ایک ہزار روپے جُرمانہ کی سزا سُنائی گئی تو ہنسی آئی۔ لیکن جب کلاس بھی 'سی' دی گئی تو مذاق مکمل ہو گیا۔ یہ ایک نیا تجربہ تھا۔ لباس اور خوراک نے چھ دن میں ہی مجھے مریض بنا دیا۔ اور اس کے علاوہ ٹوپی کے ساتھ مسخرہ بھی۔ لیکن کامیڈی (خوشی کا کھیل) جلد ہی ٹریجڈی (غمی کا کھیل) بن گئی۔ درد سے کراہتے ہوئے، بستر پر دراز اور بیٹھنے یا کھڑا ہونے کے ناقابل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ ہر وقت موت کا خیال رہتا تھا۔ لیکن صرف جماعت کے تبدیل ہو جانے سے یہ سب بلا ٹل گئی۔ ڈیلور کو واپسی، کشادہ ہال، خوش خلق سپرنٹنڈنٹ اور اس کا ہوشیار اسسٹنٹ مطالعہ سنجیدہ اور غیر سنجیدہ ان سب باتوں سے ۲ سال کا عرصہ ایک لمحہ بن گیا جب کہ ۱۱۰۰ روپے چار لاریوں کو گھریلو چیزوں سے بمعہ تیار شدہ لیکن غیر مستعمل خوراک کے بھرنے کے بعد نیز بینک کی ایک پیٹی پر مُہر لگا کر جو گھر میں پڑی تھی اور بعد میں ۵۰۰/- کے جُرمانہ سے ملا کر دو ہزار سے اُوپر بنا دیا۔ اور یہ حقیقت جرمانہ کی واپس ادائیگی پر ظاہر ہوئی۔ رہائی کے چھ ہفتے کے بعد تیسری سزا ۲۰ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں ہوئی جو میں نے پہلے تین مقامات کی مانند خود رضاکارانہ طور پر بھی لی۔

بدیشی کپڑے کی دوکان پر پکٹنگ کرنے سے مجھے چھ ماہ کا آرام (سزا) ملا۔ اور ۲۰۰ روپے رجرمانہ ہسے لیا گیا۔ لیکن اس دفعہ کلاس فوراً مل گئی اور میں سیدھا ویلور پہنچ گیا۔ بیچ میں راجمہندری سنٹرل جیل دوزخ بر روئے زمین میں نہیں ٹھہرنا پڑا۔ جس سے نہ صرف یہ کہ زندگی پُر از واقعات بن گئی بلکہ خوشگوار بھی۔ وُہی پُرانے ہال اور بلاشُبہ وہی پرانے افسر۔ لیکن اس دفعہ وہ بڑے سخت اور خُشک نیز چُپ چاپ اور تلخ بھی تھے۔ یقیناً وہ گورنمنٹ کی ہدایات کے مطابق ایسے تھے۔ لو اور دیکھیئے! جیل میں واپسی پر انفرادی سی۔ آئی۔ ڈی کو بھی ہٹا لیا گیا۔ جس کی طرف ۶ راپریل ۱۹۳۴ء کے پرائیویٹ مراسلات میں گاندھی جی نے اشارہ کیا تھا۔ لیکن جس پر عمل اُس سال ماہ مئی میں پٹنہ میں کیا گیا۔

تقریباً دس سال گذر گئے۔ پیشتر اس کے کہ ایک بار پھر میں نے ویلور میں اپنے گھر کو دیکھا۔ دوسرا جنگِ عظیم دنیا ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو چھڑ گیا اور ایک سال بعد اکتوبر ۱۹۴۰ء میں سول نافرمانی شروع ہو گئی۔ لیکن میں نے ابھی قید نہیں ہونا تھا۔ یہ جرنیل کا مُختصر حکم تھا۔ ٹراونکور کے معاملہ نے مجھے روک لیا اور گاندھی جی نے مجھے چار خطوط لکھے جن میں ہدایات کی خلاف ورزی کے خلاف مُتنبہ کیا۔ لیکن سرکار تو میرے نام گاندھی جی کے احکام سے بندھی ہوئی نہیں تھی۔ چنانچہ ۱۹ مارچ ۱۹۴۱ء کو مجھے میرے پیارے اور پُرانے سنٹرل جیل ویلور میں بطور نظر بند لے جایا گیا۔ نہ کوئی سماعت نہ کوئی جماعت بندی۔ نہ کوئی جُرمانہ اور نہ ہی قید کا عرصہ۔ یہ سب منصفانہ کھیل تھی سوائے اس کے

کہ سفر تیسرے درجہ میں کرنا پڑا - اگرچہ حتے الامکان اسے آرام دہ بنایا گیا۔
میں نے ویلور میں اپنے آپ کو عجیب کمپنی میں پایا۔ یعنی تمام کمیونسٹ جنہوں نے پرانی زنانہ جیل کی دیواروں کے پیچھے ایک کمبوہ (گروہ بندی) بنالی اور اپنے افسر مقرر کر دئے۔ نیز اُن کے خیال کے مطابق صرف ہم ستیہ آگرہی اُن کی اجازت سے وہاں رہ رہے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے شامل ہونے سے پہلے اُنہوں نے قسم کھالی تھی کہ میری کیا جرأت کہ میں اُن کی مقدس بارگاہ میں داخل ہو سکوں۔ لیکن میں نے جرأت کی۔ کوئی چیز اتنی دُور ہٹانے والی، اتنی تنگ کرنے والی اور اتنی اشتعال دلانے والی نہ تھی۔ جتنی کہ یہ نئی "کمپنی" جسکا ناقابل برداشت رویہ۔ گاندھی جی کو ناقابل بیان گالی گلوچ اور اپنے ناقابل ذکر کارنامے یہ سب کچھ بلا مبالغہ ٹھیک تھا۔ لیکن ایک عمدہ صبح مدراس کے گورنر نے پریس میں یہ اعلان کر دیا کہ وہ ہم میں سے کچھ ایک کو جیل میں نہیں چاہتا تھا۔ اور چنانچہ یکم نومبر ۱۹۴۱ء کو ہم چھ نکال دئے گئے۔ ہماری رہائی اور دوبارہ گرفتاری کے درمیان ہندوستانی تاریخ کا ایک مکمل باب گذر گیا یعنی سول نافرمانی کی واپسی۔ کرپس کا معاملہ اور ۷، ۸ اگست ۱۹۴۲ کو بمبئی میں اجتماعی سول نافرمانی کے اعلان نے مجھے اور ورکنگ کمیٹی کے باقی ممبروں کو ۹ اگست کی صبح کو بوری بندر پر ایک سپیشل ٹرین میں پایا۔ جو سیدھی احمد نگر چلی گئی یعنی ایک ایسی منزل مقصود جس کا اندازہ اُس وقت ہم بڑی اچھی طرح سے لگا سکتے تھے جب ہم نے گاندھی جی اور مہادیو کو معہ سروجنی اور میرا بہن اور باقی قریباً تیس بمبئی کے دوستوں کو پیچھے پونہ چھوڑا۔

"ضرور جاؤ۔ میرے لڑکے"

احمد نگر کی اصلی ڈائری اب شروع ہوتی ہے۔ ہم سٹیشن پر اُترے اور بس میں لے جائے گئے۔ جس کی چھت اتنی چھوٹی تھی کہ مولانا صاحب اور باقی تمام کو سر جھکانے پڑے۔ یہاں تک کہ ہمیں اپنا اپنا جسم تقریباً دُوگنا کرنا پڑا۔ مگر راستہ میں ایسے واقعات ہوئے جو قابل ذکر ہیں۔ جب گاڑی وکٹوریہ ٹرمینس (بمبئی) سے چل پڑی تو شور برپا ہو گیا۔ گاندھی جی اگلے کمپارٹمنٹ میں تھے۔ کیا ہم اُن کے پاس جا سکتے تھے؟ ہاں۔ کچھ دیر کے بعد۔ اس اثنا میں ہم نے ریفرشمنٹ کار میں ناشتہ کھایا۔ جو بہت کافی نیز فیاضانہ تھا۔ ناشپاتیاں اس کا حصہ تھیں۔ ملک کی مخلوط نہیں بلکہ اصلی ناشپاتیاں۔ اب پتہ لگا کہ ہماری سب کی تعداد تقریباً تیس ہے۔ بمبئی کے تمام دوستوں کو پھانس لیا گیا تھا۔ ہم اسی وقت تتر بتر ہو گئے۔ اور جب مہر علی ہمارے کمپارٹمنٹ میں باتیں کر

رہے تھے۔ تو ایک لمبا انگریز سوٹ میں ملبوس اور جس نے سر پر فیلٹ ہیٹ رکھی ہوئی تھی اور جو بدیں وجہ مطمئن چہرہ کے ساتھ صبح ۷ بجے سے آٹھ بجے تک سٹیشن پلیٹ فارم پر اُوپر نیچے گھومتا رہا تھا۔ کیونکہ بظاہر تمام پہلے بنے ہوئے پروگرام پر عمل ہو چکا تھا۔ اُس نے اندر جھانکا اور پُوچھنے لگا "کوئی بمبئی کا دوست یہاں ہے؟" اُس نے مہر علی کو دیکھ لیا اور اُسے اپنے کمپارٹمنٹ میں چلنے کے لئے کہا۔ مہر علی نے کچھ عذر پیش کیا اور خوش خلقی سے اُسے کچھ دیر انتظار کرنے کے لئے کہا۔ نیز یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ آپ ایسے معاملات میں کسی قدر فیاضی سے کام لے سکتے ہیں۔ افسر جس کی شکل و صورت شروع ہی سے دھمکی آمیز تھی کہنے لگا "فیاضی؟ آپ تمام ناشتہ پر اکٹھے رہے ہو۔ آپ کو پھر ایک گھنٹہ لنچ پر اکٹھا ہونے کا موقعہ ملے گا۔" "آپ برائے مہربانی نرمی سے ہمارے ساتھ گفتگو کریں" مہر علی نے کہا۔ "اگر آپ ہمارے ساتھ خوش خلقی سے پیش آئیں گے تو ہم آپ سے دوگنی خوش خلقی برتیں گے۔ اگر آپ اس بات کو مان لیں تو میں دو منٹ تک چلا جاؤنگا" کچھ دیر کے بعد افسر نے کہا۔ "ضرور چلے جائیے میرے لڑکے" اس سے مہر علی کو غصہ آ گیا۔ جو کسی طرح بھی پست قد نہیں تھا۔ اور جو اپنے پورے قد کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن پھر بھی وہ مخالف کی گردن سے کہیں نیچے رہا۔ اور اس نے اپنا چہرہ اُوپر اُٹھا کر کہا۔ "آپ مجھے لڑکا بتلاتے ہیں! کیا آپ جانتے ہیں میں کون ہوں؟" افسر نے کہا۔ "کیا آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟ تم جانتے ہو میں کون ہوں؟ میں بمبئی کا ممبر ہوں" افسر نے کہا۔ "تم نہیں

جانتے ہیں کون ہوں۔ میں تم کو بھٹلا کر چھوڑوں گا"۔ اس لفظی جنگ کے تھوڑی دیر بعد جب مہر علی تیسری بار اپنی اونچائی کو افسر کی اونچائی سے ماپ رہے تھے۔ اور اپنے آپ ہی کبھی بیٹھتے اور کبھی کھڑے ہوتے تھے۔ تو افسر نے نرمی سے اپنا دائیاں ہاتھ مہر علی کے بائیں کندھے پر رکھا اور مضبوطی سے اُسے نیچے دبایا تو لڑائی کا خطرہ نظر آنے لگا۔ مزید گرم کلامی کے بعد جس میں مہر علی نے باوجود بمبئی کا بیرسٹر ہونے کے لڑکا بُلائے جانے پر اپنی ناراضگی کو دوہرایا۔ افسر کا پارہ ٹھنڈا ہُوا۔ اُسے عقل آئی اور وہ کہنے لگا۔" میں نے صرف یہی کہا کہ 'میرے لڑکے' اور نیک نیتی سے کہا" اُس نے صرف یہی لفظ استعمال کیا تھا۔ لیکن مہر علی نے بے دوستٹ کو جاری رکھا۔ ہم چار اُس کمپارٹمنٹ میں تھے۔ پانچواں یا چھٹا مہر علی تھا۔ افسر نے تنگ راستے کو روک لیا۔ لڑائی ناگزیر نظر آنے لگی۔ مہر علی کو کئی بار کہنے کے بعد بڑی مشکل سے میں نے اس کی توجہ اپنی طرف کھینچی اور اُسے کہا کہ وہ افسر کی وجہ کو مان لے کیونکہ اس نے نیک نیتی کے ساتھ پیار کے ان الفاظ سے اسے مخاطب کیا تھا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد یہ سین ختم ہو گیا جس سے مجھے آرام ہُوا لیکن اس کا نتیجہ ابھی باقی تھا۔ میرے چند ساتھیوں کو میری مداخلت پسند نہیں آئی اور میں نے خاموشی کے ساتھ ان کی نکتہ چینی کو برداشت کر لیا۔ کچھ دیر بعد جب میں برآمدہ والی گاڑی کے اگلے کمپارٹمنٹ کے پاس سے گذرا جس میں وہ افسر اور اس کے ماتحت بیٹھے ہوئے تھے تو میری آنکھ افسر سے ملی اور میں نے اُسے مشورہ دیا کہ مسٹر مہر علی کو خوش کرنے کے لئے کچھ کہہ دیں

کیونکہ شروع سے ہی افسر کا چہرہ کسی قدر دھمکی آمیز تھا۔ افسر نے کہا اُس نے مہر علی سے صلح کر لی تھی۔ اور پندرہ منٹ اُس کے ساتھ آرام سے گفتگو کی تھی۔ نیز جو کچھ میں نے افسر کے لئے کیا تھا۔ اُس کے لئے اُس نے میرا شکریہ ادا کیا۔ جس کے جواب میں مَیں نے کہا کہ لڑائی کو تیزی کے ساتھ بڑھتا دیکھ کر کوئی کس طرح خاموش رہ سکتا تھا۔ اُس نے میرا یہ ریمارک سُن کر کہا۔" اوہ! ایسا نہیں۔" میں نے پتہ لگایا کہ اُس افسر کا نام مسٹر شاہ پیر ہے۔ اور وہ ڈپٹی انسپکٹر جنرل ریلوے پولیس اور غالباً سی آئی ڈی ہے۔

ایک بات کو میں بڑے زور کے ساتھ کہوں گا۔ وہ یہ کہ مسٹر شاہ پیر خالص سچائی کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ جب اُس نے یہ کہا کہ مسٹر مہر علی اور باقی تمام لنچ کے وقت ہم سے مل سکتے تھے۔ کیونکہ پونا جاتے ہوئے بمبئی کے یہ تمام دوست کرکی پر اُتر گئے۔ کیا اُسے یہ علم نہ تھا؟ اس کے باوجود اس نے کیوں یہ وعدہ کیا کہ ہم تمام ۱۲ بجے لنچ کے وقت اکٹھے ہو سکیں گے؟ میں اس افسر کے پلیٹ فارم پر گھومنے کے متعلق پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ وہ ضرور اس بات پر اطمینان محسوس کر رہا ہو گا۔ کہ گورنمنٹ کا سارا پروگرام تقریباً پورا ہو گیا تھا۔ میں نے تقریباً اسی لئے کہا۔ کیونکہ شری گووند ولبھ پنت نے اس بات کے ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ کہ پانچ بجے صبح پولیس انہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لئے جگائے اور تنگ کرے۔ پس اس لئے وہ اور اُن کا

مہمان ساتھی ایچ۔ کے مہتاب۔ راجا بشو لال گووند لال کے مکان واقع ڈابھولکر روڈ پر پیچھے رہ گئے۔ اور ایک دن آرتھر روڈ قید خانہ میں رہ کر بذریعہ کار پونا سے احمد نگر قلعہ میں لائے گئے۔ وہ ہمارے کیمپ میں اگلے دن پہنچے ؂

"بمعہ لاٹھی چارج جہنّم کو"

اب ہم اپنی ٹرین کی طرف چلتے ہیں۔ ہم نے اپنے پیچھے دو دستے چھوڑے تھے۔ ایک گاندھی جی کا چینچواد پر اور دوسرا لمبیٹ کے دونوں کا کِرکی پر۔ ان میں سے ایک کو پولیس اکٹھا کر کے لے جا رہی تھی۔ کیونکہ وہ شروع سے ہی عدم تعاون کر رہا تھا۔ ٹرین کِرکی سے روانہ ہو کر جلدی ہی پونا پہنچ گئی۔ جہاں چند لڑکے ٹرین میں سوار لیڈروں کے لئے جے کے نعرے لگا رہے تھے۔ کیونکہ ۸ بجے صبح ہی ریڈیو پر یہ خبر دے دی گئی تھی کہ گرفتاریاں ہو چکی ہیں۔ اور جیسے اُس وقت راستہ کے ایک سٹیشن پر کھڑے ہوئے لوگوں نے ہمیں بتلایا۔ مُشکل سے میں نے 'جے جے' کا شور سُنا ہی تھا۔ جب جواہر لال کے قدموں کی آہٹ سُنائی دی۔ جو بڑے زور سے چلّاتے ہوئے برآمدہ کے باہر کے راستہ کی طرف بھاگے

ہو رہا ہے نتھے " بمعہ لاٹھی چارج جہنم کو جاؤ۔ تمہارے اندر ہمت ہے کہ تم ان لڑکوں پر لاٹھی چارج کرو" لیکن باہر کے راستے کے سامنے ایک لمبا۔ مضبوط اور بھاری بھرکم ہندوستانی پولیس افسر سول پوشاک پہنے ہوئے اس طرح تن تنا کر کھڑا ہو گیا تھا کہ راستہ سے ایک مکھی کا نکلنا بھی ممکن نہ تھا۔ میں اس نظارہ کو دیکھنے کے لئے اپنے کمپارٹمنٹ سے باہر دوڑ آیا۔ پولیس افسر کو اس کی جگہ سے ہٹانا ناممکن پا کر اور کچھ دیر جدوجہد کرکے جواہر لال واپس اپنے کمپارٹمنٹ کی طرف دوڑا۔ اور بالکل بے باک ہو کر کھڑکی سے پلیٹ فارم کی طرف کو د پڑا۔ اور اس مجرم سارجنٹ کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن ہر جگہ حاضر اور اٹل سٹر شار پر وہاں بھی موجود تھا۔ جس نے جواہر لال کو اپنے بازوؤں میں تھام لیا۔ جواہر لال نے اس کی آہنی گرفت سے نکلنے کی بڑی کوشش کی اور ایک احمق ہندوستانی کانسٹیبل کے خلاف جو اس کے مکہ اور آزاد بازو کی زد میں آگیا صورت حالات کا پورا فائدہ اٹھایا۔ چونکہ صورت حالات ایسی ہوتی چلی جارہی تھی اس لئے شنکر اڈیو اپنی کھڑکی سے نیچے کود پڑے اور صاف طور پر جواہر لال کو چھڑانے کی خاطر اس کی طرف دوڑنے لگے۔ نیز ساتھ ہی ساتھ اس مطلب کے لئے چلانا بھی شروع کر دیا۔ لیکن کچھ پولیس والوں نے اُن کو دوڑ کر روک دیا اور محض لنگوٹ بند کو اُن کے پاؤں اور بازوؤں سے اٹھا کر اُن کے کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا۔ اسی طرح جواہر لال کو اُن کے کمپارٹمنٹ میں رکھ دیا۔ اور گاڑی پونہ سے چل پڑی۔

نامعلوم قلعہ

ہم کدھر جا رہے تھے؟ یہ ہمیں پتہ لگ گیا کہ گاندھی جی کو پونا میں آغا خاں محل میں لے گئے تھے۔ اور بمبئی کے دوستوں کے متعلق ہمیں یہ نظر آیا کہ انہیں غالباً یرداوا جیل کی طرف لے جا رہے تھے۔ اور گاندھی جی کو بمعہ سروجنی۔ میرا بہن اور مہادیو کے ساتھ چنچواد سٹیشن پر گاڑی سے اُتار لیا تھا۔ ہم کہاں جا رہے تھے؟ قلعہ کے متعلق کچھ کانا پھوسیاں سُنائی دیتی تھیں۔ لیکن نامعلوم وہ کیا ہو؟ پھر میں نے شنکر راؤ سے پُوچھا۔ کہ ڈھونڈ منماڈ لائن پر کیا کیا واقعہ تھا؟ یہ بات بالکل یقینی تھی کہ ڈھونڈ سے ہمیں کسی اور طرف لے جایا جائے گا۔ اسی لائن پر کسی جگہ لے جایا جائیگا؟ کیا ہمیں ڈھونڈ پر اُتارا جائے گا اور اپنے اپنے صوبہ بھیج دیا جائے گا؟ یا کیا ڈھونڈ منماڈ لائن پر کسی جگہ لے جایا جائے گا؟ اس لائن پر صرف ستارا

بیں ایک جیل تھی۔ لیکن ہمارے لئے ایک قلعہ کی ضرورت تھی اور وہ احمد نگر میں تھا۔ اس لئے قلعہ احمد نگر کو اپنا منزل مقصود خیال کرنے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ پس ہم قلعہ پر ٹرین میں لنچ کھانے کے بعد تقریباً ڈیڑھ دو بجے بعد دوپہر پہنچ گئے۔ اصل میں ہمیں یہ بتلادیا گیا تھا کہ ہمیں ٹرین میں ہی ۱۲ بجے دوپہر کو لنچ دے دیا جائے گا۔ اور اس سے اپنے منزل مقصود کا صحیح قیاس کرنے میں ہمیں مدد ملی۔ علاوہ ازیں جونہی ہم ڈھونڈ کے نزدیک پہنچ رہے تھے ہمیں سٹرشا پرنے جو اُس وقت تک ہمارے دوست بن چکے تھے بتلایا کہ ہمارا منزلِ مقصود احمد نگر تھا۔ ہم قلعہ کی طرف بذریعہ بس چل پڑے۔ ایک انگریز سنتری کے پاس سے گزرے۔ اور قلعہ کے اندر کی طرف ایک اندرونی دروازہ پر بس سے اُتر پڑے۔ جس کی طرف چند گز اونچی چڑھائی کی سڑک جاتی تھی۔ دروازے ہمارے سامنے کھل گئے۔ اور ہمارے پیچھے بند ہو گئے۔ لیکن نہ ہی کوئی رگڑ کھانے والے اتنے بڑے دروازے جن سے سنٹرل جیل کی حفاظت ہوتی ہے اور نہ ہی کندھوں پر ہتھیار رکھے ہوئے کوئی باوردی دربان سپاہی! یہ ایک بدنما دروازہ تھا۔ جہاں سے گزر کر ہم ایک کواڈرینگل میں پہنچے۔ اس کے بیچ میں ایک بڑا لون (Lawn) تھا۔ اور تمام اردگرد ایک چوڑا برآمدہ۔ جس کی تین طرف منگلور ٹائل کی چھت پڑی ہوئی تھی۔ اور جس کے بڑے چبوتروں والے ہال بڑے پرانے اور خستہ دکھائی دیتے تھے۔ کمروں میں داخل ہونے پر (بلکہ جنہیں ہال کہنا چاہیئے) جن میں سے کچھ ۴۰ فٹ لمبے اور ۲۵ فٹ چوڑے تھے۔ اور جو نہ جل سکنے والی چادروں

سے ایک دوسرے سے علیحدہ کئے ہوئے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ بجلی کی روشنی ہے۔ اور خوب ہی پنکھے ہیں (ہر ہال میں دو ہی بلب اور دو ہی پنکھے تھے) لیکن بُو بڑی بوسیدہ اور نیم مُردار کی سی تھی۔ جو بعد میں ٹتّی کی سخت بُو میں تبدیل ہو گئی۔ ہر ہال میں ایلیپے کی بنی ہوئی ناریل کی چھال کی چٹائیاں تھیں ایک بہت دار تکیہ والی بڑی کُرسی جس میں بہرحال ہم میں سے کچھ ایک کے گُم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ایک چھوٹی اور نازک کھانے کی کُرسی۔ ایک چھوٹی سی الماری، درازوں کی ایک پیٹی یا ایک کپڑے رکھنے کی الماری کوئی بڑی کوئی چھوٹی، ایک ہاتھ منہ دھونے کی چلمچی اور پانی والا برتن میز پر رکھے ہوئے۔ اور ایک دفتری میز اور تپائی، ایک چارپائی (مختلف زمانوں کی مچھر دانیوں کے ساتھ جن میں سے کئی شواجی کے عہد کی جائیدادیں تھیں) ایک گھاس پھوس کا بسترہ، دو بسترہ کی چادریں جن کے طول و عرض میں لکیریں تھیں، اور اُونی کمبل جن پر یروادا سنٹرل جیل کی مُہر لگی ہوئی تھی۔ ہالوں کی بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں لیکن جو بیرونی دیوار پر ہیں۔ انہیں حال ہی میں کھڑکی کے اندر کی طرف اینٹ اور چُونے کی دیوار کھڑی کر کے بند کر دیا گیا ہے۔ جس کے باعث باہر کی دُنیا سے ہمارا کوئی تعلق نہیں رہا۔ صرف ایک بیچارہ داروغہ تھا جو نیم حوصلہ زدہ اور نیم خوف زدہ تھا لیکن جو صاف طور پر اپنے نئے مہمانوں اور اپنے پُرانے آقاؤں کی غیر متزلزل خیرخواہی کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مردانہ وار اپنے فرائض کو انجام دے رہا تھا۔ وہ کیا کر سکتا تھا؟ اُس نے ہمیں گرم اور سرد پانی، اور ایک ہی تھالی میں روٹیوں

کا ڈھیر اور مکھن دئے۔ لیکن ہم نے فوراً اُس وقت تک انہیں لینے سے انکار کر دیا۔ جب تک کہ ساتھ ٹربز، پیالے، پرچ پیالیاں، چمچے اور کانٹے، کیتلیاں اور چاقو وغیرہ نہ ہوں۔ انہیں اندر آنے میں ایک دن لگا۔ رات پڑنے کے بعد ہم سپر باڈنرز کے لئے بیٹھے۔ جو کچھ بھی لاؤ، اور کچھ ایسا ویسا کھانا کھا لیا۔ اندر کے آدمی یعنی داروغہ کی تسلی کے لئے ایک ہفتہ سے زیادہ لگا۔ اور جونہی وقت گذرا۔ ہم نے بڑی مشکل کے ساتھ ایک مارواڑی باورچی لیا۔ اس سے پہلے ایک اور باورچی جو گروہ میں داخل ہونے کو تھا۔ جبکہ اس کے جسم اور لباس کی بڑی زبردست تلاشی نے اُسے ڈرا دیا اور بیزار کر دیا۔ اور وہ بھاگ گیا۔

نہ کوئی چھٹی نہ اخبار اور نہ ہی ملاقات

داخل ہوتے ہی جو بات ہم نے پہلے پوچھی وہ خوراک کی بابت نہ تھی بلکہ اخبارات کی بابت۔ داروغہ جو ۲۶ سال سے ملازم تھا اور معمولی درجہ سے اس رتبہ کو پہنچا تھا۔ اور یرداوا سنٹرل جیل کا سینئر داروغہ تھا۔ وہ بھدے طریقہ پر اپنے ہاتھوں اور انگلیوں کو استعمال کر رہا تھا۔ اور کچھ گنگنا رہا تھا جسے ہم سمجھ نہ سکے۔ سوائے اس کے کہ نتیجہ نفی تھا۔ یہ جاننے کے لئے پورے ۲۴ گھنٹے لگ گئے کہ نہ ہی ہمیں اخبارات دئے جائیں گے اور نہ ہی چھٹی اور ملاقات کی اجازت ہوگی۔ صرف یہی نہیں بلکہ داروغہ۔ تین سپاہی صوبیدار اور چھ قیدی، جو ہماری امداد کے لئے یرداوا سنٹرل جیل سے بھیجے گئے تھے۔ تمام کے تمام برابر ہمارے ساتھ قیدی تھے۔ اُن سے کوئی بھی منجملہ داروغہ کے جو گزیٹڈ افسر تھا۔ بغیر مکمل تلاشی دئے باہر بازار نہیں جا سکتے

لیکن داروغہ کی پریشانیاں جلد ہی ہلکی ہونے والی تھیں۔ دوسرے دن اس نے ہم سے کلکٹر کے دورہ کا وعدہ کیا۔ لیکن اس چھ فٹ، ہنس مکھ، مُعمّہ صفت خاموش اور شاذ و نادر اور تھوڑا مسکرانے والے عہدیدار کے روزہ کے باوجود حالات بہتر نہ ہوئے۔ وہ عہدیدار ایک ہندوستانی تھا۔ جس کا نام گھلبجے تھا۔ اور جس نے اپنے آپ کو بالکل بے بس ثابت کیا۔ اس اثنا میں ایک سول سرجن اور وہ بھی ہندوستانی (جو کئی ہفتوں کے بعد پتہ چلا کہ مسلمان ہے) ڈاکٹر مرچنٹ اپنے فرائض کو نہایت سنجیدہ خیال کر کے ہمارے پاس آتے رہے۔ اور پیشاب کا معائنہ کرتے رہے، خون کے دباؤ کو پڑھتے رہے، دل کی دھڑکن کو سنتے رہے اور جسم سے آواز پیدا کر کے پھیپھڑے کی حالت دیکھتے رہے۔ ہمیں اندر سے باہر نکالتے رہے اور آپ اندر سے باہر آتے رہے۔ لیکن اس تمام عرصہ میں داروغہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ مگر ۱۲ تاریخ کو میجر سینڈک سابق ہیلتھ آفیسر بمبئی پورٹ ٹرسٹ بطور مستقل سپرنٹنڈنٹ کے پہنچ گئے۔ ہمارے وزن پہلے اور دیکھے کے لئے گئے۔ اور بڑے نازک ترازو نے بھی ظاہر کر دیا کہ ایک ہفتہ کے اندر ہی کچھ ایک کا وزن پانچ پونڈ تک کم ہو گیا ہے اور کچھ ایک کا آٹھ پونڈ تک بڑھ گیا ہے۔ میجر ۳۸ سالہ نوجوان ہے۔ دُبلا اور پتلا، کمر میں خم، گفتار میں نرم، لہجہ میں ہمدرد، لیکن فرض میں سخت ہے۔ وہ ہندوستان میں آنے والے انگریزوں میں انوکھا ہے۔ ہم نے جلدی یہ معلوم کر لیا کہ شاید وہ صرف ہمدردی سے ہی ہمیں خوش کر رہا ہو، لیکن آہستہ آہستہ اور لگاتار طور پر حالات بہتر ہونے لگے۔ ۲۷ اگست کو ہمیں

اپنا پہلا اخبار "ٹائمز آف انڈیا" مل گیا اور دو ہی دنوں میں ہمیں ہوم سیکریٹری حکومت بمبئی کی وساطت سے خطوط بھیجنے کا حق دیا گیا۔ بیچارا میجر اپنی عورت کو بمبئی چھوڑ آیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک جنگی کام میں مصروف تھی۔ اس کی خواہش یہ نظر آتی تھی کہ وہ پیچھے واپس جاکر بطور پورٹ ہیلتھ افسر اپنے پیارے فرائض کی سرانجام دہی کرے (" ایک بڑا بھاری کام ہے تم جانتے ہو) " نہ کہ دس گھنٹے ہر روز ہمارے ساتھ بمعہ داروغہ کے قیدی بنی رہے۔ میجر کے آنے کے بعد داروغہ کا بندوبست بڑا کڑا ہو گیا تھا (میرا مطلب ہے اس کے اپنے اوپر) کیونکہ اب وہ کئی دن لگاتار باہر نہیں جا سکا تھا۔ البتہ کچھ عرصہ بعد وہ ہر روز آدھ گھنٹہ کے لئے باہر جانے لگ پڑا تھا۔ نہ ہی سپاہی (جنہیں مدراس میں وارڈرز کہا جاتا ہے لیکن بمبئی میں وارڈر سے مراد سزا یافتہ وارڈر ہوتی ہے) آزاد تھے۔ بازار جانے والے سپاہی کے سوا باقی سب ہمارے ساتھ قیدی تھے۔ لہٰذا قدرتی طور پر وہ اس شاندار جیل سے چھٹکارا پانے کی فکر میں تھے۔ یہی حال سپرنٹنڈنٹ کا تھا۔ یہی داروغہ کا جسے صرف ایک دن سپرنٹنڈنٹ کیا گیا۔ لیکن جیسے میجر کے پہنچتے ہی پھر داروغہ بنا دیا گیا۔

آخر اخبارات

ہم نے جلدی سمجھ لیا کہ نہ ہم قیدی تھے اور نہ آزاد۔ آزاد اس لئے نہیں کیونکہ ہم باہر نہیں جا سکتے تھے۔ نہ ہی ہمارے پاس اخبارات تھے۔ نہ ہی چیٹھیوں اور ملاقاتوں کی اجازت تھی۔ بظاہر گورنمنٹ کی ہدایات کے مطابق ہمارے ساتھ نظربندوں کا سلوک ہونا تھا۔ لیکن اخبارات، خطوط اور ملاقات کی حسب معمول تین مراعات کے متعلق حصّہ کو التوا میں رکھنا تھا۔ یہ التوا آہستہ آہستہ ڈھیلا کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ ۲۷ تاریخ کو ہمیں اخبارات مل گئے۔ لیکن وہ صرف بمبئی کے اخبارات تھے جن کا حوالہ سرکاری نوٹ میں دیا گیا تھا۔ اس سرکاری نوٹ سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ ہماری پارٹی کو پہلے کے اخبارات نہیں دئے جانے تھے کیونکہ اس میں درج تھا کہ باقی رہنما بظاہر گاندھی جی انہیں لے لیں گے۔ انگریزی اور مرہٹی اخبارات سے جلدی ہی

باہر کے حالات کا پتہ لگ گیا جس سے ہم اپنی چار دیواری میں ہی محروم ہو گئے۔ کیونکہ باہر کی دونوں پارٹیاں (حکومت اور عوام) کھیل کے قواعد کی پابندی نہیں کر رہی تھیں۔ ۱۲ اگست کو ہی دوزخ کھول دیا گیا۔ جیل سے باہر کے اخبار بین اصحاب کو ضرور اور بخوبی یہ علم ہو گا۔ کہ اُن معرکہ خیز دنوں میں کیا کیا واقعہ ہوا۔ جن میں وہ بدی کے حلقے قائم کئے گئے۔ جنہیں آسانی سے توڑا نہیں جا سکے گا۔ اور جو تشدد کے کھیل کا لازمی نتیجہ ہیں ؂

نئے مسائل

ہمارے نئے گھر میں داخل ہوتے ہی ہمارے سامنے کئی قسم کے مسئلے کھڑے ہو گئے۔ اخبارات۔ خطوط اور ملاقاتوں کے لئے ہم کیا کریں ؟ مولانا کے ریڈیو کا سوال البتہ بڑا سوال تھا۔ کیونکہ ریڈیو انہیں دئے جانے کی بجائے دفتر میں رکھ لیا گیا تھا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ آیا ہم اس طرح مجہول طریق پر اپنے آپ کو قسمت کے حوالے کر دیں یا مدلل طور پر اُس کے متعلق اپنی ناراضگی کا اظہار کریں ؟ صدائے احتجاج کم سے کم ہو گی۔ لیکن اس کا کیا فائدہ ہو گا ؟ اس تمام کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرنا شاندار ہو گا۔ اور حکومت کے لئے مایوس کن۔ لیکن کیا وہ اس کا فائدہ نہیں اُٹھائے گی ؟ اور ہمیں دبانے میں اپنی کامیابی پر خوشی نہیں منائے گی ؟ ہندوستان میں بہتیرے انگریز افسروں کی یہ عادت ہے کہ وہ سر کردہ

شخصیتوں کو گرفتار کر کے جیل کے برآمدوں کے اُوپر نیچے گھوما کرتے
ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس سے اُنہیں بہت زیادہ تسلی ملتی ہے۔ اگر ہماری صدائے
احتجاج بلند کی جائے تو کیا اسے لکھ نہ لیا جائے؟ یہاں انسپکٹر جنرل نے ابھی
جیل کا معائنہ کیا تھا، وہ ایک ڈھنگ سے اُنہیں بتایا بھی گیا تھا کہ ہم
میں سے کچھ ایک کے پارچات پیچھے رہ گئے تھے۔ دو نے اپنی عینکیں پہنی
تھیں۔ ایک نے اپنی عینک کے لئے بمبئی آرڈر دے رکھا تھا۔ اور ایک اُسے
اپنے میزبان کے گھر بھول آیا تھا۔ آج یکم ستمبر ہے۔ اُن میں سے ایک بھی
ان بائیس دنوں میں واپس نہیں ملی۔ اس اطلاع کو پاکر انسپکٹر جنرل جیلخانجات
کرنل بھنڈاری نے لکھنے اور ہمیں ان چیزوں کے واپس دلانے کا وعدہ کیا۔
نیز معاملہ اس امر واقعہ سے پیچیدہ بن گیا تھا۔ کہ ہمیں اپنے اپنے گھر سے اپنی
چیزیں منگوانے کی اجازت نہ تھی۔ چونکہ ہمیں بالواسطہ خط وکتابت کی اجازت
نہ تھی۔ اس لئے بلاواسطہ ہیں نہیں کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس
سمجھوتہ کو مسترد کیا جائے۔ جس کی رُو سے انسپکٹر جنرل کی وساطت سے ہم نے
اس جزوی آرام کو حاصل کرنا تھا۔ اور ضمناً ان پابندیوں کا بطور وجوہ
ذکر کرنا تھا۔ جن کے نیچے ہم تکلیف اُٹھا رہے تھے اور جو بغیر کسی اشتعال
کے ہم پر ٹھونس دی گئی تھیں۔ تھوڑے عرصہ بعد ایک اور سخت قسم کا
مسئلہ کھڑا ہو گیا۔ گاندھی جی کیا کر رہے تھے؟ اُنہوں نے اتنی بار یہ کہا اور
لکھا تھا کہ جب وہ قید میں ہوں گے۔ تو خوراک کو نہیں چھوئیں گے۔
جب ہم تمام گاڑی میں تھے۔ تو کچھ دوستوں نے اس مضمون پر بات چیت

کی تھی۔ علاوہ ازیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ بمبئی میں برلا کے مکان پر گرفتاری کے قریب گاندھی جی نے یہ مان لیا تھا۔ کہ گرفتاری کے بعد دو ہفتے تک وہ اس بارہ میں اپنا رویہ نرم رکھیں گے۔ لیکن دو ہفتے جلدی ختم ہونے والے تھے۔ ہمیں اُن کے کاموں اور فیصلوں کی کوئی خبر نہ تھی۔ کیا اُنہوں نے اپنا برت شروع کر دیا تھا یا اگر کر دیا تھا۔ تو کیا ہم بغیر متاثر ہوئے یہاں بیٹھے رہیں؟ فیصلہ یہ ہؤا کہ ہمیں ضرور انتظار کرنا چاہیئے۔

مہادیو چل بستا ہے!

اس عرصہ میں ۲۷ اگست کو اخبارات آئے۔ اور مہادیو کی رنجدہ موت کا ذکر ضمناً "ٹائمز آف انڈیا" کے لیڈنگ آرٹیکل میں "نازی پراپیگنڈا اور مسٹر دلیسائی" کی سُرخی کے نیچے کیا گیا تھا۔ ہمیں یہ محسوس کرنے میں کچھ دیر لگی کہ وہ یکایک ۱۵ تاریخ کو انسپکٹر جنرل جیلخانجات سے بات کرتے کرتے سورگباش ہو گئے۔ بظاہر ان پر نکسیر کا دوسرا حملہ ہوا۔ کیونکہ مجھے یاد ہے کہ اُن پر پہلا حملہ کوئی دو سال گذرے ہوا تھا۔ جب انہیں مکمل آرام کے لئے کسی سینی ٹوریم میں بھیجنا پڑا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ اس اچانک اور فوری موت کے بعد لاش کا کیا گیا؟ کیا یہ اُن کی بیوی اور بچے کو دی گئی جن کا پتہ بڑی آسانی سے مل سکتا تھا؟ یا کیا اسے اُسی جگہ ٹھکانے لگایا گیا؟ ۲ ستمبر کو لکھتے ہوئے ہم صرف مذکورہ بالا

نتیجہ خیز خبر پر ہی بھروسہ کر سکتے ہیں۔ اور اس رپورٹ پر اعتبار یا بے اعتباری ظاہر کر سکتے ہیں۔ جو چار عام قیدی یرواڈا سنٹرل جیل سے لائے گئے اور یہ کہ لاش کو آغا خاں محل کے احاطہ میں جلا دیا گیا تھا۔ کیا یہ سچ تھا؟ اگر یہ سچ تھا تو کیا یہ گاندھی جی کی اعلانیہ یا پوشیدہ رضامندی سے کیا گیا تھا؟ اور پھر مہادیو کی موت کے بعد گاندھی جی کا ساتھی کون تھا؟ ہم نے محسوس کر لیا ہے کہ سروجنی گاندھی جی کے ساتھ نہ تھی۔ اور یرواڈا سنٹرل جیل میں ہے۔ بہت اغلب ہے کہ شریمتی گاندھی جی اُن کے ساتھ ہوں۔ اور گورنمنٹ کی رپورٹ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر سوشیلا نائر بھی اُن کے ساتھ ہیں، جو پیارے لال کی بہن ہے۔

گاندھی جی اور سروِنٹس آف انڈیا سوسائٹی

مہادیو کی موت سے احمد نگر فورٹ میں ہم پر سنسنی چھا گئی۔ میرے آنسو آگئے اور ولبھ بھائی کا دل ہل گیا۔ انہوں نے اُس رات فاقہ کیا۔ کیونکہ وہ خوراک کو چھو ہی نہیں سکتے تھے۔ تب ہم نے مہادیو کے گذشتہ زمانہ کی یاد شروع کردی۔ اس نے اپنے آپ کو وکالت کے لائق بنا لیا تھا۔ اور ولبھ بھائی کو یاد ہے کہ کس طرح ۱۹۱۴ء میں جب وہ خود بھی وکالت کرتے تھے تو انہوں نے مہادیو اور نرہاری پاریکھ کو عدالتوں میں جاتے اور مقدمات کی طرف توجہ دیتے دیکھا تھا۔ اس سال گاندھی جی ہندوستان واپس آئے تھے اور گوکھلے کی خواہش یہ تھی کہ گاندھی جی سروِنٹس آف انڈیا سوسائٹی کے پہلے ممبر کے طور پر ان کے جانشین مقرر ہوں۔ یہ ایک بالکل کھلی بات تھی اور گاندھی جی گوکھلے کی زیر ہدایت ایک سال کے لئے بالکل خاموشی کے ساتھ ہر چیز کو تاڑ رہے

تھے۔ اور مسائل کا مطالعہ کر رہے تھے۔ نیز مہادیو، نرا ہاری پاریکھ کشوری لال مشروالا کاکا کالیلکر یہ تمام سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی میں شامل ہونا چاہتے تھے اور بلاشبہ جسم اور روح دونو کو لے کر گاندھی جی کے ساتھ احمد آباد سے پونا حرکت کر جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ سوامی آنند ایک اور نوجوان تھا۔ جو گاندھی جی کی واپسی پر اُن کے ساتھ ہو لیا تھا۔ لیکن چونکہ قسمت کو یہ منظور نہ تھا کہ گاندھی جی گوکھلے جی کے جانشین مقرر ہوں۔ اس لئے اُن کی موت کے بعد یہ تجویز اتفاق رائے کی بجائے کثرت آرا سے پاس ہوئی۔ کیونکہ دیودھر نے مخالفت کی۔ اور اس لئے قدرتی طور پر اور دانشمندی سے گاندھی جی نے اس عزّت کو شکریہ کے ساتھ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس دن سے ایک نیا مرکز وجود میں آگیا۔ ایک نیا محیط ان پانچوں دوستوں کے ساتھ' ایک نیا ستاروں کا گروہ ہندوستان کے افق پر نمودار ہونے لگا۔

کیا مہادیو کی موت کے ساتھ ماڈرن ہندوستانی تاریخ کی بیس جلدوں کا مواد برباد ہو جائے؟ اُس کے نوٹ وہاں ہونگے۔ لیکن وہ آدمی کہاں ہے جو اُن تمام ملاقاتوں میں گاندھی جی کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا۔ جو اُنہوں نے دُنیا کے مشاہیر یعنی بادشاہ جارج سے لے کر ایڈورڈ طامسن تک' یا امریکن نامہ نگار مسٹر لوئیس فشر سے کیں؟ ہر وہ لفظ جو مہادیو لکھ لیتا تھا۔ اُس کے لئے اُس کی حافظہ کی تختی پر تاریخ کا ایک سارا باب کھدجاتا تھا۔ کیا کوئی گمنام روح اُس کی تنہ شمشان بھومی کے سُلگتے انگاروں سے اُٹھے گی۔ اور اس بات میں کسی زندہ روح کی رہنمائی کرے گی

کہ وہ مرحوم ہیرو کے اِدھر اُدھر کے الفاظ اور اٹکل پچّو خیالات کا مطلب نکالے۔ اُن کی کانٹ چھانٹ کرے۔ اور اکٹھا کرکے اُن پر تنقیدی نظر ڈالے۔ جس سے وہ تواریخ، سوانحعمری، فلسفہ، اقتصادیات اور اخلاقیات کا ایک مسلسل دور نظر آنے لگیں؟

گُم ہونے والی "پارٹی"

ایک دلچسپ واقعہ کو یہاں بیان کر دیا جائے۔ جو ہماری بُود و باش کے پہلے دو ہفتوں میں رُونما ہُوا۔ جب انسپکٹر جنرل جیلخانجات یہاں آئے تو اُنھوں نے قیدیوں کی ایک پارٹی کو بطور زائد عملہ کے یہاں بھیجنے کا وعدہ کیا۔ ۱۵؍اکتوبر کو یہاں آئے اور "پارٹی" کو ٹھیک نگر کی سب جیل تک بھیج دیا۔ یہی شہر کا عام نام ہے، جہاں نہ انہیں اور نہ اُن کی ہمراہ گارد اور نہ ہی میزبان کو یہ علم تھا کہ اُن کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ جبکہ قلعہ میں اس پارٹی کے نہ پہنچنے پر ذرا بھی کسی قسم کی سازش موجود نہ تھی۔ یکایک ۲۳ تاریخ کو ہم پر نازل ہو گئی۔ اور اُنہوں نے نگر سب جیل میں اپنے ٹھہر جانے کی دلچسپ داستان سنائی۔ بلاشبہ برطانوی کمال کا یہ ایک ثبوت ہے۔ جس میں مدعا کو برباد کر کے راندالی کو رکھا گیا تھا۔ پھر تین اور سپاہی آ گئے۔ عوام کے لئے یہ ضروری ہے۔

کہ وہ بمبئی کے جیلخانجات کی اصطلاحی زبان جان لیں۔ میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ کہ جسے مدراس کے جیلخانوں میں وارڈر کہا جاتا ہے۔ اُسے بمبئی میں سپاہی اور جونہی وہ نوکری میں ترقی کرتا ہے اُسے حوالدار اور صوبیدار کہا جاتا ہے (شاید با اختیار عہدہ نہیں) جو اپنی عمر اور نوکری کے باوجود اپنے تنگ پاجامہ اور شاندار کوٹ سے بنا ٹھنٹا دکھلائی دیتا ہے اور دونوں سے زیادہ اپنی دلکش رفتار سے سزا یافتہ وارڈر" وارڈر" کہلاتا ہے اور اس کا لباس مسخروں کی مانند ہے۔ پیلے رنگ کی ایک اونچی پارسی ٹوپی، "سی" کلاس کی کراس تیروں والے کپڑے، پیلے پاجاموں کا ایک جوڑا اور ایک سادہ سفید قمیض یا کوٹ۔ ایک سپاہی کو میجر کی کوٹھی پر پہرہ دینے کیلئے لگایا گیا۔ جو کہا جاتا ہے سائیکل پر دھنٹ کا راستہ ہے لیکن وہاں زندگی ہمارے احاطہ سے بھی زیادہ تنہا ہے۔ اور وہاں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جس سے انسان ذاتی تعلق قائم کر سکے۔ کیونکہ اول تو وہاں اکیلا میجر ہی رہتا ہے اور وہ بھی دن کے آٹھ نو گھنٹے ہمارے ساتھ گذارتا ہے۔ میجر بھی یہاں تنہائی محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ مجہول طبعیت کے ساتھ ان برآمدوں سے اوپر نیچے گھومتا رہتا ہے۔ وہ بہت زیادہ شریف ہے۔ لہجہ آواز اور گفتار میں نرم۔ لیکن خاص موقع پر تیز بھی ہو سکتا ہے۔ ایک ایک لفظ کی پیروی کرتا ہے۔ مضامین اور مسائل پر اپنے خیالات رکھتا ہے لیکن ایک سچے انگریز اور افسر کے طور پر اپنے فرائض نہایت احتیاط کے ساتھ سرانجام دیتا ہے۔ صرف ہم نے اُسے چند معاملات کے متعلق جو یقیناً بڑی جلدی طے ہو سکتے تھے بہت زیادہ غور کرتے ہوئے پایا ہے۔

سرجن جنرل

اگست کے آخیر میں بمبئی کے سرجن جنرل نے بہ ہمراہی کلکٹر اور سول سرجن ہماری جگہ کا معائنہ کیا۔ وہ آئرلینڈ کے ہیں۔ بزرگ اور کسی قدر چہرہ آفتاب سوختہ لیکن بظاہر ہنس مکھ۔ وہ میجر جنرل کینڈی آئی۔ ایم ایس ہیں۔ بظاہر انہیں اس بات کے لئے بھیجا گیا تھا۔ کہ وہ ورکنگ کمیٹی کے ممبران اور گاندھی جی کی صحت کے متعلق گورنمنٹ کی وعدہ کردہ رپورٹ کو تیار کریں۔ اُنہوں نے ہمیں بتلایا کہ ہمیں مُربّع کی بجائے سوراخ والی ہندوستانی مچھردانیاں مل سکتی تھیں۔ آپ ہندوستانی کاٹن ملز اور اُن کی پیداوار کے علم کا دعوےٰ بھی کرتے تھے۔ لیکن اُنہوں نے بعد میں اپنے اس علم کا کوئی ثبوت نہیں دیا۔ بعد میں مجھے یہ پتہ لگا کہ آپ ولبھ بھائی کے دوست ہیں۔ کیونکہ جب ولبھ بھائی احمدآباد شہر کے میونسپل چیئرمین

تھے۔ تو اس وقت آپ وہاں کے ہیلتھ افسر تھے۔ آپ نے ولبھ بھائی سے کہا کہ "میں بُوڑھا ہوتا جا رہا ہوں اور تھوڑا سا چڑچڑا، جس پر ولبھ بھائی نے یہ جواب دیا کہ" اگر آپ ۵۶ سال کی عمر میں بُوڑھے اور چڑچڑے ہیں تو مجھے کیسا ہونا چاہیئے؟" تب ولبھ بھائی کی عمر کے متعلق بحث چل پڑی جیسے میجر جنرل نے ۵۸ بتلایا اور میجر نے ۵۴- "یہ ۶۷ سال کی ہے"، ولبھ بھائی نے کہا: اور میں ۲۲ سال کی اور اُمید رکھتا ہوں" یہ خوب کہا۔ کیونکہ اُپنشدوں نے ہماری عمر ۱۱۶ سال بتلائی ہے۔ اور ۱۱۶ کی یہ عدد ضمناً اندھرا دیش میں تمام مخالف سے ۱۱۶ یا ۱۱۶ پر شمار کئے جانے کی ذمّہ دار ہے۔ عدد کا خاتمہ ہرگز صفر کے ساتھ نہیں ہونا چاہیئے۔ اور ولبھ بھائی محض ۲۲ سال نہیں بلکہ ۴۲ سال کا دعوے کر سکتے تھے۔

باورچی

۹-۹-۴۲

ہمیں قلعہ میں رہتے ہوئے ایک مہینہ گذر چکا ہے۔ داروغہ مسٹر کلکارنی، یرودا جیل کا ایک سینئر داروغہ احمد نگر فورٹ کیمپ میں اپنی نظر بندی سے رہا کیا جاتا ہے۔ کس طرح وہ اپنی غیر مطلوبہ جیل اور غیر مستوجب قید سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خواہش کر رہا تھا! اس نے اپنی ساری طاقت اور دائرہ اختیار کے ساتھ ہماری ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کی دو مجبوریاں تھیں ایک اس کا افسر اور دوسرے قواعد۔ ان دو کے درمیان کوئی بھی افسر بہت زیادہ نہیں کر سکتا تھا: تاہم اسے یہ تسلی ضرور تھی کہ اس نے ہمیں بیڈمنٹن کورٹ اور ایک کاک مہیا کئے تھے۔ کورٹ موجود ہے اور شٹل کا کھیل ہر شام کو ہنسی خوشی کھیلا جاتا ہے۔ لیکن باورچی کا ٹھہرنا صرف عارضی بات ثابت ہوئی۔ وہ ایک مارواڑی برہمن ہے۔ جس نے آتے ہی ایک برہمن کی مانند سارے رسوئی خانہ کو

صاف کر ڈالا کچھ مضائقہ نہیں کہ وہ کہاں سے آیا ہے دریائے گوداوری کے کناروں سے یا راجپوتانہ کی ریتوں سے۔ بمشکل ایک ہفتہ رہنے کے بعد اُس میں اور یہاں کے تعینات سپاہیوں میں تیز جھگڑا شروع ہو گیا۔ داروغہ نے اسے تنبیہہ کر رکھی تھی کہ وہ کسی سپاہی کو اپنے لنگر میں نہ داخل ہونے دے، اور مارواڑی چونکہ ہمیشہ قانون کا پابند ہوتا ہے اس لئے اس مارواڑی برہمن نے نہایت احتیاط سے اس قاعدہ کی پابندی کی جس سے سپاہی تمام زائد خوراک سے محروم ہو گئے اور انہیں اپنے محدود راشنوں پر گذارہ کرنا پڑا۔ جن کے لئے انہیں قیمت بھی دینی پڑتی تھی۔ یہ ایک بڑی سخت بات ہے کہ سپاہیوں کو اُن کے کنبوں سے لایا جائے۔ انہیں قیدیوں کے ہاتھوں سے روٹی کھانے کے لئے کہا جائے۔ انہیں قیدی بنلیا جائے اور اُنہیں کھُلی جی بھر کر روٹی نہ دی جائے۔ اور اسکے علاوہ انہیں عام لنگر سے بالکل علیحدہ کر دیا جائے۔ ایک برہمن سپاہی نے جو داروغہ کا باورچی تھا، اس مارواڑی برہمن باورچی کو "ٹھگ" کہا اور اسکے علاوہ ناقابل بیان گندی گالیاں دیں۔ اس طرح چڑ کر اور بڑی اُونچی آواز کے ساتھ اُس نے قانون کے ان نالائق اور بے ضمیر پیروؤں کے خلاف نصیحت آمیز تقریر کی اور اُن سے معافی کا مطالبہ کیا ورنہ وہ خوراک کو نہیں چھوئیگا۔ طویل کہانی کو مختصر کرتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے اگلی صبح نوکری چھوڑ دی۔ اور لنگر کو قیدی باورچیوں اور نگران سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ اور ہمیں ان دونوں کی مشترکہ نگہبانی پر چھوڑ دیا۔

ہسٹیریا کا ایک کیس

ہمارے نوکر خوش خلق تھے۔ جن میں سے ایک بڑا مضبوط اور چوڑا چوکبہ خوبصورت ڈاکو تھا۔ جو سانگلی اور مراج کے نزدیک کہیں مہاراشٹر اور کرناٹک کی حدود کے درمیان کا رہنے والا تھا۔ وہ اپنی قید کے ساڑھے چار سال کاٹ چکا تھا۔ اور ۱۲ ستمبر کو اس کی رہائی تھی۔ دس دن گزرے ہمیں ناشتہ کھلانے کے بعد یکدم اُسے شدید قسم کا دورہ ہو گیا۔ اور مجھے سب سے زیادہ نزدیک ملنے والا ڈاکٹر سمجھ کر بُلایا گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ ہسٹیریا کا کیس تھا اور جونہی کچھ ٹھنڈا پانی اُس کے مُنہ پر چھڑکا جا رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ میجر آئی۔ ایم۔ ایس آ گئے جنہوں نے فوراً میرے ساتھ اتفاق کیا۔ اور دورہ کی وجہ اُس گفتگو کو ٹھہرایا، اُس غیر معمولی گفتگو کو جو مریض اور ان میں اور داروغہ کے مابین ہوئی تھی۔ قیدی سے دریافت کیا گیا تھا کہ آیا وہ اپنی رہائی کے بعد بھی ایک

مہینہ اور تنخواہ کے ساتھ نوکری کو جاری رکھے گا۔ پہلے اُس نے مان لیا لیکن بعد میں اپنا ارادہ بدل لیا۔ اور دریافت کیا کہ اُسے اسی مہینہ کے اضافہ کے درمیان ہی فارغ کر دیا جائے گا۔ میجر نے کہا: نہیں۔ یا تم رہو یا ابھی چلے جاؤ! اُس نے آخری فقرہ کو سمجھا یا نہیں سمجھا۔ پہلے 'نہیں' کے لفظ نے ہی اُس پر گہرا اثر کیا اور اُسے دورہ ہو گیا۔ وہ بیقرار تھا کہ کہیں اُسے بذریعہ طاقت ہی نہ رکھ لیا جائے۔ اُسے دَورہ سے ٹھیک ہونے میں دو دن لگ گئے۔

دوسرا نوکر ایک مرہٹہ برہمن ہے۔ وہ اتنا ہی پڑھا لکھا اور پُر از معلومات ہے۔ جتنا کہ دیکھنے میں بھونڈا نظر آتا ہے۔ بڑا بھدّا اور مکروہ۔ لیکن جو پوسٹ ماسٹر تھا۔ اور خوب انگریزی بول سکتا ہے اور جسے ۱۸/۱ روپیہ کے عارضی غبن پر سزا ہوئی تھی۔ وہ انسپکٹر جنرل کی اُس "پارٹی" کا ایک آدمی تھا جسے سب جیل میں اُٹھنا پڑا تھا۔ اور تعلیم یافتہ ہونے کے باعث اُن دس دنوں کے واقعات کو بڑی اچھی طرح سے یاد رکھتا تھا۔ وہی ہمارے پاس مہادیو کی موت، اور ہماری گرفتاری کے جلد بعد پونا میں برین گن فائر چلنے کی خبر لایا تھا۔

اندھرا سے باہر اندھرا کے جُلاہے

نتیسرا نو کرخود نگرہ کا ہی ایک جُلاہا ہے اور تین ہزار اندھرا کُنبوں میں سے ایک ہے جو مُدت سے یہاں آباد ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ اُس نے خالص تیلگو بولنی شروع کر دی۔ اور بیان کیا کہ تیلگو اس کی "ماتری بھاشا" ہے اور یہ بھی کافی حیران کُن بات ہے کہ تین ہزار جولاہوں کے خاندان نگرہ میں رہتے ہوں! جبکہ پونا میں تقریباً اتنے ہی خاندان ہیں۔ دور دراز کٹک (اوڑیسہ) میں دو ہزار خاندان اور دُور اُفتادہ کوائمبور (تامل ناڈ) میں تین ہزار خاندان ہیں۔ تمام کے تمام جولاہوں کے اور تمام اندھرا کے اور تیلگو بولنے والے وہ کہاں گئے؟ کیوں گئے؟ اور یہ کس طرح ہُوا کہ بالخصوص اندھرا کے جولاہے اندھرا دیش سے شمال جنوب اور مغرب کی طرف جا کر آباد ہوئے؟

دوسرا مہینہ

مہادیو کی بیوی کو گاندھی جی نے جو تار بھیجی اُس نے کئی شکوک کو رفع کر دیا ہے۔ مہادیو کے انتم سنسکار (جلائے جانے) کے متعلق گورنمنٹ نے گاندھی جی کی خواہشات کو سولہ آنے پورا کر دیا۔ جب اُس نے شہر کی شمشان بھومی میں گاندھی جی کو جانے کی اجازت دینے یا اندرونی جیل کے احاطہ سے باہر جلانے کا انتظام کرنے کی بجائے آغا خان کے محل میں سنسکار (جلانے کی رسم) کی جگہ دیدی۔ سروجنی دیوی کے ٹھکانہ کے متعلق بھی شکوک تھے۔ لیکن تار نے اُنہیں دور کر دیا ہے۔ مہادیو کی اچانک موت نے بظاہر گورنمنٹ کو مجبور کیا کہ وہ فوراً نظر بندوں کی صحت کے بارے میں مزید احتیاط سے کام لے۔ چنانچہ ۸ ر دسمبر کو یک دم ہی سپرنٹنڈنٹ نے ہم سب کا خونی دباؤ لینا شروع کر دیا۔ حیرانی کی بات ہے کہ چار کی حالت میں خونی دباؤ ۸ ۱۱ اور ۷۵

کے درمیان ہو۔ اس خونی دباؤ کے معائنہ کے بعد اصلی ایک کیس شیٹ تیار کی گئی جس میں تمام سسٹموں یعنی انہضام، دورانِ خون، اخراج فضلہ اور تنفس کا معائنہ درج کیا جائے گا۔ سرجن جنرل اس سے پہلے آچکا تھا۔ اس کے بعد انسپکٹر جنرل اپنے دورہ پر آئے۔ مہتاب کی عینکوں کو بمبئی سے احمد نگر آنے تک ایک مہینہ لگ گیا ہے۔ شنکر راؤ کی ابھی نہیں آئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہیں فرار ہو گئی ہیں اور وہ صرف یہی نہیں کہ کنوارے ہیں۔ بلکہ نہ اُن کا باپ ہے نہ ماں، نہ بھائی نہ بہن، نہ چچا نہ پھوپھی، نہ گھر نہ دوست، اس لئے وہ کس رشتہ دار کو لکھتے اور قواعد کے ماتحت رشتہ دار کے سوائے کسی اور کو لکھنے کی اجازت نہ تھی۔ اُنہوں نے اپنے بھائی کی لڑکی کو لکھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس کے گرفتار ہو جانے کا اعلان ہو گیا۔ ہم میں سے صرف دو یا تین دوستوں کو خط آنے لگے۔ آصف کو ارونا سے ایک خط آیا جس پر تاریخ ۲۸ تھی۔ جگہ نامعلوم اور کارڈ بھی ایک دن دیری کے بعد ملا۔ جبکہ ایک مہینہ تک یعنی ۲۹، یا ۳۰ اگست سے لے کر اُسے اپنے آپ کو حوالہ کر دینے کا گورنمنٹ نے اعلان کر دیا تھا۔ سچیتا نے کرپلانی کو چٹھی لکھی ہے۔ جواہر کو اُس کی لڑکی کا اور پنت جی کو اُن کے لڑکے کا خط ملا۔ ڈاکٹر محمود گھر سے اپنی دوائیاں منگوانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ دگر نہ قلعہ احمد نگر میں خطوط نویسی نظر بندوں کا ایسا مصروف کن شغل نہ تھا۔ جیسا کہ یہ عام طور پر جیلخانجات میں ہوا کرتا ہے

عام صحت

قلعہ میں رہنے والوں کی صحت خراب نہ تھی۔ لیکن کسی طرح سے بالکل اچھی بھی نہ تھی۔ ولبھ بھائی کو اپنے درد گردہ کا دورہ ہُوا۔ جس کے باعث وہ دو ہفتوں سے زیادہ اپنے روزمرہ کے کاموں کو شروع نہ کر سکے۔ سوائے ہلکی قسم کے کیلوں، سنگتروں اور تھرڈ کلاس امرودوں کے اور پھل یہاں نہیں ملتے۔ مولانا باقاعدگی کا ایک نمونہ ہیں۔ اُن کی حرکات کے سامنے کسی کلاک کی ضرورت نہیں۔ جب انہوں نے اپنا کمرہ چھوڑا تو صبح کے ساڑھے سات بجے تھے۔ پونے گیارہ بجے تھے۔ شام کے چار بجے تھے۔ اور رات کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ البتہ مولانا کے کمرہ اور کھانے کے ہال کے درمیان جو ۸۰ گز کا برآمدہ ہے اور جسے طے کرنے میں انہیں ۳۰ سیکنڈ لگتے ہیں۔ انہیں وضع کر لیا جائے۔ جواہر صبح ہی اُٹھ بیٹھتا ہے اور تقریباً صبح ہی

تمام کے لئے چیزیں تیار کرنے، ترتیب دینے، صاف کرنے اور پکانے میں لگ جاتا ہے۔ یعنی بریڈ کا ٹوسٹ بنانے، آملیٹ تیار کرنے۔ آلو تلنے، اُبلنے کی نگرانی کرنے، سُپاری کاٹنے، ٹوماٹر کے ٹکڑے کاٹنے الغرض کیا کیا کرتے ہیں۔ بوتل خانہ اور بیڈمنٹن کورٹ دونوں میں وہ ایک جیسا چُست ہے۔ ڈاکٹر محمود کو خبر گیری کی ضرورت ہے اور جواہر سے بہتر کون اُن کی تیمارداری کرسکتا تھا اور اُن کے لئے کھانا تیار کرسکتا تھا؟ آصف علی نے اُمید سے زیادہ اپنی صحت کو برقرار رکھا ہے۔ اُس کی ذ[illegible] حس اُس کے بیمار پڑنے کے خلاف بغاوت کرتی ہے۔ پنت جی نے اپنی صحت کے متعلق سوچنے سے ہی انکار کردیا ہے۔ اُنہیں کافی اعتقاد ہے کہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہے گا۔

شنکر راؤ کی صحت غضب کی ہے۔ شٹل کاک کے پانچ سخت گیمز سے بھی نہیں تھکتا۔ گرمی ہو یا سردی وہ کمر سے اُوپر جسم کے ننگے حصّے کے ساتھ گیند یا چڑیا کو ایسے زور سے مارتا ہے۔ جیسے زور کے ساتھ وہ ایک مہینہ گذرا پونا سٹیشن پر پولیس پر کُودا تھا۔ ڈاکٹر گھوش وٹامین رجوہرغذا) کیلوریز اور غذائیت میں اس قدر ماہر ہے کہ آدمی کو پتہ نہیں لگتا کہ وہ کاربوہائیڈریٹ، پروٹین اور نمکوں کو کھا رہا ہے یا اشیائے خوراک کو۔ اُس کا قد چھوٹا ہے لیکن جسم کی بناوٹ شاندار اور صحت اچھی ہے۔ وہ ان دونوں کا خیال رکھنا جانتا ہے۔ میں البتہ اپنی آدھی رات کی خوراک اپنی چارپائی کے پاس رکھتا تھا۔ ایک کیلا رات ڈیڑھ بجے کی خوراک کے لئے۔ ایک آرام کرسی بمعہ چرخہ اور چند ایک کُتب۔ بس مجھے اور کچھ نہیں چاہیئے تھا۔ حالانکہ ہم میں سے

کچھ کاغذ قلم اور دوات کا بھی استعمال کیا کرتے تھے۔ کرپلانی جسمانی طور پر اتنا اچھا نہیں تھا جتنا دماغی طور پر، جو چھوٹی موٹی بیقراری اُس کے دماغ اور مزاج کو پریشان کرتی تھی سچیتا کی چھٹی مل جانے سے وہ دُور ہو جاتی تھی۔ نریندر دیو کو دمہ کا دورہ ہوتا تھا۔ اور وہ وہیں سے یا کسی اور جگہ سے اپنے ٹیکے نہیں لے سکتا تھا۔ اُس نے اس مُشکل کو حل کر لیا اور ولبھ بھائی کے ساتھ ہر روز اپنی چار میل کی سیر پُوری کر لیتا ہے۔ مہتاب کو عینکوں اور چرخہ کے نہ ملنے کے باعث سخت تکلیف ہوئی ہے۔ عینک کی بجائے چرخہ اس کے پاس پہلے پہنچا جس سے اس کی زندگی میں کچھ دلچسپی پیدا ہوئی اور عینک کا آنا تو کافی دلچسپی اور اہمیت کا واقعہ ہے۔ آخر کار گورمنٹ نے بمبئی میں ایسی دوکان کا پتہ لگا لیا جہاں عینکیں بنائی گئیں اور ۱۰ اگست کو تیار ہو گئیں۔ گورمنٹ کے پہیوں کو حرکت کرنے کے لئے صرف ایک ماہ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہے۔ کیونکہ عینکوں کے جوڑہ کا اتنا بھاری بوجھ جن میں جُدا جُدا محوروں کے سلنڈر اور گول مول شیشے لگے ہوئے تھے۔ دراصل بھاری ہے

پہلی ہڑتال

جب ۱۱ر ستمبر کو انسپکٹر جنرل آئے تو اُنہوں نے وعدہ کیا کہ ہمارے کمروں کی کھڑکیوں پر بنی ہوئی دیواروں کو اُسی دن مسمار کر دیا جائے گا۔ لیکن (۱۲ر ستمبر ۲ بجے بعد دوپہر تک) کام شروع نہیں ہوا ہے۔ نہ ہی مختلف صوبجات کے اخباروں کے متعلق کوئی بات ہوئی ہے۔ ۹ر اور ۲۷ر تاریخوں کے درمیان کے پرانے پرچے ابھی آئے ہیں۔ گورنمنٹ کے ایک اعلان کی تشریح کے متعلق انسپکٹر جنرل اور میجر میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے کمانڈر اور سول سرجن کی توجہ زور کے ساتھ اس طرف کھینچی ہے کیونکہ یہی دو افسر ہمارے کیمپ کا دورہ کرتے ہیں۔ کہ وہ وزیٹروں کی کتاب میں اپنے دورہ کیمپ کے متعلق ایک نوٹ چھوڑ جایا کریں جسے میجر حکومت کے پاس بھیج دیا کرے۔ پس اس سے گورنمنٹ کو یاد دہانی ہوتی رہے گی۔ جس سے میجر کو

کسی قسم کی دِقت یا نازک صورت کا مقابلہ نہیں کرنا پڑے گا۔ لیکن پیشتر
اس سے کہ کوئی ایسا نوٹ (اگر کبھی لکھا بھی جاتا ہو) گورنمنٹ کے پاس پہنچتا۔
ہمیں میجر کے ذریعہ قلعہ کے "لنگر" میں سے پُرانے اخبارات مل گئے ہیں جن
سے سراسر سرگرداں کرنے والی واقفیت کی طغیانی ظاہر ہوتی تھی۔ ایک بات
کا ہمیں پتہ لگتا ہے کہ گاندھی جی کی نظربندی کی جگہ یعنی پونا کے متعلق
کسی قسم کی رازداری کو نہیں برتا جاتا۔ گرچہ اخباروں میں آغا خاں محل
کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ نہ ہی ہمیں اس بات کا کوئی شک ہے کہ ہماری
نظربندی کے مقام کا بھی سارے ہندوستان کو پتہ ہے۔ ہم بذریعہ ریڈیو
ضرور باہر کی خبریں حاصل کرتے ہیں۔ میری مٹھائی ایک دن نہیں
لائی جاتی اور بازار جانے والا سپاہی معذرت ظاہر کرتا ہے۔ 'کیا تم بھُول
گئے ہو؟' مَیں نے پُوچھا۔ 'جناب نہیں' اور پھر وہ یہ کہتا ہے "دُکان
بند ہے کیوں؟ سب بند ہے"۔ تب وہ مُسکراتا ہے اور جواب دیتا ہے۔
'نہیں، بعض دوکان بند ہے'۔ یکایک ہمیں یاد آجاتا ہے کہ آج ۹ ستمبر
ہے اور اس لئے ضرور ہڑتال ہو گی۔

کھڑکیاں کھُل گئیں

اب بلڈنگ کی مرمت کے متعلق! کھڑکیوں کو بند کرنے والی دیواروں کو مسمار کرنے کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ انگریزی سپاہی آتے ہیں۔ اُن میں سے دو آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ پھر اُن میں سے چار آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں اور پھر چھ آتے ہیں۔ آدھ گھنٹہ کام کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ آخر کار ہم محسوس کرتے ہیں کہ کھانے کے ہال میں جس کی تین کھڑکیاں کھُلتی ہیں ایک تجربہ کرنے کا ارادہ تھا۔ ہر ایک کھڑکی سات فُٹ سے زیادہ بلند ہے۔ جس کی چوٹی ایک متحرک روشندان کی ہے اور اس طرح روشندان کے نچلے سرے سے بھی کھڑکی کی اونچائی پانچ فٹ سے زیادہ ہے۔ معماروں نے اینٹوں کے چھ یا سات ردّوں کو مسمار کیا اور روشن دان کے مقابل میں پھیلی ہوئی دھات کو رکھا۔ جبکہ باہر کی طرف سورج

کا سایہ اُٹھا ہے تاکہ ہم افسروں کے زنانوں کو نہ دیکھ سکیں جن کے گھر ہماری بلڈنگ کے متصل ہیں۔ کیسا مخول! کل (۱۶۰۹۰۴۲) ہم سب اکٹھے ہوئے اور کثرتِ رائے سے یہ فیصلہ کیا کہ وہ دیواروں کو اُن کے حال پہ چھوڑ دیں اور اُن کی بھدی مرمت وغیرہ نہ کریں جیسی اُنہوں نے کھلنے کے ہال میں کی ہے۔ معاملہ کی اطلاع میجر کو دی گئی۔ فوجیوں کی شبہ کرنے کی عادت بڑی بیزار کرنے والی ہے۔ میجر کو یہ بتلانے کے لئے بڑی دقّت کا سامنا کرنا پڑا کہ اس نے اپنی ساری کوشش کی ہے اور کہ وہ اس معاملہ میں بے قصور ہے۔ درحقیقت بات ایسی ہی ہے۔ اور کھڑکیوں کے ہمیشہ بند رہنے سے ہال کی جو بُری حالت ہو گئی ہے اُسے کوئی ڈاکٹر بالخصوص آئی۔ ایم۔ ایس برداشت نہیں کر سکتا۔ باوجود ہر طرف کافی رنجیدگی اور دو ہفتے گذر جانے کے آرڈر شدہ کتب بھی نہیں آئیں۔ اس لئے کوئی اچنبھا نہیں کہ گاندھی جی کا ۱۵ اگست کو لکھا ہُوا خط مہادیو کی بیوی کو ۴ ستمبر کو پہنچا اور وجہ یہ کہ "سپرنٹنڈنٹ جیل کو کسی قدر غلط فہمی ہو گئی تھی"۔ اسکے علاوہ کسی اور جگہ کسی حد تک کم عقلی سُستی اور غیر ذمہ داری کا عنصر بھی موجود ہے۔ اس اثنا میں ہم اپنے ممبروں کو فرائض سونپنے اور انہیں ہر ہفتہ بدلنے کے کام میں مصروف ہیں رضاکارانہ طریق حوصلہ افزا ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہر ایک ممبر فرائض کے ہر سیٹ سے واقفیت حاصل کرے ناشتہ میں آملیٹ تیار کرنے اور بریڈ کا ٹوسٹ بنانے کا علم مختصر ہے اور یہ چائے قہوہ اور انڈے کا فنِ تیار کرنے کے علاوہ ہے۔ رات کے کھانے میں آلوؤں کا بھوننا وغیرہ شامل ہیں۔ آخرکار سب کام ٹھیک چل رہے ہیں۔

ٹورنامنٹ

زندگی کی ناخوشگواری کسی حد تک بیڈمنٹن اور شٹل کاک ٹورنامنٹوں سے دُور کی جاتی ہے۔ کل چھ یا سات کِھلاڑی ہیں۔ جن میں سے کچھ ایک کو اس طرح پکڑ کر کورٹ میں لانا پڑتا ہے جس طرح بھیڑوں کو ذبح خانہ میں۔ لیکن ٹورنامنٹ کو پوری شان کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ گھنٹی، اکتاب، ٹاس کرنا، سکورر، ایمپائر اور لائن والے۔ موسم اگرچہ ہر طرح سے خوشگوار ہے مگر دھوکہ باز ہے۔ کھلاڑی چمکتے ہوئے سورج کے وقت اکٹھے ہوتے ہیں۔ مگر آسمان ابر آلود ہو جاتا ہے۔ اور ایک شرارتی گزرتا ہوا بادل تیز چھینٹا دے جاتا ہے۔ جیسے چھینٹا کہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ تیز بھی ہوتا ہے۔ موسم ایسا ہے جو پہاڑی موسم کی یاد دلاتا ہے۔ کبھی بارش، کبھی دھوپ، کبھی قوس و قزح اور کبھی چھینٹا۔ پہلے دن کے میچ میں اس طرح خلل واقع ہوا۔

آصف تمام ہاؤس کو چست اور جوشیلا بنائے رکھتا ہے۔ اُس نے ایک میگزین کی تیاری کی ہے۔ جس کا پہلا پرچہ سارے کا سارا اُسی کا ہوگا۔ مذاق سے پُر خواہ سنجیدہ یا غیر سنجیدہ۔ اشتہارات کو خوبصورت پیرایہ میں دکھلایا گیا ہے۔ کھیلوں کا کالم بہت ہی اعلیٰ ہے۔ وہ اپنا وقت سبز عینکوں اور لون (گھاس کا ٹکڑہ) میں جنگلی پھولوں کے ساتھ گزارتا ہے۔ جن عمارات میں ہم رہتے ہیں وہ کواڈرینگلوں کی مانند ہیں۔ جن کے تین طرف تقریباً ۸۰ گز لمبا اور چار گز چوڑا برآمدہ ہے۔ اس کے بیچ ایک کھلا احاطہ ہے جس کے مرکز میں جھنڈے کا ایک ڈنڈا ہے اور اردگرد سیمنٹ کا ایک چبوترہ۔ باقی تمام ہری گھاس ہی گھاس ہے۔ جسے رُک رُک کر تھمہ بار بار ہونے والی بارش ترو تازہ اور چمکدار رکھتی ہے۔ اس میں کہیں کہیں چند خالی ٹکڑے بھی ہیں۔ آصف اِن میں صرف اپنا وقت ہی نہیں گذارتا بلکہ ان ہری ہری گھاسوں اور جنگلی پھولوں کے ساتھ جن میں وہ مختلف اقسام کے ننھے ننھے پھول بھی تلاش کر لیتا ہے۔ وہ اپنی فرصت کے لمحات کو بھی خوشگوار بنا لیتا ہے۔ وہ اپنے دوستوں کو اُنہیں دکھلاتے ہوئے کبھی نہیں تھکتا۔ جن میں سے بعض میری طرح قدر شناسی کا دکھلاوا کرتے ہیں جبکہ بعض کو اُس کے حقیقی جوش کی لاگ لگ جاتی ہے۔

خط و کتابت

بالآخر سب چیزیں ترتیب پا رہی ہیں۔ خطوط آ رہے ہیں۔ جن میں سے بعض بے سمجھی ظاہر کرتے ہیں اور بعض بڑے تیز ہوتے ہیں۔ جوابات بھی دئے جاتے ہیں لیکن یہ نہیں پتہ کہ وہ کس قسم کے ہوتے ہیں۔ واقعات قلمبند کرنے والے یا جذباتی نگر کتابوں یا کپڑوں یا پونڈوں یا سلیپروں کے اٹڈنٹس اُن میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ خطوط کا ذکر کرتے ہوئے میں یہ ضرور کہوں گا کہ اُن سے ایک پیچیدگی پیدا ہوگئی ہے۔ سپرنٹنڈنٹ آہستہ سے ہمارے پاس آتا ہے اور تامل کے ساتھ یہ درخواست کرتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں کی یعنی صرف کُنبہ کے افراد کی فہرست دی جائے۔ کُنبہ کی بابت ہندو اور مسلم دونو کا زاویہ نگاہ ایک مغرب والے سے بالکل مختلف ہے۔ مغرب میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ صرف بیوی اور بچے۔ ماں باپ بھی نہیں۔

بھتیجوں اور چچا کے لڑکوں کا تو کیا کہنا۔ لیکن ہمارا مطلب یہ نہیں ہوتا۔ ہم ہیں یہ سب ایک دوسرے پر انحصار رکھتے ہوئے بطور ایک خاندان کے رہتے ہیں۔ "اوہ! تمہارے دو لڑکے تمہارے ساتھ رہتے ہیں،" میجر معصومانہ حیرانی کے ساتھ دریافت کرتا ہے "اور اُن کے بچے اور بیویاں بھی؟" میں جواب دیتا ہوں "آپ کے ساتھ پانی صرف نیچے اور آگے بہتا ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ یہ پیچھے، آگے، اُوپر، نیچے اور اطراف میں بھی بہتا ہے۔ خاندانی محبت کا یہ پانی"۔ لیکن اس قسم کی واقفیت کیوں طلب کی جائے؟ ہر باہر جانے والے خط پر مکتوب الیہ سے لکھنے والے کا رشتہ دار ضرور ظاہر کر دیا جائے اور بعض اوقات اُن ناموں کا جو خط میں آتے ہیں اُن کا رشتہ بیان کیا جائے۔ لیکن ایسی قطعی فہرستوں کی تیاری کیوں کی جا رہی ہے؟ کیا اس سے مقصود یہ ہے کہ سپرنٹنڈنٹ کو براہ راست خط دینے کا اختیار دے دیا جائے یا اس فہرست کی روشنی میں آنے والے خط کا اندازہ لگایا جائے۔ اور اگر وہ فہرست میں درج شدہ کسی نام کی طرف سے نہ ہو تو اسے روک لیا جائے؟ ۱۹۴۲ء میں جب میں ویلور میں نظربند تھا تو اُس وقت بھی رشتہ داروں کی ایک فہرست مانگی گئی تھی۔ لیکن وہ ملاقاتوں کی رہنمائی کے لئے مانگی گئی تھی کیونکہ اُس فہرست میں درج شدہ رشتہ داروں کو مجھ سے مُلاقات کرنے کے لئے گورنمنٹ سے درخواست نہیں کرنی پڑتی تھی بلکہ وہ مقررہ دنوں اور مقررہ گھنٹوں میں سیدھے جیل جا کر سپرنٹنڈنٹ کی اجازت سے مجھ سے مُلاقات کر سکتے تھے۔ جبکہ ہم شکی یا رکاوٹ پیدا کرنے والے ظاہر

نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ کسی بھی طرح اسے دیکھیں ہم یہ جاننا چاہتے تھے کہ کس مُدعا کی تکمیل کے لئے یکایک یہ مطالبہ کیا گیا ہے اور وہ بھی 'فوری' تعمیل کے لئے۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ اس کے متعلق جو کوئی جَیسا چاہے وَیسا ہی کرے۔

مُلاقاتوں کو چھوڑ کر ہم نے سابقہ سالوں کی تمام سہولتیں حاصل کر لی ہیں۔ یہ بات زیادہ ہے کہ ہمارے الاؤنس مقرر نہیں ہیں۔ تاہم ہماری ضروریات کو مہیا کیا جاتا ہے۔ گو اُنہوں نے ہمیں کپڑے یا جُوتے نہیں دئے۔ بیڈمنٹن کے ہر کھلاڑی کو ان تین سالوں میں صرف ایک جوڑہ مفت دیا گیا۔ ہمیں یہ پتہ بھی نہیں کہ ہم سے کیا لیا جائے گا اور کیا نہیں۔ کھڑکیوں کا تکلیف دہ سوال ابھی باقی ہے۔ جس پر میجر اور ملٹری نے ہمارے الفاظ کو بالکل صحیح مان کر انکا مزید کھولنا بند کر دیا ہے۔ ٹھیک ہے کہ وہ ہماری بیّن خواہشات کیخلاف کسطرح عمل کر سکتے تھے جنکی اطلاع انہیں باقاعدہ دی گئی تھی! ہم میں سے بعض یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ہمارے کمرونکی صفائی بہتر ہو جاتی اگر ہمارا روشندان والا حصہ کھولدیا جاتا۔

۲۷-۹ جب گذشتہ سوموار کلکٹر آیا۔ تو میں نے اپنی ضروریات کے سلسلہ میں یہ بات اُسے کہہ دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میجر اسکے متعلق آپکو سب کچھ بتلا دیگا! اسکے بعد میجر آیا اور اُس نے مجھ سے پُوچھا جب آپ نے اس سوال کو اُٹھایا تو ٹھیک آپکا مطلب کیا تھا؟ میں نے کہا 'میرا مطلب وہی تھا جسے میں نے بیان کر دیا ہے' اس مشکل سوال کا حل ضرور اسے کرنا ہوگا؟ لیکن آپکے دوستوں نے مزید ترقی پسند نہیں کی؟ ٹھیک میں نے کہا۔ لیکن یہ بڑی مہربانی ہے کہ اس طرح کسی شخص کے لفظوں پر اُسے لیا جائے۔ اس پر معاملہ ختم ہو گیا۔

ٹیبل ٹاک

روشنی آنے کی وجہ سے کھانے کا ہال کافی اچھا ہو گیا ہے خاص کر بعد دوپہر ۴ بجے چائے کے وقت۔ کیونکہ شام کے آفتاب نے اس رقبہ کو روشن بنا دیا ہے۔ ناشتہ۔ ٹفن۔ لنچ اور ڈنر کے وقت ہال میں گفتگو جاری رہتی ہے۔ اکثر بار غذا کے موضوع پر بحث چھڑ جاتی ہے۔ اس کی قسمیں، مختلف صوبجات میں اس کا مقابلہ، دال کا ڈھنگ دنگ۔ پتلی، آدھی پتلی، سوکھی، غذا میں لال مرچ کی جگہ، اس کی مختلف اقسام۔ اسے کب ہندوستان میں لایا گیا۔ مقابلتاً اس کی مرغوبیت بیکانیر اور دہلی سے لیکر واردھا اور مدراس تک۔ (اس کے بعد کڑھی اور پاپڑ جو ہندوستان میں ہر جگہ ہوتے ہیں)، سبزیاں، اُن کے اندر جوہر غذائیت، وٹامن کیا ہوتی ہیں، مختلف غذاؤں کی ...ہ پیدا کرنے کے لحاظ سے قیمت، ہر ایک میں کاربوہائیڈریٹس، چربی اور پروٹین

کا جزو، کس طرح جنوب کا ہندوستانی 'چاول پہلے' چاول بعد میں اور چاول
ہی بیچ میں، چاول صبح اور چاول رات' پر گزارہ کرتا ہے۔ اور اس کی تیز
عقل اگر اسے مان لیا جائے تو اِملی کی وجہ سے ہے یا دریائے کاویری کے
پانی کے باعث، یا کسی اور وجہ سے؟ دلیا یہ کس طرح بنایا جاتا ہے۔ بھوری
روٹی اور سفید روٹی کا مقابلہ۔ آیا بھوری روٹی درحقیقت ہول میبل
/ پوری خوراک ہے یا محض رنگ دار ہے، ہمیں ہاتھوں سے کٹے ہوئے
چاول کیوں نہیں دئے جاتے، معمولی اُبلے ہوئے چاول کیا ہیں، جن کی بابت
ہم میں سے بہتیروں نے کبھی سُنا ہی نہیں تھا۔ کس طرح انہوں نے بنگال
اور تامل ناڈو میں ہاتھ سے کٹے ہوئے چاولوں کی ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔
گھٹے (polished) ہوئے چاولوں کے مقابلہ میں ان دونوں کی وٹامین رچ بہر
غذا) کی قیمت کیا ہے، مچھلی اور بکری کے گوشت کو بھوننا چاہیئے یا پکانا! اگر
پکانا چاہیئے تو کتنا گھی ڈالنا چاہیئے یا اُن کی اپنی چربی میں ہی پکانا چاہیئے۔
مصالحہ ڈالنا چاہیئے یا نہ، اگر ڈالنا چاہیئے تو کب۔ آلو پکانے اور بھوننے
چاہیئں، یا محض انہیں بھاپ نکلنے تک گرم ہی کرنا چاہیئے یا ایسا کرتے
ہوئے انہیں نرم یا آدھے نرم۔ آدھے سخت یا صرف سخت کرنا چاہیئے،
انڈے کو بھوننا چاہیئے یا خلیب بنا کر لینا چاہیئے یا درمیانہ درجے تک اُبالنا چاہیئے
ان تینوں کی مقابلتاً ڈائیٹی قیمت، امرود کا چھلکا اُتار لینا چاہیئے یا بمعہ چھلکا
کھا لینا چاہیئے، بیج اور بیج والا گودا کھانا چاہیئے یا بیج کو بالکل پھینک دینا
چاہیئے۔ کریلا مصالحہ بیچ میں ڈال کر تلنا چاہیئے، وہ سبزی کیا ہے جسے ہر صوبہ

'پلولَ' کہتا ہے، گاجر کا مقابلتہً قد اور اس کی مختلف قسمیں، سبز چنا بہتر ہے یا لال، مونگ بہتر ہے یا مونگ پھلی، کیا دھنیئے کے پتّے کی بنی ہوئی چٹنی کے ساتھ لہسن ملانا چاہیئے (اور پھر ناریل یا ناریل کے بغیر؟) جنوب اور شمال میں ناریل پر مقابلتہً زور دیا جاتا ہے، ہندوستان کے بارہ میں جنوب سے کیا مراد ہے اور شمال سے کیا، بمبئی اور پونا جنوب کہلانے چاہیئں یا مغرب، کیوں شمالی ہندوستانی، مشرقی اور مغربی ہندوستانی رقبہ جات کو تسلیم نہیں کرتا۔ بندھیا کو ہندوستان کو دو حصّوں میں تقسیم کرنیوالی بُرجی سمجھنا چاہیئے جس کے شمال میں ہمالیہ ہے اور غائت جنوب میں راس کماری۔

ان کے علاوہ دلچسپی کے مزید مضمون یہ تھے کہ بریڈ اس وقت بہتر ہے جب خشک کا ہی ٹوسٹ بنا لیا جائے اور مکھن لگا لیا جائے، یا اس کا اُلٹ کرنے پر؟ یا جب گوکر پر مبعہ کھانڈ یا کھانڈ کے بغیر نرم آنچ سے اُبالا جائے مختلف قسم کے بھات، رائتے، چٹنیاں، پاپڑ، کڑھی، اچار، املی کا رس، نارنگیاں، مسمّبی، کمالا اور بتاوسے، کیلا پیلا، لال اور سبز، چیکو، سیتا پھل اور رام پھل، رس گُلّا بنام سری کھنڈ، پوری پروٹھا، چپاتی اور روٹی، دلیا اسے کس طرح بنایا جائے ۔ بھگوت گیتا اور بھات میں تعلق، تھام اور کام میں تعلق، فلاسفی اور سائنس میں تعلق، رمضان عید کے لئے پستہ اور اخروٹ ڈال کر 'سینوی' کی تیاری۔

کھانا کھانے کے بعد باتیں

تب کھانا کھانے کے بعد بحثیں ہوا کرتی تھیں جو زیادہ تر سنجیدہ مضامین اور شخصیتوں کے متعلق ہوتی تھیں۔ چرچل اور کرپس، سٹالن اور کاگانوِچ، پیٹان اور لاول، ہٹلر اور گوئرنگ، ہیس اور ہملٹن۔ کیوں ایک صبح یونین جیک پہلے تین چوتھائی اونچا تھا اور پھر آدھا اونچا؟ کون اُس وقت مرا تھا؟ (بعد میں پتہ لگا کہ ہوائی جہاز کے حادثہ میں ڈیوک آف کینٹ کے مرنے کی خبر تھی) مہادیو کی اچانک موت اور سپرنٹنڈنٹ یرودا سنٹرل جیل کی غلط فہمی کے باعث مہادیو کی بیوی کے نام گاندھی جی کی ۱۵ اگست کی دی ہوئی تار کا ۴ ستمبر تک رُکے رہنا، گاندھی جی برت رکھ رہے ہوں گے یا نہ؟ ہوائی جہاز سے پانچ مقامات (تین بہار میں، ایک بنگال (رانا گھر) میں اور ایک اوڑیسہ (ٹلچر ریاست) میں) پر مشین گن چلنے کی دل ہلا دینے والی خبر، کونسل آف سٹیٹ میں سر محمد عثمان

کے افسوسناک کارنامے، شری ایمنے کا خوشامدانہ رویہ۔ سرکار کی خاموشی، اسمبلی میں تقریر کرنے والے تین مسلمانوں یعنی عبدالحلیم غزنوی۔ ظفر علی، وحید الدین کا اعلیٰ لب ولہجہ، اسمبلی میں اشک شوئی کرنے والے کارناموں کی نسبت کچھ نسل آف سٹیٹ میں عمدہ کام۔ کنسر وادی پی۔ این سپرو کی گورنمنٹ سے اخذ کردہ معلومات، این۔ ایم جوشی کی پیدا کردہ مایوسی۔ کمیونسٹوں کا مستقبل، ابمبئی کرانیکل، بین پی۔ سی جوشی کا انٹرویو کہ کیوں اندھرا اور کیرالہ میں کمیونزم سنائی دیتا ہے۔ اپنی وسط ستمبر کی تقریر میں چرچل کا چین کا ذکر نہ کرنے کی فرد گذاشت اور ہندوستان میں ۵۰ سے کم مرے کا سنگدلانہ ذکر، وائسرائے کو دیا گیا پریس پراپیگنڈہ اور اس میں اٹلانٹک چارٹر کے متعلق روزویلٹ کی رائے زنی اور ہندوستانی شورش کے متعلق چینگ کیانگ کی رائے زنی کے دبانے کے متعلق انکشافات، سپرو۔ جیکار۔ سبنلو او اور مور کی شاندار پوزیشن اور اُس کے مقابلہ میں تحریک کے شروع سے ہی راجگوپال آچاریہ کے بُلیٹن، فضل الحق کا مسخرہ پن۔ سر سکندر حیات کا خود گرفتہ کی پلے (PLAY) کے ساتھ تحریک آزادی کی رہنمائی کرنے کا وعدہ۔ بس اس طرح ہم کھانا کھانے اور کھانا تیار کرنے، بیمار پڑنے اور تندرست ہونے اور پھر بیمار پڑنے؛ رُوٹھنے اور ماننے، غصہ میں آنے اور اُسے چھپانے، نہانے دھونے اور میلا ہونے، پڑھنے، لکھنے اور بھُول جانے، بحث کرنے اور وعظ کرنے، افسروں کو دوست بنانے اور دشمن بنانے، قیدی نوکروں کو جھانے، خوش کرنے اور دبانے، تاش اور شطرنج کھیلنے، لڑنے اور ٹھنڈا ہو جانے، شاموں کو

بیڈمنٹن کھیل کر گزار دیتے۔ جس کی کھیل میں پانچ کھیلتے اور سات دیکھتے ہیں اور جن میں سے کچھ کھڑے ہو کر دیکھتے ہیں اور کچھ چل دیتے ہیں، کچھ نزدیک سے دیکھتے ہیں اور کچھ دور سے وغیرہ وغیرہ۔ کیا عجیب بات ہے کہ لفظ ٹورنامنٹ ہی کھیل کو فتح و شکست، خوشی و غمی، جوش و مردنی کے معنوں میں نئی قدر و قیمت دے دیتا ہے۔ تاش کی کھیل اصلی سنجیدگی کا موقع بہم پہنچاتی ہے۔ جو خراب کھیلنا برداشت نہیں کرتی -

---

ہماری دو پارٹیاں

کام میں سخت مشغول ہوتی ہیں۔ بعد دوپہر پارٹی! لنچ کے بعد اور شام کی
پارٹی یعنی سہ پہر سے پہلے کی۔ ولبھ بھائی لیڈر رہیں اور سوائے کرپلانی کے باقی
سب نارضامند پیرو ہیں جنہیں حکماً کھلایا جاتا ہے اور کرپلانی ولبھ بھائی پٹیل
کا ساکھی بنتا ہے اور اس پر نکتہ چینی اور رائے زنی کی بوچھاڑ کی جاتی ہے۔

بیڈمنٹن (۲۴-۱۰-۱۱) کے دن بُرے آ گئے ہیں کیونکہ جواہر، کرپلانی، اور
آصف علی تینوں کی کلائیوں میں درد ہے، شنکر راؤ کا درد بڑھ گیا ہے جناب
نے اپنے آپ کو شٹل کاک "سرو" کرنے کے ناقابل پا کر سٹرائیک کر دی ہے -
پنت جی دوبارہ شامل ہو گئے ہیں اور انہیں گھوش سے گذارہ کرنا پڑتا ہے
جو آؤٹ ڈور اور ان ڈور دونو طرح کے کھیلوں میں قواعد کی سختی سے
پابندی کرتا ہے۔

نام (۲۴-۱-۴۴)

جیل کے سپاہیوں، حوالداروں اور صوبیداروں کے ناموں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یو۔پی میں بھی مدراس کی طرح جب تک یہ قیدی ہوں انہیں وارڈرز کہا جاتا ہے۔ جب یونیفارم دی جائے تو سزا یافتہ اوورسیر اور سزا یافتہ وارڈرز بن جاتے ہیں۔ مدراس میں یہ بلا تنخواہ نوکری تین درجوں میں منقسم ہے۔ پیتل کے بلّے کے ساتھ رات کا چوکیدار جسے عملاً ہر جگہ جانے کا حق ہوتا ہے۔ سزا یافتہ اوورسیر جو تمام جگہ جانے کا حق رکھتا ہے اور سزا یافتہ وارڈر جو آنریری ڈپٹی کالکٹر کی مانند ہوتا ہے۔ بلکہ مؤخر الذکر سزا یافتہ وارڈر کی مانند ہوتا ہے۔ جو اصلی وارڈر (کلکٹر) کی جگہ سزا دینے کا گندہ کام کرتا ہے۔ یہاں کے سزا یافتہ وارڈروں کی اپنی اپنی کہانی ہوتی ہے۔ پہلا بغاوت اور ڈاکے کے جرم میں سزایاب ہوا اور اپنی دیہاتی معصومیت اور شہری پالش کے باعث

دوسروں کی زریں رائے حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا اور رہائی کے وقت اُس سے بڑا محبّت آمیز سلوک کیا گیا۔ اُس کا جانشین جو بغاوت کے جُرم میں آیا ہے۔ گھٹیا قسم کا ہے اور قیدیوں کو پیٹنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔ اور شروع سے یہ سخت شکایت کر رہا ہے۔ کہ یہاں اس نظر بندی کے کیمپ میں کوئی قاعدہ (ڈسپلن) نہیں ہے جس کا مطلب پڑھنے والا سمجھ سکتا ہے یعنی پیٹنے کا اختیار جو بلاشُبہ آسانی سے نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ڈسپلن ایک کافی مشکل معاملہ ہے۔ ایک قیدی تھا جو خانساماں یا ویٹر بیرا کا کام کرتا تھا۔ جب دھوبی قیدی کی رہائی ہو گئی۔ تو اُسے کہا گیا کہ وہ دھوبی کا کام کرے۔ اُس نے صاف انکار کیا۔ جس پر اسے ڈنڈا بیڑیاں دی گئیں۔ لیکن چونکہ نظر بندی کا یہ کیمپ اس سزا کے لئے موزوں خیال نہ کیا گیا اُسے باقی ماندہ سزا یعنی دو ہفتوں کے لئے نگر کی سب جیل میں بھیجا گیا۔ جہاں اُسے باقاعدہ یہ سزا دی گئی۔

(۴۲-۱۰-۴)

'البانٹ واسں'

ہمارے پتہ کو پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ مسٹر ایمری نے پارلیمنٹ میں جواہر لال' اور دوسروں کا موجودہ پتہ' ظاہر کرنے سے انکار کردیا۔ لیکن ہندوستان میں ہر ایک کھلم کھلا پتہ جانتا ہے۔ دراصل جہاں تک گاندھی جی کے پتہ کا تعلق ہے' ۱۰ اگست کے 'بمبئی کرانیکل' میں یہ شائع کردیا گیا تھا کہ وہ آغاخان محل میں ہیں۔ صرف ہمیں یہ اخبارات ایک مہینہ بعد ملے تھے۔ لیکن ایک دوست کی بہن نے یہ خط لکھا' ہم سب جانتے ہیں کہ آپ کہاں ہو اگرچہ ہم اسے ظاہر نہیں کرسکتے! ہمیں یہ بھی اطلاع ملی تھی کہ ایک ہندوستانی (صوبہ کی زبان والے) روزنامہ اخبار میں ہمارا پتہ شائع کیا گیا تھا۔ ایک اور رشتہ دار نے یہاں اپنے رشتہ دار کو برو۱۹۳ سنٹرل جیل سے اس پتہ پر لکھا' "فلاں فلاں۔ بھنگر کیمپ احمد نگر۔"

چھاؤنی اور قلعہ کا رقبہ اُس جگہ میں واقع ہے، جسے بھنگر کہا جاتا ہے۔ لفافہ پر احمد نگر (۲۳ ستمبر) کی اور یرودا کی مُہر تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اُسے ضرور بمبئی گورنمنٹ کے پاس واپس بھیج دیا گیا ہو گا۔ اور جو تین گھنٹے نہیں رہ کر ۱۳ اکتوبر کو واپس آیا۔ صاف ہے کہ جب گورنمنٹ نے ۲۱ اور ۲۲ ستمبر کو یرودا جیل میں اس چھٹی کو پاس کیا۔ تو انہیں پتہ نہیں تھا کہ بھنگر کہاں ہے اور کہ مکتوب الیہ کون ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے نوکر شاہی اپنا کام چلاتی ہے۔

(۴۲-۱۰-۶)

ڈنڈا بیڑی

میں نے اس امر کی شکایت کی ہے کہ تھوڑی قید والے قیدیوں کو یہاں بطور مشقتی کے بھیجا جاتا ہے۔ لیکن جونہی کہ وہ کام سیکھ لیتے ہیں اُن کی رہائی آ جاتی ہے۔ اور ساری بات کو پھر نئے سرے سے شروع کرنا پڑتا ہے۔ حکام نے بھی اس انتظام کی بیہودگی کو محسوس کیا۔ اور اکتوبر میں تین لمبی قید والے قیدی بھیج دیئے۔ لیکن اُن کے پاؤں کے ٹخنہ پر ایک کڑا لگایا جاتا ہے اور ایک زنجیر جسے انہیں پنڈلی یا کمر پر باندھنا پڑتا ہے یا چلتے وقت ہاتھ میں اُٹھانا پڑتا ہے۔ یہ قابل نفرت نظارہ ہے۔ میں نے سوچا کہ میں ان قیدیوں سے کام نہ لوں اور چند دن نہیں لیا۔ لیکن میں بھی سخت دل ہو گیا۔ جب سوائے ایک ساتھی کے کسی نے میرے اس احساس کی قدر نہیں کی۔ ان میں سے ایک قیدی جو نوجوان ہے

اور غیر معمولی طور پر چست اور ہر فن مولا ہے۔ نویں بار چوری کے جرم
میں سزایاب ہو کر آیا ہے۔ اس کا بائیاں بازو، دونو ہڈیاں ٹوٹی ہوئی ہیں
اور بری طرح سے جڑی ہوئی ہیں۔ اور وہ کہتا ہے کہ اس کی وجہ اس
کا گھوڑے سے گر جانا ہے۔ اور یہ ایک ایسی وجہ ہے جسے سنبھل کر ہی
تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ حجام کا کام کر رہا ہے اور کہا جاتا ہے کہ
اچھی طرح سے کر رہا ہے۔ اور یقیناً اپنے سے پہلے حجام سے بہتر۔

(۸ - ۱۰ - ۴۲)

جھنڈے کا ڈنڈا

ہمارے احاطہ میں جھنڈے کا ڈنڈا موجود ہے لیکن جھنڈا نہیں۔ ظاہر ہے کہ پہلے کسی وقت یہ تھا لیکن ہمارے احساسات کا خیال کرکے اسے ہٹا دیا گیا ہوگا مگر کچھ ہی ہوا ہو ہمارے چوگرد سے باہر قلعہ کے جھنڈے کے ڈنڈے پر یونین جیک ضرور دکھائی دیتا ہے۔ ہم نے اس کے چڑھنے اور اترنے کے وقت کو بغور دیکھا ہے۔ اسے بےقاعدہ وقت پر اتارا جاتا ہے جب پہلی ستمبر سے ایک گھنٹہ آگے کا وقت عمل میں آیا تو ہمارا خیال تھا کہ وہ اس کی پابندی کریں گے لیکن گھنٹے ایسے بیقاعدہ رکھے جاتے ہیں کہ جھنڈا ابھی ۸ بجے رات (نیا وقت) تک لہرا رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ڈیوک آف کینٹ کی موت کے باعث جب جھنڈا آدھا اونچا لہرا رہا تھا تو چیلیں اس پر چونچیں مار رہی تھیں۔ حالانکہ جب یہ پورا اونچا تھا تو انہوں نے اسے بالکل نہیں چھوا تھا۔

(۹-۱۰-۴۲)

چائے اور بیڈمنٹن

ساڑھے چار بجے شام ہم اپنی چائے پیتے ہیں۔ بعد میں ہم چار پانچ چائے کی بجائے قہوہ لینے لگ پڑے ہیں۔ کچھ وقفہ کے بعد بیڈمنٹن اور شٹل کاک شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن جلدی ہی یعنی اکتوبر کے شروع تک چار کھلاڑیوں کی کہنی خراب ہو گئی۔ اور انہوں نے ہاتھ تبدیل کر لئے یعنی دو دائیں ہاتھ سے کھیلنے والے بائیں ہاتھ سے کھیلنے لگ گئے اور ایک بائیں ہاتھ والا دائیں ہاتھ سے۔ چوتھے نے بڑے شور کے ساتھ لمبے وقفہ تک کھیلنا ہی بند کر دیا۔

(۴۲-۱۰-۱۰)

پرندے

چونکہ شٹل کاک ایک کورٹ سے دوسری کورٹ تک اُڑ رہی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح ابابیلیں، چیلیں۔ طوطے اور کوّے اس سے ذرا اُونچے منڈلا رہے ہیں۔ وہ شام کو ٹھیک وقت کھیلنے کی گراؤنڈ پر منڈلانا شروع کر دیتے ہیں، ایک دوسرے کے کانوں میں گُوگُو کرتے ہیں۔ جوڑے بنا کر اُڑتے ہیں۔ ہمارے سروں اور درختوں کے ارد گرد چکر کاٹتے ہیں اور اپنی اپنی ٹہنیوں پر بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن چیلیں ایک تقریب منا رہی تھیں کسی خاص جوڑہ کی آمد پر جو شاید نسل کے بُزرگ ہوں وہ تمام ایک ہی پرواز میں اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے اور خوب خوشی مناتے تھے۔ اونچے ہی اونچے آسمان میں اُڑے جاتے تھے اور کچھ عرصہ کے لئے کھیل کُود کر اپنی اپنی جگہ ٹہنیوں پر بیٹھ جاتے تھے۔ ابابیلیں بالکل انسانوں کے نزدیک رہنے کی

عادی ہیں۔ وہ ہمارے برآمدہ کے ستونوں کے پاس سے گزر جاتی ہیں
اور ہر روز غالباً وہی جوڑے گھڑی کی باقاعدگی کے ساتھ ایسا کرتے ہیں
لیکن اُن میں سے بیسیوں اس رعایت کا فائدہ نہیں اُٹھاتے۔ وہ تمام
اپنی کو کو بدل لیتے ہیں، اُن کی آپس میں ملنے کی، اپنے بیڈروں کا استقبال
کرنے کی خطرہ کے خلاف تنبیہہ کرنے کی اور اپنی کھیل کو ختم کرنے کی بولی ہوتی ہے
چیل کی آواز بڑی دردانگیز اور ترس سے پر ہوتی ہے اگرچہ اس کے قد کے لحاظ
سے اور وحشیانہ طور پر شکار کرنے کے رجحانات کے مقابلہ میں کسی قدر کمزور
اور مدھم۔ البتہ پرندوں میں سے چڑیاں انسانوں کے نہایت نزدیک رہ سکتی
ہیں۔ انہوں نے ہمارے ہال میں اپنے گھونسلے بنا رکھے ہیں، وہ اپنا عشق و
محبت کرتے ہیں۔ اپنے معمولی حسد اور تلخ لڑائیاں بھی رکھتے ہیں، اور اپنے بچے
جنہیں ماں باپ سارا دن اور دن بھر کھلاتے ہیں۔ چڑیاں بڑی لڑاکی ہوتی
ہیں۔ کیونکہ آپ اکثر دیکھتے ہیں کہ دو چڑے ایک دوسرے کے اوپر گڑھک
رہے ہوتے ہیں اور ایک کی گردن بڑی سختی کے ساتھ دوسرے کی چونچ میں
پکڑی ہوتی ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی نظارہ نہیں جبکہ دو چڑے اور دو چڑیاں
متوازی لڑائی میں مصروف ہوتے ہیں۔ بظاہر یہ محبت کا معاملہ ہوتا ہے، یا وسی
کا یا ناکامی کا نہیں۔

تاش

رات پڑنے پر تاش پارٹی اسی باقاعدگی سے اکٹھی ہو جاتی ہے جیسی کہ لنچ کے بعد۔ لنچ کے بعد اور ڈنر سے پہلے یہ باقاعدہ بات ہے۔ ایک بدعت مَیں نے دیکھی ہے۔ دو تاشیں ہوتی ہیں جنہیں باری باری خلط ملط کر کے بانٹا جاتا ہے۔ ایک ابتدائی دقت یہ ہے کہ تاش کھیلنے میں مختلف صوبوں میں نام اور اصطلاحات مختلف ہوتے ہیں۔ مہاراشٹر میں ڈائمنڈ کو نہیں سمجھتے وہاں اسے 'چوکڑ' کہتے ہیں۔ 'کلبز' کو ایک دوست 'چڑیا' کہتا ہے۔ 'سپیڈز' عالمگیر ہے۔ تاہم ناموں اور اصطلاحات کی ناواقفیت کے باوجود چند غلط کالز (CALLS) دینے کے بعد سب دوست کھیل کو سمجھنے لگ گئے ہیں اور کھیل کے بعد کی بحث کو بھی کہ اگر دو سپیڈ کی جگہ دو 'نو' ہو جائے تو کیا نتیجہ نکلتا؟ اگر ایک 'نو' دو ہارٹس کو جگہ دیدیتا یا اگر کلبز کی بجائے رہنمائی ڈائمنڈز کی ہوتی اور غیرہ وغیرہ، کتنی سنجیدہ یہ بحثیں ہو جاتی ہیں اکثر بار دیکھنے والوں کو ڈرا دیتی ہیں۔ لیکن کھلاڑیوں کے لئے یہی اور کئی ایک کے لئے دوسروں سے زیادہ اصلی مزا اور کھیل کا حقیقی لُب لُباب دکھلائی دیتی ہیں۔

قمری اور شمسی سال

جب کھیل جاری ہوتی ہے۔ تو دوسرے جنہیں کھیلنے یا دیکھنے دونوں طرح سے دلچسپی نہیں ہوتی وہ کھلی جگہ میں کھڑے ہو جاتے ہیں، آسمان کو بغور دیکھتے اور ستاروں اور سیاروں کے متعلق بحث کرتے ہیں۔ اس کے بعد قمری اور شمسی سالوں کے متعلق خیالات کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔ ادھیکا ماس 'قمری گنتیوں کا لازمی جزو ہے اندھرا، یو.پی اور مہاراشٹر قمری سال پر عمل کرتے ہیں لیکن جہاں اندھرا میں مہینے اماوس کے ساتھ ختم ہوتے ہیں، وہاں یو.پی میں مہینے پورنی منتھاس ہوتے ہیں۔ چنانچہ سال میں پندرہ دن کا فرق ہوتا ہے۔ تامل اور بنگالیوں کا سال شمسی ہوتا ہے۔ اور اُن کا نیا سال لازمی طور پر ۱۳ یا ۱۴ اپریل کو ہوتا ہے۔ مگر مختلف صوبجات کے تیوہار تقریباً وہی ہیں اور جن کا انحصار قمری گنتیوں پر ہے۔ یو.پی میں دسہرہ سب سے زیادہ ضروری ہے جیسے دیپاولی گجرات میں یا وِناٹیکا چَترتھی مہاراشٹر میں، یو.پی میں رام لیلا اگلے درجہ پر نہایت ضروری تیوہار ہے۔

(۴۲ - ۱۰ - ۱۳)

پتھر

قلعہ میں ہماری آمد بالکل موسم برسات میں نہ تھی۔ تاہم کچھ بارشیں ہوئیں۔ جن کے باعث زمین کے پتھر ڈھل گئے اور اُن میں سے کچھ ایک نے مختلف رنگ پیش کئے ہیں۔ مثلاً لال، ہیرا، جمرود، نیل، یاقوت، کاربنکل، کنکر اور وغیرہ وغیرہ۔ ہم میں سے دو کے لئے انہیں اکٹھا کرنا بہرحال ایک شغل بن گیا تھا۔

(۴۲ - ۱۰ - ۱۴)

باغ

اِس کے بعد باغ کا خیال آیا۔ ایک کمیٹی کی ایک بیٹھک میں یہ قرار دیا گیا کہ سرمائی پھولوں کا ایک چھوٹا سا باغ لگایا جائے جس کیلئے سوائے ممبروں کے اور کسی سے مشقت نہ لی جائے۔ لیکن جب وقت آیا تو تھوڑے ہی آموجود ہوئے۔ جگہ کی سروے اور پیمائش کر لی گئی۔ مرکزی جھنڈا اور اس کے گول چبوترے کے ارد گرد ایک گراؤنڈ پلین (GRO ND PLAN) تیار کی گئی۔ لیکن کسی طرح یہ اچھا سمجھا گیا۔ کہ دو فٹ نیچے کھدائی کی جائے۔ جس سے پرانے محلات کی ایک دیوار نکل آئی جس کی نشان کردہ ہر لائن کے سرے پر دو خوبصورت کنول کھدے ہوئے تھے۔ دیوار سبھی پتھر کی بنی ہوئی تھی اور ہم ضرور اس کی آٹھ یا نو فٹ کی بلندی پر کہیں ہوں گے۔ اوپر کی دیواروں کے ملبہ سے جو مسمار کی گئی تھیں پرانے محل کے ہالوں کو بھر کر ارد گرد کے رقبہ کی سطح سے کم از کم آٹھ یا

دس فٹ بلند تھی۔ کھدائی سے کالی نرم مٹی کا کافی پتھر نکل آیا ہماری بلڈنگ کی شکل و صورت بالکل کیمپ جیل کی سی نہ تھی بلکہ ایسی عمارت کی جو پرانے مصالح سے تیار کی گئی تھی۔ اس اثنا میں یہ بھنک کان میں پڑی کہ انسپکٹر جنرل اور گلے اور پھیپھڑوں کی بیماری کا ایک ماہر ۱۵ اکتوبر تک ہماری جگہ کا دورہ کریں گے جس سے تھوڑی سی ہلچل پیدا ہو گئی۔ سپرنٹنڈنٹ ملبہ اور گڑھے پر خوش نہ تھا۔ اس لئے قیدی مشقتیوں کو تمام پتھر ہٹانے اور زمین میں چھید کرنے اور اس سے گڑھوں کو بھرنے میں کافی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ افسوس کی بات یہ ہوئی کہ دیواروں میں جو کنول کے پھول تھے پھر ایک بار ڈھانپے گئے۔ جنہیں غالباً کسی دن کوئی "آئندہ قیدی" دوبارہ نکالیں گے۔ اگرچہ ابتدا میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ باغ کا کام ہم خود کریں گے لیکن صرف جواہر لال نے ہی اتنا کام کیا جتنا وہ کر سکتا تھا۔ مگر انسپکٹر جنرل نہیں آئے اور نہ ہی وہ ماہر۔ مریض ڈاکٹر سید محمود کو برائے معائنہ کلکٹر کی کوٹھی پر پہنچایا گیا۔ اور خوش قسمتی سے تھوڑے سے ملیریا کے ساتھ اُن کے ناک کے پچھلے حصّہ میں کسی قدر سوزش تھی۔ اس بلڈنگ کے آثار قدیمہ والا پہلو بھی دلچسپ ہے ۱۴۹۶ء اور ۱۴۹۸ء کے درمیان قلعہ کو چاند بی بی نے بنایا تھا اور قلعہ کی فصیل، بعد میں بنائی گئی تھی جو پہلے کیچڑ کی تھی اور پھر اینٹوں کی۔

(۴۲-۱۰-۱۵)

زمین دوز سُرنگ

لہذا ہر وجہ سے یہ اُبھن کی جاتی ہے کہ یہاں کوئی خزانہ ہے لیکن اس کے لئے ہمیں گہرا کھودنا پڑے گا یا پائیرن چشمہ کو چکھنا ہی نہیں ' والی بات ہے۔ باغ کے لئے چھوٹے گڑھوں کی کھدائی نے یہاں کے لوگوں کو پریشان کر دیا ہے۔ کیونکہ اُن کا ڈر بے بُنیاد ہے۔ ہم سُنتے ہیں کہ ملٹری کو ہمیشہ یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ ہم کہیں بھاگ ہی نہ جائیں۔ اُن کے دل میں تبدیلی پیدا کرنا ممکن نہیں۔ اگر ہم انہیں یقین بھی دلا دیں۔ کہ ہم اور ہی طرح کے انسان ہیں تو بھی وہ یہ یقین کئے رکھتے ہیں کہ اگر تم باغ کے لئے زمین کو کھودتے ہو یعنی اس کی زمین کو اُلٹ پلٹ کرتے ہو اور اسے پانی دیتے ہو تو تم ایک زمین دوز سُرنگ کی کھدائی کر رہے ہو۔ یہ خیالات فرضی نہیں ہیں۔ بلکہ اصلی بحثوں پر منحصر ہیں۔ 'سول' حکام نے ہمیں ملٹری کے سپرد کر دیا ہے۔ ہم شاید نہ یہاں ہیں اور نہ وہاں لیکن ہم یہاں یا وہاں ہونا ترک نہیں کرتے۔ ہم دونوں میں ہیں اور یہی مُشکل ہے۔

(۱۶-۱۰-۴۲)

ٹومیز

اگر عمارت کی مرمت ہونی ہے تو برطانوی ملٹری ضرور آئے گی، وہ اپنے بیلچے اور اوزار، اپنی سیڑھیاں اور سیمنٹ کے تھیلوں کو اٹھاتے ہیں۔ وہ کھودتے اور اکھیڑتے ہیں۔ وہ نلکوں سے پانی لاتے ہیں اور سیمنٹ ملاتے ہیں وہ ملبہ کو اٹھاتے ہیں اور اسے باہر لے جاتے ہیں۔ وہ اپنی اینٹیں لاتے ہیں اور انہیں اپنی بیٹھوں پر اٹھا کر چلتے ہیں۔ یہ سب ٹھیک اور اچھا ہے لیکن مزیدار بات یہ ہے کہ وہ بیک وقت پانچ یا چھ اینٹیں اٹھاتے ہیں، ترقی کے طور پر ان میں سے دو نے اکٹھے ہو کر ایک تختے کے ٹکڑے پر دوگنی تعداد اٹھائی۔ اس سے انہوں نے اپنی محنت کو تو بڑھا لیا اور آگے اور پیچھے ایک زائد تختہ کو اٹھایا لیکن اس سے انہیں ایسا ویسا فائدہ ہی پہنچا۔ کیونکہ جو کچھ میں دیکھ سکا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ پورے کاریگر نہیں ہیں، قابلیت

اور رضامندی دونو طرح سے دوئم درجہ کے ہی ہیں۔ وُہ کھرپی کو اُٹھا
کر چلتے ہیں جو ایک فٹ لمبی ہوتی ہے اور لمبی تکون بناتی ہے۔ ایک پتھر کی
سلاخ کو ہٹانا تھا۔ اور ہٹانے میں ہی اسے توڑ دیا گیا۔ جونہی کہ اُسے ہٹایا جا
رہا تھا میں دیکھ رہا تھا اور دیکھا کہ غلط ٹکڑوں کو ایک دوسرے کے ساتھ
رکھا جا رہا ہے۔ میں نے ایک دم ٹومی سے کہا کہ اسے یُونہی چھوڑ دو۔ اور
میں نے خود اس ٹکڑہ کو اُٹھا لیا اور اسے کسی جگہ رکھ دیا اور یہ آ کے درجہ
تک صحیح تھا۔ یہ سفر مینا خوش دل آدمیوں کی ہے۔ وہ آپ سے فوری تعلقات
قائم کر لیتے ہیں۔ وُہ ایسے ظاہر ہوتے ہیں جیسے بات چیت کے بھوکے ہوں۔
وہ آپ کو اپنے متعلق سب کچھ بتلا دیتے ہیں۔ اُن میں سے ایک کاشتکار
ہے اور اپنے باپ کی زمین پر کام کرتا ہے۔ لیکن اُن کے پاس نہ کوئی گھوڑا
ہے اور نہ ہی آبپاشی۔ وہ آلوؤں، گوبھی، شلغم، گاجر، مولی، نول کھول
وغیرہ کی فصل اُٹھاتا ہے، وہ ۲۳ سال کا ہے اُس کی شادی نہیں ہوئی۔
مگر انگلستان میں اس کی ایک لڑکی ہے۔ اُس کی سگائی ہو چکی ہے۔ ایک اور
جس کی عمر ۲۸ سال ہے، شادی شدہ ہے، اُس کا ایک بچہ ہے لیکن وُہ
اپنے کاؤنٹی کا نام نہیں جانتا۔ ایک تیسرا ہندوستان میں پیدا ہوا ہے۔
الیکٹریکل انجنیئر ہے، روچیسٹر میں شادی شدہ ہے اور بڑا چست ہے۔ چوتھا
۲۲ سالہ ہے اس کی نسبت ہو چکی ہے۔ اور اُس کا گھر نارتھیمپٹن ہے، یا پچاس
لنکاشائر کا رہنے والا ہے۔ اُس نے بتلایا کہ وہ لارڈ ڈبلی کو جانتا تھا اور
یہ بھی کہا کہ اُس کا گھر لارڈ کے گھر سے دُور نہ تھا۔ اُس نے لارڈ کے سب

سے بڑے لڑکے لارڈ سٹینلے کو بھی جان لیا تھا جو کچھ عرصہ ہوا مر گیا۔ لیکن اُس نے لارڈ کے دوسرے بیٹے آلیور سٹینلے کا نام نہیں سُنا جو پہلے بورڈ آف ٹریڈ کا صدر تھا۔ اور اب جنگ کا چارج (؟) نہ ہی وہ مدراس کے سابق گورنر لارڈ ڈربی کے بھائی سر جارج سٹینلے کو جانتا تھا۔ نہ ہی اُسے یہ علم تھا کہ لارڈ ارون (ہیلی فیکس) لارڈ ڈربی کی بڑی لڑکی کا خاوند ہے۔ وہ تمام گھر جانے کے لیئے بیقرار ہیں۔ اُن میں سے کوئی بھی جنگ کو پسند نہیں کرتا لیکن انہیں مجبوراً جرمنی سے لڑنا پڑتا ہے۔ کیوں؟ اس لیئے کہ جرمنی انگلستان پر حملہ نہ کر دے۔ جرمنی کے خلاف کوئی خاص انفرادی بُغض دکھلائی نہیں دیتا لیکن گروہ کی دُشمنی موجود ہے۔

(۱۷-۱۰-۴۲)

جاپانیوں کے خلاف

یہ دشمنی خاص طور پر ہمارے میجر میں قابل نوٹ ہے۔ لیکن ہم پتہ لگا سکتے تھے کہ وہ اپنا سب کچھ انڈیمان میں جاپان کو دے بیٹھا ہے اپنی موٹر کار۔ اپنے شادی کے تحائف، فرنیچر اور کپڑے، کیونکہ وہ وہاں جیل کا سپرنٹنڈنٹ تھا۔ اُسے تنہا ہندوستان آنا پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نیک بیوی کو پہلے ہی ایک جہاز میں بھیج دیا گیا تھا۔ لیکن جاپانیوں نے اُس کے جہاز پر حملہ کر دیا۔ ایسے مواقع سے قدرتی طور پر ہر ایک کے اندر تلخی پیدا ہو جاتی ہے؛

(۱۸-۱۰-۴۲)

غازی میاں

یکدم جواہر لال ایک شام کو بھڑک کر یہ کہنے لگے "غازی میاں واہی پار، واہی پار۔" پھر اُسکی کہانی بتلائی:۔ غازی میاں ایک سنت تھا اور ہر سال مسلمان عوام اسکے سال کا دن مناتے ہیں جسمیں ہندو بھی اُنکے ساتھ ڈھول اور باجا بیکر شامل ہوتے ہیں۔ کہانی یہ ہے کہ ایکدن غازی میاں ہوا خوری کے لئے روانہ ہوئے اور اُسکے ساتھ دو شاگرد تھے۔ ایک بنی میاں اور ایک اللہ میاں۔ اُنکے راستہ میں ایک چھوٹی سی ندی آئی۔ اور سوال یہ تھا کہ اسے کیسے عبور کیا جائے۔ غازی میاں نے یہ تدبیر بتلائی کہ ضرور سبکو اُس پر سے کُود جانا چاہیئے۔ اللہ میاں پیچھے چلا پھر آگے دوڑا۔ چھلانگ لگائی اور غرق ہو گیا۔ بنی میاں چھوٹا تھا اُس نے لمبا سٹارٹ لیا اور آگے کی طرف کُودا لیکن اللہ میاں سے ذرا آگے جاکر وہ بھی غرق ہو گیا۔ اب صرف غازی میاں رہ گیا۔ قد و قامت میں بڑا مضبوط اور سڈول۔ اُس نے اپنے لباس کو کس لیا اور اپنے اعضا کو پھیلا کر ایک بڑی چھلانگ لگائی اور وہ دوسری طرف پہنچ گیا۔ اس واقعہ کو مناتے ہوئے تمام لوگ ایک آواز ہو کر یوں چلاتے ہیں "غازی میاں واہی پار واہی پار" اور ساتھ ڈھول بجتا ہے۔ واہی پار واہی پار ایک اصطلاح ہے۔ جسے کسی کوشش کی کامیابی پر استعمال کیا جاتا ہے۔ (۴۲-۱۰-۱۹)

اپنے متعلق

اس طرح کی بُود و باش میں اگر اخبارات اور کتابیں بھی نہ دی جاتیں۔ اگر ملاقاتیں اور چھٹیاں بھی بند کردی جاتیں۔ اور ہم سب کو باقی دُنیا سے جُدا کر دیا جاتا، تاہم جب ایک درجن آدمی نیک اور سچے اکٹھے کر دیئے جاتے ہیں تو ایک دوسرے سے لینے دینے کا اس قدر اور ہمیشہ اتنا مصالحہ ہوتا ہے۔ مولانا کی گہری علمیت اور وسیع سیمیٹک کلچر، جواہر کا وسیع سفر اور بین الاقوامی نکتہ نگاہ، اس کی پرانی ہیرو (Harrow) کالج کی روایات اور اس کی کیمبرج کی یادیں، ڈاکٹر سید محمود کے کیمبرج اور جرمنی کے تجربات جہاں اُنہوں نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی تھی۔ اُن کے پہلے کے کانگریسی رجحانات، اُن کی غیر متزلزل قوم پرستی، علیگڑھ میں اُن کے جھگڑے اور اُس وقت کے گورنر سے اُن کی گفتگو، آصف علی کا انسان کے متعلق علم۔ انسانوں کی جسمانی اور دماغی حالت کے مقابلتہً فرق کا علم، پُرانی اور وسطی زمانہ کی تواریخ، عمارت کے نیچے آثارِ قدیمہ کے متعلق اور عمارت کے اوپر ستاروں کے علم کے متعلق اُس کی دلچسپی اور دونو کے درمیان علم نباتات اور اس کے علاوہ قیمتی پتھروں کا عام علم۔ پنڈت گووند بلبھ پنت کا

ہندوستان کے ایک سب سے بڑے صوبے کے نظم و نسق کا بحیثیت وزیر اعظم
۲۷ مہینے کا تجربہ، خاکساروں کے متعلق اُن کی یادیں اور قانون قبضہ لااماضی،
درست پن سے اُن کی محبت اور قومی اور بین الاقوامی امور میں اُن کا غیر جانبدارانہ
نکتہ نظر اُن کا وسیع مطالعہ اور ہر مضمون میں دلچسپی اور سب سے زیادہ
مرکزی اور صوبجاتی قانون ساز مجلسوں کے متعلق اُن کا تجربہ۔ شنکر، جیسے گیتا
زبانی یاد ہے اور جو ہر روز گیتا کے ۷۰۰ شلوکوں کو دُہراتا ہے اور اس کے
علاوہ اُس کی اُپنشدیں، اُس کی سخت مہاراشٹری کلچر اور اس کی سنیاسیوں
والی شکل وصورت اور سخت معیار، ڈاکٹر پرپھلا گھوش کے پہلے زمانہ کی بطور
پروفیسر سائنس اور ٹکسال کی دھاتوں کے پرکھنے والے کی بڑی یادیں، وسیع
اور غضب کی کھدر کی تنظیم، سائنٹیفک نکتہ نگاہ، غذاؤں اور بناوٹی رنگوں
کے متعلق علم اور غذا کی مختلف چیزوں کے برابر کی گرمی پیدا کرنے والے،
اور تمام آرلینگ مرکبات کے متعلق کیمیاوی فارمولا، اور سب سے بڑھ کر جنگ
کی صورتِ حالات کے متعلق گہرا مطالعہ اور ناگتہ براٹمس، جرمن زبان اور بین
الاقوامی سیاسیات کے متعلق پکا علم، کرپلانی کی پروفیسروں والی غیر حاضر طبع
لیکن ساتھ ہی اردگرد کی حقائق کی زبردست سمجھ، مردوں اور معاملات کی فطرت
کا گہرا علم، ظاہرہ اکھڑپن کے پردہ میں چھپی ہوئی مہربانی و محبت کی روح، غیر
رسمی (unconventional) سے ڈھانپی ہوئی نہ چوکنے والی خاطر و مدارات کا خزانہ
شکل وصورت اور گفتگو کے باوجود چھپی ہوئی گہری مذہبی جستجو، اور سب سے
بڑھ کر سندھ کے ہندوؤں والی کاروباری قابلیتیں جنہوں نے انفرادی کوشش

سے ہندوستان بھر میں سب سے بڑی اور شبہ سے کلیتاً بالاتر واحد کھدر کی آرگنائزیشن بنالی ہے۔ کیونکہ کرپلانی بیرونی باتوں کی پرواہ نہ کرنے میں اُستاد ہے، فلاسفی، علم النفسیات، اور تعلیمی مسائل میں دسترس، نریندر دیو کی وسیع کلچر اور بدھ مذہب کی تعلیم سے گہرا تعلق، سنسکرت کا علم اور فلاسفی کا پریم۔ سیاسیات اور تعلیم کی سائنس میں بخوبی اکٹھے فوائد، پُرانی زمینداری اور موجودہ سوشلزم، ہری کرشن مہتاب کی جسے فخرِ اتکل کہا جاتا ہے، باوجود بڑے موٹے جسم، اور سنجیدہ سیاسی سرگرمیوں کے کلچر میں دلچسپی، بہار لیجسلیٹو کونسل کے پُرانے تجربات، مشرقی ایجنسی ریاستہائے کے معاملات میں نئی دلچسپی، صدارت سے پہلے اور صدارت کے بعد سبھاش بابو سے گہرا تعلق اور مہاتما گاندھی سے اچوک وفاداری، اور آخیر میں ولبھ بھائی جے پٹیل خاص حلقوں میں بھی لابھی اور عام حلقوں میں سردار، خوف اور تعظیم دونوں کا پیدا کرنے والا، کہانیوں سے بھرپور، طنز آمیز حاضر جوابی اور تمسخر اور ظرافت کا دریا، بظاہر دُنیا میں خیالات کی لہروں سے سراسر بے خبر، لیکن اس کے باوجود ان کی اندرونی تفاصیل اور پیچیدہ راستوں سے پُورا واقف، اپنے دل و دماغ میں بے شمار تفاصیل کو جو ستائیس سال گذشتہ کی سیاسیات کے امورِ واقعہ اور کیفیات کو واضح کرتے ہیں گہری جگہ دینے والا، تو کیا ایسے دوستوں کے ساتھ دو سال یا تین سال اکٹھے گذارنا کوئی مشکل کام ہے، جو یاد رہے محض عقل کا نمونہ ہی نہیں ہیں، نہ ہی گوشت اور چربی، خون اور ہڈی کے تودے ہیں بلکہ جو ذی حس انسان ہیں۔ جن میں جوش اور تخیل ہے۔ جن میں سکھلانیکی،

خواہش اور سُننے کی ہمدردی ہے۔ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مطابقت کھانے والا اپنا اپنا ٹائم ٹیبل ہے۔ ہر ایک کے اپنے اپنے خاص ذرائع ہیں۔ کبھی کبھی اپنی ذہنی تصاویر، اپنے تعصبات اور دُھن، تعمیری اور ملانے والی قابلیت کے لئے طبع کی ذکاوت یا تجزیہ اور تباہ کرنے والا مذاق۔ کچھ ایک کی کاٹنے اور جلانے والی تیز سمجھ، دوسروں کی سخت طنز، ایک یا دو کا اچھا۔ ہلکا۔ دل خوش کن اور زندگی بخش مذاق ؟ پُرانے ماہروں اور موجودہ آشرم نواسیوں نے ٹھیک کہا ہے کہ گروہ کی زندگی اُس وقت ہی سب سے زیادہ لُطف دیتی ہے، نشو ونُما پاتی ہے اور سراہی جاتی ہے جب اس کی تعداد بارہ سے پندرہ تک محدود رہتی ہے۔

(۴۲ - ۱۰ - ۲۲)

ذائقے مختلف ہیں

ڈاکٹر گھوش نے بنگالی خوراک تیار کرنے کی پیشکش کی اور دال کے لئے اس کی بار بار تعریف کی گئی ہے۔ جس کا صرف ذائقہ ہی نفیس نہیں بلکہ جس کا امتیازی سنہری رنگ بھی ہے اور خوراک کو دلکش بنانے میں رنگ کا بہت زیادہ حصہ ہے۔ آلو کو پھول گوبھی کے ساتھ ملانا پڑتا ہے۔ رس گلا کے ساتھ سندیش بنگال کی خاص تیار کردہ چیز ہے۔ دیپاولی کے موقعہ پر ہم سب منجملہ سپاہیوں اور مشقتیوں کے بنگالی کھانا کیوں نہ کھائیں؟ بنگال میں سال میں نو تیوہار منائے جاتے ہیں۔ جیل خانوں میں جب کہ عام قیدی آزادانہ طور پر اور بذریعہ قانون سیاسی قیدیوں کی خوراک میں حصہ لے سکتے ہیں۔ تو دیپاولی، دسہرہ اور عید ان مواقع میں سے کچھ ایک ہیں۔ لیکن محض نسخہ اور ہدایت، کافی نہ ہوں گے۔ کیونکہ باقاعدہ طور پر تیار کی ہوئی

دال اور سبزی کے لئے مسن بھی ہونے چاہئیں جس کے بغیر ظاہر ہے کہ مہاراشٹر والے لطف نہیں لے سکتے۔ مگر جو بنگال کے لئے ایک قابل نفرت چیز ہے۔ چسکے کس قدر مختلف ہیں۔ بنگال کے لئے دہی میں کھانڈ لازمی ہے مگر یو۔پی اور مہاراشٹر کے لئے ناقابل برداشت۔ موخر الذکر جب دہی کو چاولوں کے ساتھ ملاتے ہیں تو ساتھ ہی دودھ بھی ملا لیتے ہیں۔ جنوب کا ہندوستانی اسے دیکھ کر جھنجھلا اٹھتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں یہ غیر موزوں ہیں۔ کیوں غیر موزوں؟ ایک سائنسدان یہ دلیل دیتا ہے کیونکہ تمام دودھ نظام ہاضمہ میں جم جاتا ہے۔ لیکن ایک عام آدمی کہتا ہے کہ ساری زندگی ہی منطق یا سائنس نہیں ہے۔

(۲۳-۱۱-۴۲)

رسوم بھی مختلف ہیں

صرف ذائقے ہی مختلف نہیں ہیں بلکہ مختلف صوبوں میں مذہبوں اور ذاتوں کی مختلف رسومات کو بھی دیکھئے۔ بنگال میں برہمن مچھلی کھاتا ہے لیکن کٹّر بیوہ نہ ہی اُسے چھُوتی ہے اور نہ مِل کے چاول کو۔ اس لئے بہو رانی کو سارے کنبہ کے لئے، خاوند اور بچّوں کے لئے کھانا تیار کرنا پڑتا ہے۔ پھر نہا دھو کر دوسرے کمرے کے دوسرے لنگر میں جانا پڑتا ہے۔ جہاں وہ اپنی ساس کے لئے اپنے ہاتھ سے کُٹے ہوئے چاول پکاتی ہے۔ یو۔پی میں برہمن مچھلی اور گوشت کھاتے ہیں جیسے کہ پنجاب اور کشمیر میں۔ گجرات اور مہاراشٹر کے براہمن جنوبی ہند کے برہمنوں کی مانند گوشت کو چھُوتے بھی نہیں۔ نیز شومت کے غیر برہمنوں کا بڑا حصّہ بھی نہیں چھُوتا۔ یُو۔پی میں برہمن کئی گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

مغربی ڈویژن کے تیاگی اور مشرقی ڈویژن کے بھومیاروں میں فرق ہے۔ کنڈولاس اور سم ادھیاس وَبیباسوں کے پروہت ہیں۔ بھر سرایو پارین اور سرسوت اور کان کُنج ہیں جو گوشت کھاتے ہیں۔ یہ آخری بھاگلپور گیا اور یُو۔پی کے حصّوں میں رہتے ہیں۔ وہ وئید ہیں، نجومی ہیں۔ تعداد میں بہت تھوڑے ہیں اور سُورج کی پُوجا کرتے ہیں۔ ایودھیا کا راجہ اسی گروہ کا ہے۔ یُو۔پی کے کھتری پوروبیہ اور پشچماس ہیں۔ مؤخرالذکر کوئی "تلک نہیں لگاتے اور فیصلہ کرکے شادیوں میں کوئی 'لین دین' نہیں کرتے بچپن کی شادیاں ابھی رائج ہیں۔

(۲۴-۴-۴۲)

ہماری بیماریاں

بزرگوں کے گروہ میں جن کی عمریں ۴۲ سے ۶۷ تک ہیں اور جن کی تعداد ۵۵ کی طرف بڑھ رہی ہے انہیں قدرتی طور پر کافی شکایات خاصکر آنکھوں کی اور دانتوں کی نمودار ہو جاتی ہیں۔ ملٹری دندان ساز کو اجازت تھی کہ وہ ہمارے بُرے دانت نکال ڈالے لیکن نیا پلیٹ نہ لگائے۔ یہ فوجی احکام ہیں۔ اس لئے معاملہ کے لئے بمبئی گورنمنٹ کو رجوع کیا گیا ہے اور سُنتے ہیں جس نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۲ء کو باقاعدہ اس بارہ میں گورنمنٹ آف انڈیا کو لکھا ہے اسمیں کوئی شک نہیں کہ جب دُنیا کے جنگ عظیم نمبر ۲ میں دوسرے محاذ کے مسائل کا فیصلہ کریں گے۔ تو اس احمد نگر فورٹ میں نظربندوں کے دانتوں کے دوسرے سیٹ کی طرف بھی توجہ دے بیں گے۔ حکومت ہند ملٹری کو لکھے گی اور وہ شاید برطانیہ میں مرکزی اتحادی کمانڈ کو جو بلا ریب جنگی وزارت سے مشورہ لیگی۔ جس میں آج کل دو ہندوستانی بھی ہیں۔ نوانگر کے جام صاحب اور سر لے سوامی مدلیار۔

(۲۷-۱۰-۴۲ء)

کھڑکیاں کھُل گئیں

فوجی سفر مینا نزدیک کی پہاڑی پر اپنی توپوں کی مشق کے بعد واپس آگئی ہے۔ اور ہمارے ہالوں کی مغربی طرف کی کھڑکیاں کھول دی ہیں۔ لیکن صرف جزوی طور پر اور لعبہ ہیں روشن دان سے اُوپر اور نیچے کی جگہوں کو بڑھی ہوئی دھات سے بند کر دیا ہے اور سورج کا جو سایہ کھڑکیوں پر چھایا رہتا تھا اُسے اُلٹ دیا ہے۔

ٹامی ایک خوش دل گروہ ہیں۔ وہ سوشل ہیں اور باتیں کرنا پسند کرتے ہیں۔ اُن میں سے کئی ایک جنگ پر بات چیت کرتے ہیں۔ وہ جنگ کو پسند نہیں کرتے (اسے کون پسند کرتا ہے؟) لیکن اگر وہ نہ لڑیں تو جرمنی انگلستان پر حملہ کر دے گا۔ یہ وہ اناج پانی ہے جس پر انہیں رکھا جاتا ہے یہ وہ خوف ہے جس پر غالباً انہیں جبری بھرتی کیا جاتا ہے۔ وہ تمام

گھر واپس جانا چاہتے ہیں ۔ اور اپنے بیوی بچوں اور اپنے والدین اور اپنے مالی حالات کو دیکھنا چاہتے ہیں ۔ لیکن جب ایک بات کر رہا تھا تو دوسرے نے اپنی زبان میں اُسے یہ کہہ کر تنبیہ کی کہ "کیا تم بھول جاتے ہو کہ ہمیں باتیں کرنے سے روکا گیا ہے"؟ اس پر بچارے نے کہا "معلوم ہوتا ہے ہمیں بات کرنے کی اجازت نہیں"! اُن میں سے ہر ایک کنکھجورے سے بڑا خوش ہوتا ہے ۔ انہیں سر پر بوجھ اُٹھانے سے بڑی بے آرامی ہوتی ہے ۔ اور اس بارہ میں ہمارے مزدوروں اور اُن میں نمایاں فرق ہے ہمارے مزدور زیادہ بوجھ اُٹھاتے ہیں اور خوبی کے ساتھ ۔

خیال کیجئے کہ دو مضبوط ٹامیوں نے ایک مٹی کا ڈول اٹھایا ہے اور اسی طرح دو نے ایک چھوٹی سی سیمنٹ کی مٹی سے بھری ہوئی تھیلی اُٹھائی ہے ۔

(۲۹-۱۰-۴۲)

ٹوماٹر کا مرّبہ

جیلخانوں میں غیر معمولی مذاق نشو و نُما پا جاتے ہیں بالخصوص لنگر اور باغ کے کام میں۔ میں نے کھانا پکانے کے متعلق کافی ذکر کیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پھر اس کا ذکر کیا جائے۔ ہماری سبزیوں کے ذخیرہ میں ٹوماٹر ایک نہایت ہی دلپسند اور مُفید اضافہ ہے۔ اور اس سے آ پلاؤ، آ راسم، آ مرّبہ اور کئی طرح کی مختلف چیزیں تیار ہو جاتی ہیں۔ ہمارے دوستوں نے بڑی تکلیف اُٹھا کر اوّل درجہ کا آ مرّبہ تیار کیا ہے نیز دوئم درجہ کی امرود کی چٹنی۔ لیکن اگر اچھی خوشبو دی جائے، کافی کھانڈ اور کوئی اعتراض کرنے والا نہ ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ کیوں ایک نظربند اوّل درجہ کا خانساماں نہ بن جائے۔ علاوہ ازیں ایک نظربند کی نیک بیوی نے 'پکانے' پر ایک کتاب بھیجی، جسے چند دن خوب پڑھا گیا۔ لیکن جو شربت اُس میں اور 'ہندو' کے ہفتہ وار سنڈے ایڈیشن میں دئے گئے ہیں پڑھنے میں زبردست معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ ہر چیز جو لفظوں میں تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے تو معلوم ہوتی ہے لیکن کھانا پکانا اور کاتنا دونوں کتابوں سے نہیں سیکھے جا سکتے۔

(۲۹-۱۰-۴۲)

اڑنگ بڑنگ

کھانے کی میز پر مخول ایک قسم کا ادارہ بن گئے ہیں۔ گرچہ کئی بار حد سے بڑھ جانے کا یا بار بار وہی مخول ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جیساکہ ہمیشہ کھانوں میں ہوتا ہے۔ ایک یا دو دوست مخولوں کا نشانہ بن جاتے ہیں اور ہر ایک خوشی اور تفریح میں اپنا حصہ ادا کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی سکھ سردار دن کو سو رہا ہوتا ہے تو مشقتی یہ نہیں کہتا کہ وہ سو رہا ہے بلکہ یہ کہتا ہے کہ "سردار صاحب اڑنگ بڑنگ کرتے ہیں۔" جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بستر پر سو رہا ہے۔

(۳۰-۱۰-۴۲)

ریڈیو

قلعہ کی زندگی احاطہ کے سامنے ریڈیو سے کسی قدر مزیدار بن گئی ہے۔ گرچہ ریڈیو کی باتیں اور گانے باوجود سنائی دینے کے سمجھے نہیں جا سکتے اور یکدم بگل کا سننا جو سارا دن اور رات کے دس بجے تک جاری رہتا ہے۔ ریڈیو کے سنائی دینے کو اور پیچیدہ بنا دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مشین گن کی مشق اور موٹر سائیکل کی گلا گھونٹو آواز ہے جو ناموافق ہونے کے علاوہ غضب کی بھی ہے۔ ریڈیو کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا جائے گا کہ کھڑکیوں کے کھل جانے سے ہم دیوار کے پرے سے کسی قدر صفائی اور فائدہ کے ساتھ بی، بی، سی خبروں اور گانے کو سمجھنے کے قابل ہو گئے ہیں جو نہایت زیادہ انگریزی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ہندوستانی۔ پس اس طرح ایک بار ہم باہر کی دنیا سے وابستہ ہو گئے ہیں۔ (۲۳ ۱۰/۴۲)

پھر ہسٹریا

یکایک ایک شام صوبیدار (جیسے یو۔ پی اور مدراس میں ہیڈ وارڈر کہا جاتا ہے) چلتا پھرتا ایک بے ترتیب ڈھیر میں گر پڑا۔ نہیں وہ گرا نہیں

وہ چپ ہو کر بیٹھ گیا اور تکلیف میں نظر آنے لگا۔ ایک نوجوان سپاہی جو والی بال کھیل رہا تھا۔ جبکہ ہمارے لئے کسی اور جگہ شٹل کاک اور بیڈمل ڈور جاری تھی۔ امداد کے لئے دوڑا اور میں نے یہ سامنے کمرہ آمدہ کی بیل سے دیکھ لیا اور چپ چاپ اس جگہ کی طرف چل دیا۔ یہ اکسٹھ سال کا بوڑھا آدمی جو ۳۰ روپے پنشن پر ریٹائرڈ ہو گیا تھا اور جس کی خدمات مزید ۳۰ روپے ماہوار دوبارہ حاصل کر لی گئی تھیں، ٹانگوں اور بازوؤں میں شدید درد سے بیزار تھا۔ اور پانی نگلنے کے قابل نہ تھا۔ گرچہ ہوش و حواس بالکل ٹھیک تھے۔ اسے اٹھا کر اس کے کمرہ میں چارپائی پر لے جایا گیا۔ لیکن وہ اس پر لیٹ نہ سکا۔ وہ بیٹھنا چاہتا تھا اور بظاہر تکلیف میں تھا۔ اس اثنا میں میجر آ گیا اور مکپا وارڈز کے دورہ کی مانند اپنی تیز عقل سے اسے بھی ایک دوسرا ہسٹریا کا کیس سمجھا۔ اس میں بھی وہ پہلے والے حالات موجود تھے کیونکہ صوبیدار جانا چاہتا تھا (غالباً چونکہ اس کا داماد ایک سپاہی بیمار پڑ گیا تھا) اسے ہسپتال میں داخل کیا گیا اور ڈسچارج ہو کر وہ ایک مہینہ کی رخصت پر واپس پونا چلا گیا۔ چونکہ صوبیدار نوکری سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا تھا اس لئے بظاہر وہ اپنی اس قید، تنہائی اور اپنے داماد پر بہت سوچنے لگا۔ جس سے اسے ہسٹریا کا مرض لاحق ہو گیا۔ اگلے دن وہ بہتر محسوس کرنے لگا۔

اس سے تیسرے دن بعد ہی مکپا کا جانشین نام پلونیا دُور سے ہی میجر کو دیکھ کر چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اور دو دن اور دوسروں کی مدد سے اُسے چارپائی

پرے جایا گیا۔ بات دراصل یہ تھی کہ اُس نے بلا اجازت اپنے استعمال کے لئے دو نارنگیاں اور کیلے لینے چاہے اور واقعی چپکے سے چُرا لئے اور ایک اور مختلف موقعہ پر دُودھ کا ایک پیالہ بوتل خانہ سے اُڑا لیا۔ داروغہ جس کے سامنے قیدیوں نے 'وارڈر' کو ایسا کرتے ہوئے پکڑ کر پیش کر دیا۔ اُس نے اس معاملہ کی اطلاع میجر کو دے دی۔ اور میجر نے یہ کہہ دیا کہ وہ اسی دن اُسے سزا دیگا۔ لہذا ظاہر ہے کہ اُسے آتا دیکھ کر اُسے غش آ گیا اور ہسٹریا ہو گیا۔ یہ بالکل متعدی مرض تھا۔ اور ہم خوش قسمت ہونگے اگر اس سے بچ جائیں

(۲ - ۱۱ - ۴۲)

انجیل

ہمارے پاس تین عدد انجیل ہیں۔ مختلف گروہ مختلف درجہ کے اعتقاد اور فائدہ کے ساتھ باقاعدہ طور پر ہر روز انجیل، بھگوت گیتا اور قرآن کو پڑھتے ہیں میں نے جواہر سے پُوچھا کہ کیا انگریزی سکولوں اور کالجوں میں انجیل باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ اُس نے کہا 'نہیں' نہ ہی باقاعدہ اور نہ ہی کبھی وَیسے؛ صرف اتوار کو انجیل پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ لیکن جو طلباء ڈوبنٹی کالج میں داخل ہوتے ہیں اُن کے لئے معاملہ مختلف ہے۔ بڑی حیرانی ہے کہ کسی بھی وقت اور کسی بھی جگہ برطانیہ کے تعلیمی اداروں میں انجیل نہ پڑھائی جائے! جبکہ ہندوستان میں مشن کے اداروں میں طلباء کے حلق

اس قدر انجیل اُتاری جاتی ہے اور اس قدر کانوں میں ڈالی جاتی ہے جو انگلستان میں ایسے ادارے ہیں ہی نہیں۔ نام نہاد سینٹ جان اور ٹرنٹی کالج بھی دوسروں سے زیادہ مذہب کے نیچے دبے ہوئے اور انجیل سے بندھے ہوئے نہیں ہیں۔-۵۲ ! ہم سیکھنے کے لئے ہی زندہ رہتے ہیں۔ انگریزی سکولوں اور کالجوں کا ذکر کرتے ہوئے گفتگو نے کشتیوں کی دوڑوں (Boat races) کا رُخ اختیار کرلیا۔

۴۲ — ۱۱ — ۳

کشتیوں کی دوڑیں

دریائے کیم کیمبرج میں کتنا چوڑا دریا ہے؟ صرف ۲۵ فٹ چوڑا۔ ٹیمز اور گھرا اسالنس ۲۵ - ۵۰ فٹ چوڑا 'دریا' ہمارے لئے جنہیں پتہ ہے۔ کہ مشرقی بنگال میں دریائے پدما دس سے پندرہ میل تک چوڑا ہے۔ برہم پُتر، گوہاٹی پر زمین سے چار میل تک چوڑا ہے۔ گوداوری، راجمندری پر تین میل ہے اور کرشنا بیزواڑہ پر ایک میل۔ حال ہی میں مَیں نے پڑھا ہے کہ دریائے مہاندی، گوداوری اور کرشنا کُل ہندوستان کے رقبہ کا تیسرا حصہ سیراب کرتے ہیں۔ اور جب ہم آکسفورڈ اور کیمبرج میں کشتیوں کی دوڑوں کی بابت بات چیت کرتے ہیں تو ہم ضرور کیم اور آئیسس دریاؤں میں کشتیوں کے دوڑنے کا خیال کرتے ہوں گے۔ مو خرالذکر پہلے سے کسی

قدر چوڑا ہے اور حقیقت میں دریائے ٹیمز کی شاخ ہے۔ دوڑیں کئی بار ٹیمز میں شروع ہوتی ہیں۔ دریائے کیم اور آئیسس میں دو کشتیاں برابر نہیں چل سکتیں۔ اس لئے دَوڑ کیسے ہو سکتی ہے تاوقتیکہ ایک کشتی دوسری سے آگے نہ چلی جائے؟ امر واقعہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چالیس یا پچاس کشتیاں ٹھیک پچھلے سال کے مطابق ترتیب میں کھڑی کر کے چلا دی جاتی ہیں۔ جب پیچھے سے آنے والی کشتی اپنے سے آگے جانے والی کشتی کو چھُو دیتی ہے۔ تو دونوں کشتیوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ اور اگلی کو پیچھے اور پچھلی کو آگے کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے دوڑ چلائی جاتی ہے۔ کیسا مذاق! کیسا نام! ہم کیسے دھوکے میں رہتے ہیں!

(۴ - ۱۱ - ۴۲)

بیزار بال

کیمرج میں کالج کواڈرینگل کی شکل میں بنائے جاتے ہیں۔ چاروں طرف عمارت ہوتی ہے اور بیچ میں ایک گھاس کا ٹکڑا (lawn) کھیلنے کی گراؤنڈز کسی اور جگہ ہوتی ہیں اور ایسی حالت میں بھی اتنی وسیع نہیں ہوتیں۔ دریائے کیم کے دونوں طرف ہریاول اور باغات ہیں۔ جن میں انڈر گریجوایٹس بھی شاذ و نادر ہی کئے جا سکتے ہیں۔ ڈونز (DONS) اُن میں جا سکتے ہیں ملکہ دوسرے کو تنگ کرنے کا سسٹم رائج ہے۔ جن میں جونیئر

طالب علم سینئر طالب علم کی خدمت کرنا ہے اور یقیناً یہ حیثیت اور زبردست نوکری ہے۔ جونیئر کو دوڑنا پڑتا ہے۔ اور کئی بار جونیئر کے قدم کو تیز کرنے کے لئے یا اُسے بُلانے کے لئے سینئر کو اُونچی آواز سے پکارنا پڑتا ہے۔

۵ - ۱۱ - ۸۲

کارنامے

گریجوایٹس میں کئی بڑے چالاک اور بیباک ہوتے ہیں، جواہر کے وقت بھی ایک ایسا تھا جو اپنے کارناموں کے لئے مشہور تھا۔ (۱) پکاڈلی پر موٹر ٹریفک بڑا بھاری ہوتا ہے۔ کبھی سرکس رجائے تفریح) رُک جائے۔ تو پانچ منٹ میں ہزار کاریں گذر جاتی ہیں۔ صبح سے ایک بجے بعد دوپہر تک ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اور پھر شام کو بھی۔ ایک دن یہ لڑکا اپنے ساتھ کچھ تعداد میں لڑکے لے گیا۔ اور سرکس کے عین مرکز میں گول رقبہ کو چاروں طرف سے گھیر کر ٹریفک کو روک لیا۔ پولیس والے نے خیال کیا کہ دیہاتی کونسل کچھ ضروری انتظامات کر رہی ہوگی۔ ٹریفک کو روکنے کے بعد یہ غائب ہو گئے۔ جس سے پولیس کافی پریشان ہوئی اور مسافروں کی بھیڑ ہو گئی

زنجبار کا سلطان

(۲) ایک اور دن پورٹ لینڈ پر پورٹ حکام کو بذریعہ ٹیلیفون یہ پیغام

بھیجا گیا کہ زنجیبار کا سلطان بیڑہ کا دورہ کرنے والا ہے اور اُسے چاروں طرف سے بیڑہ دکھایا جائے۔ بیان کردہ وقت پر یہ لڑکا اپنی سفری پارٹی کو لے کر وہاں پہنچا۔ اُس کا چہرہ کالا ہو رہا تھا اور اس کی پوشاک عجیب تھی۔ اُسے باقاعدہ شان کے ساتھ چاروں طرف لے جایا گیا۔ لیکن وہ بالکل خاموش رہا۔ اور جب کام ختم ہو چکا تو چپکے سے قدم واپس کر لئے۔ اُس وقت کہیں جا کر دھوکا کا پتہ چلا۔

سُوتلی کو پکڑو

(۳) لندن کے کوچوں کے کونوں پر ایک عام چالاکی کھیلی جاتی ہے۔ جیسے ہمارے دوست نے غضب کی ہوشیاری کے ساتھ کھیلا۔ وہ یوں کہ اُس نے ایک راہرو کو بُلایا اور اُس سے کہا کہ بس ایک منٹ کے لیئے سُوتلی کے ایک سرے کو پکڑے۔ .. دوسرے سرے کو کسی جگہ باندھ دیتا ہے۔ اور بیچارے کو اس رقبہ میں چھوڑ جاتا ہے کہ کوئی آکر اس سے رہا چھڑالے گا۔ لیکن ہرگز کوئی نہیں آتا۔

اور وہ ڈین ہے!

(۴) ایک بار امریکہ کے وزیٹروں کی ایک تعداد کیمرج کے ایک کالج میں پہنچی اور طلبا نے انہیں کالج دکھلاتے ہوئے ایک چیز کو کہا کہ یہ گرجا ہے۔ دوسری کو' یہ لائبریری ہے'، تیسری کو' یہ لیبارٹری ہے اور چوتھی

کے پہلی منزل کی کھڑکی پر اینٹ پھینکتے ہوئے کہا۔ "وہ ڈین کا کمرہ ہے"۔
ڈین نے یک دم اپنا سر اُٹھایا اور باہر کی طرف جھانکا۔ جس پر لڑکوں
نے کہا۔ "اور، وہ ڈین ہے"!

(۲۲-۱۱-۶)

ایک لڑکا۔ ایک بکری اور ایک خرگوش

مولانا نے کچھ پُرانی تواریخی کُتب کا آرڈر دیا ہے۔ جن میں ایک واقعہ کو غدر کے ایک جانباز سے منسوب کیا گیا ہے۔ جو دیہاتیوں کی سمجھ کے متعلق لکھتے ہوئے بیان کرتا ہے کہ کس طرح ایک آبی سانپ نے ایک لڑکے کو اُس کی ٹانگ سے نگلنا چاہا۔ لڑکے نے تمام چالیں چلیں، جانور نے بڑی جدو جہد کی، اس کی آنکھوں میں خاک ڈالی۔ لیکن پھر بھی سینہ تک وہ اُسے نِگل گیا۔ اس پر لڑکے نے اپنے بازو پھیلا دئے اور چیخنا شروع کر دیا۔ تاکہ آگے نہ نگل سکے۔ گاؤں والے اکٹھے ہو گئے۔ اگر جانور کے سر پر کچھ مارا جائے تو اس سے لڑکا زخمی ہو گا۔ اگر اس کی دُم کو چھیڑا جائے تو وہ غالباً خود لڑکے کو ہی دُم کے تازیانے لگائے گا بس اُنہوں نے لکڑیاں پکڑ لیں اور جانور کی ریڑھ کو توڑ دیا۔ اور لڑکے کو سوائے چند جھریٹوں کے بالکل بچا لیا۔ اور جب اُنہوں نے جانور کو کاٹا۔ تو اُس کے اندر سے ایک بکری اور ایک خرگوش نکلے۔ یہی مصنّف ایک چیل کی

کہانی بیان کرتا ہے۔ کہ کس طرح وہ ایک بچّہ کو اُٹھالے گئی۔ جسے گاؤں والوں نے واپس لیا۔ عقاب نے اسے ایک چٹان پر رکھ دیا تھا۔ پہلے باپ نے چٹان پر چڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن نیچے گر پڑا۔ تب ماں نے بہادری کی اور چڑھ گئی۔ اور بچّہ کو لے لیا جو بالکل ٹھیک تھا۔ عقاب نے بظاہر اُسے چھوئے بغیر ہی چھوڑ دیا تھا۔

(۴۲ - ۱۱ - ۷)

نامعلوم نہیں

ہمارے پتہ کو ابھی مخفی خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن آج مجھے سپرنٹنڈنٹ نے تیلیگو کا ایک روزنامہ اخبار موسومہ ' اندھرا پتر کا ' دیا ہے۔ جس پر میجر سنڈیک آئی۔ ایم۔ ایس معرفت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ احمد نگر کے الفاظ بطور پتہ درج ہے۔ یقیناً یہ دستاویز اپنی حقیقت آپ بیان کرتا ہے جو مدراس ۷، تھمبو چیٹی کے ڈسپیچنگ دفتر سے بھیجا گیا ہے۔ جہاں یہ ایڈریس ہر روز لکھا جاتا تھا۔ اور بعد میں جسے چھپوا لیا گیا۔ کیوں ایک آئی۔ ایم۔ ایس افسر تیلیگو کے ایک روزانہ اخبار کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی معرفت منگوائے؟ اگر یہ صرف آئی۔ ایم۔ ایس افسر کو ہی لکھا جاتا تو شاید یہ خیال کیا جاتا کہ وہ زبانوں کے طالب علم ہیں۔ لیکن مکمل پتہ کی خود اپنی کہانی ہے۔ جب میں نے یہ ظاہر کیا اور میجر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے سامنے وضاحت کی۔ تو وہ دونو

مسکرلئے گویا کہ ہمیں یہ کہنے لگے کہ اِس وقت تک سب کو ہمارے پتہ کا علم ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود ہیں نے کہا ہمیں اپنی چھٹیوں کے کونہ پر "احمد نگر فورٹ" لکھنے کی خوشی سے محروم رکھا جاتا ہے اور یہ ٹھیک اسی طرح ہے جس طرح ایک ہندو خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے نام کو بخوبی جانتے ہوئے بھی اعلانیہ یا علیحدہ نہیں لے سکتے۔ میجر کے لئے یہ ایک نئی بات تھی۔ اور اس نے پوچھا کہ کیا نام لینے کی بندش صرف اعلانیہ طور پر ہی تھی۔ نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریز خواہ بیسیوں سال ہندوستان میں رہ لیں۔ .. پس پردہ یہ نہیں دیکھ سکتے۔ کہ ہندوستان میں کس قسم کی مجلسی زندگی اور ادارے چل رہے ہیں۔ منٹو نے اس حقیقت کا اعتراف ۱۹۰۹ء میں کیا تھا اور یہی کچھ ہم ۱۹۴۲ء ہیں دیکھ رہے ہیں۔

(۴۲ - ۱۱ - ۱۱)

ریڈیو

پہلے کہا جا چکا ہے کہ جو ریڈیو مولانا صاحب اپنے ساتھ لائے اسے داروغہ کے دفتر کے کمروں میں بند کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ جیل کے اندر جیل! بار بار گورنمنٹ کو لکھنے پر بھی خاطر خواہ جواب گورنمنٹ کی طرف سے نہیں آیا۔ ہمارے کمروں کے پہلو میں افسروں کے کوارٹروں میں ایک ریڈیو ہے۔ جو کھڑکیوں کے کھُل جانے سے ہمارے کام آنے لگا ہے۔ اور

ہمارے بڑے عمروالوں کے سامنے بھی ایک ریڈیو ہے۔ مؤخر الذکر 'عام' ہے۔ اور ماقبل الذکر 'خاص'۔ بہت عرصہ یہ دعوےٰ کیا جاتا رہا کہ مؤخر الذکر ماقبل الذکر کا عکس ہی تھا۔ لیکن ایسا نہیں تھا کیونکہ دونو مختلف اوقات پر سُننے جاتے تھے۔ ہمارے کمروں کے اگلے ریڈیو کے ذریعے جو خاص ریڈیو تھا۔ ہم ہمیشہ خبروں کو پیشگی نہیں سُن سکتے تھے بلکہ صرف کبھی کبھی کیونکہ ایک بات یہ بھی تھی کہ مالک کے اور فرائض بھی تھے صرف یہی نہیں کہ ہمارے فائدہ کی خاطر ہمیشہ ریڈیو کے سوِچ (switch) لگائے رکھے۔ اُسے دفتر جانا ہوتا تھا اور [redacted] بظاہر ملٹری محکمہ کا معلوم ہوتا تھا۔ جس کے دفاتر کسی وقت ہمارے بلاک میں ہوتے تھے لیکن جنہوں نے اپنے سے 'بہتروں' کے لئے یعنی مابدولت کے لئے جگہ بنائی تھی۔ عام ریڈیو صرف شام کے وقت ۴ سے ۸ بجے تک "عوام" کی ضرورت کو پورا کرتا ہے' جبکہ ہمارا اہم اب وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں. سات سے ساڑھے آٹھ بجے صبح، ساڑھے ۱۲ بجے سے ڈیڑھ بجے دوپہر' اور شام کے ساڑھے چھ بجے سے رات کے نَو بجے تک لگا رہتا ہے۔ خبروں کے علاوہ ہم راگ کے کرّہ ہوائی میں رہتے ہیں جو عام طور پر انگریزی اور کبھی کبھی ہندوستانی ہوتے ہیں۔ اگر فوجی حکام نے صرف کھڑکیاں کھول کر سورج کے سایوں کو الٹ نہ دیا ہوتا تو ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہم ریڈیو کو بہتر کام میں لے آتے۔

(۱۲-۱۱-۴۲)

دیپاولی

اس سال یہ تہوار ۸، نومبر کو آیا اور ہم بڑی دلچسپی اور خاص جوش کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ غریب داروغہ اس تیوہار پر اپنے گھر پونا جانے کے لئے بڑا متفکر ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی رخصت منظور نہ ہوئی آصف علی نے جو ہمارے درمیان ایک آرٹسٹ ہیں، دیوالی منانے کی تیاریوں میں خوب دلچسپی دکھائی۔ اور اُس نے نوجوان حجّام کو حکم دیا۔ جو نو بار چوری کے جُرم میں سزایاب ہونے کے باوجود بڑا چپُست، پھرُتیلا اور ہر فن مولا ہے۔ کہ وہ رنگدار کاغذ سے قندیلیں تیار کرے۔ میرے کمرے کے آدھے حصّہ میں گذرنے کیلئے کوٹھڑی ہے۔ جو رقبہ کو ڈھانپ کر اسے علیٰحدہ کمرہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے بالکل مزیدار بنانے کے لئے میں نے اپنی الماری عین سیدھی اس کے ساتھ جوڑ دی۔ اس لئے اب یہ کمرہ کا دروازہ دکھائی دیتا ہے۔ کئی دن مجھے پتہ نہیں چلا کہ پردہ کے پیچھے کوئی ورکشاپ چل رہی تھی۔ ۱۱ عمدہ قندیلیں نہایت خوبصورت فیشن میں تیار ہو چکی تھیں۔ اور ہم بڑے اشتیاق کے ساتھ دیپاولی کے دِن اُن کا انتظار کر رہے تھے۔

(۴۲ — ۱۱ — ۱۳)

ایک جوار بھاٹے والی لہر

آخر کار گذشتہ ۱۶ اور ۲۳ اکتوبر کے درمیان کلکتہ اور بمبئی کی گاڑیوں کے پیچھے عارضی ناکامی کی راز داری کا حل ہو گیا ہے۔ ایک جوار بھاٹے والی لہر نمودار ہو چکی ہے جس نے مدناپور میں دس ہزار روحوں کو بہا دیا۔ یہ لہر اس جوار بھاٹے والی لہر کی یاد دلاتی ہے جس نے ۱۸۶۴ء میں (میری اپنی جگہ) مسولی پٹم کو ۷۰ میل لمبے اور ۱۲ میل چوڑے رقبہ کے اوپر بہا دیا تھا اور ۴ نومبر ۱۸۶۴ء کی رات تیس ہزار نفوس کو مار دیا تھا۔ مسولی پٹم میں دوبارہ ایسی لہر ۱۸۷۵ء میں آئی تھی۔ پس مشرقی ساحل دھوکہ باز ہے اور اس سال اس کی دھوکہ بازی کا نشانہ مدناپور بنا ہے۔ لیکن اگر یہ جوار بھاٹے کی ہی ایک لہر ہے تو اس کا راز اتنی دیر کیوں مخفی رہا؟ معلوم ہوتا ہے کہ چند فوجی لائنوں پر اثر ہوا ہے۔ اور اس لئے یہ واقعہ سِول اور آب و ہوائی اور جغرافیائی حدود عبور کر کے فوجی اور جنگی طریق کی حدود میں آگیا ہے۔ اس کا اصلی سبب ظاہر نہ کرنے کے باعث ناخوشگوار قیاسات پیدا ہو گئے۔ جنہوں نے عوام کے ذمے بربریت کے مزید افعال لگا کر ان کیساتھ بے انصافی کی۔ بہرحال ۱۶ اکتوبر کی خبر کو ۵ نومبر موصول کرنا حیران کن ہے۔

(۱۵-۱۱-۴۲)

راگ

قیدی کے لئے جیل میں دو شغل ہیں جن کے لئے انہیں کچھ بھی ادا کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ راگ اور پرندوں کی صحبت ہے۔ راگ ہماری عالمگیر زبان ہے جس کا اکثر اوقات ایک یونیورسٹی گریجوایٹ کو پتہ نہیں ہوتا لیکن قیدی مشقتیوں بھنگی اور خاکروب کو بغیر سکھلائے جس کا پتہ ہوتا ہے "فیاضیٔ طبع اور گفتار کی مٹھاس کی مانند، دل کی ہمت اور مناسبت وتناسب کے احساس کی مانند۔ شجاعت اور شاعری کی مانند راگ بھی قدرت کا عطیہ ہے!" سنسکرت کی ایک کہاوت ہے "پیدائش کے ساتھ پیدا ہوتا اور مطالعہ سے حاصل نہیں ہوتا" یہ افسوسناک ہے کہ ۱۲ ممبروں میں سے کسی نے بھی اس کی طرف بڑھتی ہوئی لیاقت نہیں دکھلائی ہے اور یہ حقیقت کسی قدر نرم الفاظ میں ادا کی گئی ہے۔ صرف ایک مہتاب کو راگ کا کچھ علم ہے اور اُس نے بنسری کے لئے آرڈر دے دیا ہے۔ بازار سے دو بنسریاں لائی گئیں۔ ایک بانس اور دوسری دھات کی۔ مؤخر الذکر بنسی کی بجائے پائپ زیادہ ہے۔ اور انہیں دیکھ کر ایک قیدی گلاب جو اس کی گنوار شکل وصورت کے مقابلے میں غیر موزوں نام ہے، خوشی سے اچھل پڑا اور پہلی دفعہ بتلایا کہ وہ کچھ کچھ بنسری بجانا جانتا ہے۔ پس دھات کی بنسری اُسے دے دی گئی

اور اُسی وقت سے ہمارے صحن میں بنسی کا بجنا سُنائی دیتا ہے۔ باہر ریڈیو کا گانا اور اندر بنسی کا بجنا ان دونوں سے زندگی کا خشک پن کچھ دُور ہو گیا ہے۔ لیکن گلاب کی رہائی کے بعد پھر یہ خشک پن نمودار ہو جائیگا۔ کسی قدر دیر کے بعد پتہ چلا کہ آصف کو راگ سے بڑا مس ہے۔

(۴۲ - ۱۱ - ۱۷)

پرندے اور اُنکی عشق و محبّت

پرندوں کو کھیلتے ہوئے غور سے دیکھنا، شکار کے لئے ان کا مارے مارے پھرنا، اُن کی کھیل اور عشق و محبّت ایک طرح سے دائمی تعلیم ہے ویلور میں ایک بار ہم نے دیکھا۔ کہ کس طرح ایک بلّی نے جو محبّت میں گرفتار ہو گئی تھی۔ کئی قسم کی کلفت دکھائی، سارا دن زمین پر لیٹتی رہی، دوسرے دن داویلا مچاتی رہی، تیسرے دن بلّے کے پاس بھاگ گئی۔ پھر مؤخرالذکر کے ہاتھوں محبّت کی اذیتیں سہہ کر آخر کار اٹل (ناگزیر) کے سامنے جھک گئی۔ پرندے اتنا ضابطہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ لیکن ہمیں شاذ و نادر ہی ایسا موقعہ ملتا ہے کہ اُن کی جُفت کے سارے عملوں کو غور سے دیکھیں۔ ہم اُن جوڑوں کو دیکھتے ہیں جنہیں ایک دوسرے کے پاس آنے کا موقعہ ملا تھا۔ لیکن یہ نہایت دلچسپ بات ہے کہ کس طرح ایک چڑے نے چار دن لگاتار ایک چڑیا کے لئے تُو تُو کیا اور چڑ چڑ کیا جس پر دو چڑیاں آگئیں جن

بیں سے ایک کو رد کیا گیا۔ اور لاتیں مار کر نکالا گیا۔ اس کے بعد جب یہ چڑی ایک یا دو بار پھر آئی تو مزیدار بات یہ ہے کہ کسی جھنجھلاہٹ کے ساتھ نئی پسند کردہ چڑی نے اپنے رقیب سے لڑائی لڑی۔ ٹھیک کیا ہوا ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں۔ کیا وہ چڑی یعنی پرانی بیوی چار دن کے لئے نظر سے اوجھل کر دی جاتی ہے یا کیا اُس نے اپنے خاوند سے تعلق توڑ لیا۔ تاکہ وہ اپنے بچوں کے اُڑنے تک اُن کا ساتھ دے۔

۱۷ – ۱۱ – ۴۲

مرد نرسیں

ہم نے پڑھا کہ چند پرندوں میں نر کنوارے کی سی زندگی اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ مادہ بالکل بے فکر ہو کر پوری توجہ کے ساتھ انڈوں کو سہے۔ اکثر بار یہی نہیں کہ گھونسلا بنانے میں نر برابر کی مشقت کرتا ہے بلکہ وہ نرس بن کر انڈوں کا چارج لے لیتا ہے اور انہیں سہتا ہے۔ شترمرغ سے لے کر گھوں گھوں کرنے والے پرندے تک ایک ایک کے لئے لاانتہا دلچسپی کی بےشمار قسمیں ہیں۔ مینڈک (ایک قسم کا) اپنے انڈے نر کے پیٹ کے نیچے یعنی ایک تھیلی میں دیتا ہے۔ اور اس کے بعد انہیں سہنے کا ریت کے گھونسلے میں انہیں پانی دینے کا اور انجام کار انہیں اس حالت میں چھوڑ دینے کا جب وہ مینڈک کے بچوں کی شکل اختیار کرتے ہیں نر کا فرض ہے

۱۸ – ۱۱ – ۴۲

درازیٔ عمر اور رفتار!

یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ یہ پرندے اور رینگنے والے جانور کتنا عرصہ زندہ رہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عقاب اور چیل پچاس سال زندہ رہتے ہیں۔ ہاتھی ۱۵۰ سال سے زیادہ زندہ رہتا ہے گھوڑا اور بیل چالیس سال کوا پچیس سال چھپکلی اڑھائی سال اور بندر پچیس سال سے زیادہ۔ چیل ایک گھنٹہ میں ۱۲۰ میل تک اڑنے کی رفتار کر لیتی ہے، چیتا چالیس میل اور بڑی آسانی سے شکاری کتے سے بڑھ جاتا ہے، پرندوں اور جانوروں کی سائنٹیں، ان کا سفر، ان کی خوراک، ان کی عادات اور ان کی درازیٔ عمر مختلف طبقات کی مختلف سٹیج پر زندگی کا مطالعہ کرنے والے کے لئے دائمی دلچسپی کا موجب ہیں۔ ایک ہنسی دلانے والا واقعہ رونما ہوا۔ اس جگہ ولیجہ بھائی پھلوں کے انچارج ہیں جنہیں گوشت والی الماری میں رکھا جاتا ہے۔ ایک دن ایک نوجوان چڑیا اپنے گھونسلے سے گر پڑی اور ساری رات اس الماری میں پھنسی رہی۔ علی الصبح جب مولانا نے اسے کھولا (انہیں کیا معلوم کہ اس کے اندر ایک زندہ اڑنے والا جانور موجود ہے) تو پر پھڑ پھڑاتا ہوا ایک پرندہ باہر نکلا جس سے قدرتی طور پر مولانا کو حیرانی ہوئی۔

(۱۹-۱۱-۴۲)

ڈھنگ

میجر نے ایک کہانی بیان کی ہے کہ کس طرح اُس کے کمرہ میں پرندوں نے چھت کے پچلے حصّہ کے روشن دان سے بیٹھ گرا کر ایک بڑی ٹائپ شدہ چٹھی کو خراب کر دیا ہے۔ اُسے دوبارہ پھر اُسے ٹائپ کرنا پڑا جس سے اُس کا ڈیڑھ گھنٹہ ضائع ہو گیا۔ اس نے کم اضطراب اور زیادہ خوشی کے ساتھ مزید یہ بتلایا ہے کہ کس طرح اچانک ہی چڑیا اور اس کا بچّہ اُس کے کمرہ میں آ گئے اور نکالے جانے پر ماں اپنے بچّے کو حیران اور سراسیمہ چھوڑ کر چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کی طرف سے پہنچی اور چوں چوں کرنے لگی اور بچّے کو بُلانے لگی۔ اور آخر کار اُسے باہر نکالنے میں کامیاب ہو گئی۔ وہ میجر کے ڈر کے باعث کمرہ میں داخل ہونے کو تیار نہ تھی!

(۲۰-۱۱-۴۲)

لمبا وقفہ

دیپاولی سال کا بہترین تیوہار ہے۔ کیوں ہندوستانی کیلنڈر میں نومبر کے پہلے ہفتہ سے لے کر ٹھیک نئے سال کے دن تک کوئی تیوہار مقرر نہیں کئے گئے ایک معمّہ ہے؟ البتہ ہم یہ نہیں بھولتے کہ ۱۳ جنوری کو سنکرانت ہے لیکن وہ نکشتروں کا تہوار ہے اگر ہمیں ایسا کہنے کی اجازت ہو کیونکہ اس

وقت سے سورج کا 'اوترائن جانا' شروع ہو جاتا ہے۔ اس کے ایسا ہونے کی وجہ شاید یہ ہو۔ کیونکہ 'شمال' میں ویدوں کے گھر میں آریہ لوگ چھ مہینے کی لمبی رات گزارا کرتے تھے جس کے آغاز میں ڈیڑھ ماہ کے بعد مدھم روشنی ہوتی ہے۔

کچھ ہی ہو ہم تمام نے اپنے تیوہار کو بڑی دھوم دھام سے منایا ہے۔ ایک سو لیمپ برآمدوں کے ساتھ جلائے ہیں، قندیلوں سے کھانے کے ہال کو سجایا ہے اور میٹھی اور مزیدار چیزیں پکا کر اپنے معدوں کو بھرا ہے۔

(۲۲-۱۱-۲۱)

تیوہار

جتنا ہم مختلف صوبوں والے ایک دوسرے کے تعلق میں آتے ہیں۔ اُتنا ہی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ تیوہاروں کی اہمیت اُن کے متعلقہ تقاریب نیز اُن سے وابستہ رسوم اور اطوار کے سلسلہ میں وسیع اختلاف ہے۔ مثلاً وجے دشمی کے دن شمال (دوارد ھا سے شمال کی طرف) کے لوگ اپنے رشتہ داروں کے پاس جاتے ہیں، اپنے بڑوں کا آداب بجا لاتے ہیں اور 'ساجی' درخت کے پتے تقسیم کرتے ہیں جس پر ارجن نے اپنے 'استر' جمع کر رکھے تھے۔ وہ رات کو دہی و اُبلے ہوئے اناج تقسیم کرتے ہیں۔ بہت اغلب یہ ہے کہ ان پتوں کے بانٹنے سے مُراد بہادری کے اُس پرانا زمانہ کی یاد دلانا ہے کیونکہ وہی ہتھیار پانڈوؤں سے اُس وقت لے لئے گئے تھے جب وہ اپنی جلاوطنی

کے تیرھویں سال میں اپنی بھیس بدل کر گزارنے والی زندگی سے واپس لوٹے تھے۔

(۲۲-۱۱-۴۲)

'بھائی دوج'

دیپاولی کے متعلق مہاراشٹر والوں، گجراتیوں اور یوپی کے ہندوستانی ہندوئیوں میں ایک عمدہ رواج ہے۔ جسے یوپی میں 'بھائی دوج' اور مہاراشٹر میں 'بھاو بیج' کہتے ہیں۔ اس میں بھائی بہنوں کے گھروں کو جاتے ہیں۔ انہیں ساڑھی دیتے ہیں۔ اور بدلہ میں انہیں بہنیں روپے پیش کرتی ہیں۔

بظاہر خوراک اور رسم و رواج اور اطوار کے متعلقہ طبیعت کے بارہ میں جنوبی اور شمالی ہند کے مابین مہاراشٹر ایک ملانے والی لڑی ہے اور جتنی کلچر کے سلسلہ میں ہے اُتنی ہی جغرافیہ کے لحاظ سے۔ خوراک میں 'چپاتی' مہاراشٹر سے شروع ہوتی ہے۔ صرف وہ پہلے چاول لیتے ہیں۔ بیچ میں روٹی اور خاتمہ پر چاول۔ لیکن شمال کا ہندوستانی پہلے 'روٹی' کھاتا ہے اور بعد میں چاول۔

(۲۳-۱۱-۴۲)

جواہر کا جنم دِن

جواہر کا جنم دن ۱۴ ر نومبر کو آیا۔ اس نے اپنے ۵۲ سال ختم کیے اور ۵۳ واں سال شروع کیا۔ اُس کی زندگی میں بھی دوسروں کی زندگی کی طرح خوشی اور غم ہے، قوتِ ارادی اور جذبات، دل اور دماغ کی جنگ ہے۔ لیکن جو بات خاص طور پر غمی پیدا کرتی ہے، اس کی رفیقۂ حیات کی موت ہے۔ وہ عام طور پر دوستوں اور واقفوں کی مخلوط سوسائٹی میں اپنے خاندانی معاملات کا ذکر نہیں کرتا۔ اور ہم میں سے کچھ ایک واقفوں کی فہرست میں ہی آتے ہیں۔ تاہم اس نے کملا کی بیماری کی بابت ہمیں کچھ اپنے دل کی بات بتلائی ہے۔ میں اُس سے پوچھ بیٹھا کہ جب کملا سوئٹزرلینڈ گئی تو کیا سمندر عبور کرنے کا یہ اُس کا پہلا اور آخری ٹرپ تھا۔ اُس نے کہا نہیں وہ ۱۹۲۶-۲۷ء میں یورپ میں تھی۔ درحقیقت وہ کانپور کانگریس کے اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں لکھنؤ ہسپتال میں بیمار تھی۔ ڈاکٹر انصاری نے مشورہ دیا کہ اُس کا علاج یوروپ میں کرایا جائے۔ اور وائنا کے سپالنگر کا نام بھی بتلایا جو علم زندگی کا ماہر مگر غیر موصوف تھا اور جسے بدیں وجہ موصوف فرشتوں کے زمرہ میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے باوجود کملا کو اُسے دکھلایا گیا جس نے ۶ مہینے اُس کا علاج کیا اور ترقی نظر آنے لگی۔ اُس نے صاف کہہ دیا کہ ۲۰۰ پونڈ کی فیس اُس نے لی ہے وہ تمام اس بڑے ادارہ میں خرچ

کر دی جائے گی جیسے وہ چلا رہا تھا اور جس میں وہ اپنی کھوجوں اور لیباریٹری کی ضروریات کے لئے تمام قسم کے جانور، گھوڑے، بیل، مرغابیاں خرگوش وغیرہ رکھ رہا تھا۔ اس کے بعد مریضہ کو سوئٹزرلینڈ لے گئے، جہاں وہ نو مہینے ٹھہری۔ اس عرصہ میں موتی لال جی شامل ہو گئے اور تمام نے ہندوستان اور جواہر لال نے مدراس واپس آنے سے پہلے پیرس، برلن اور روس کی سیر کی۔ کیونکہ مدراس میں ڈاکٹر انصاری کی زیر صدارت (دسمبر ۱۹۲۷ء) کانگرس کا اجلاس تھا۔ مریضہ کو پہلے ایک پرانے ڈاکٹر کو دکھایا گیا اور پھر ایک نوجوان اُٹھتے ہوئے، حوصلہ مند، اصول پرست کے پاس لے جایا گیا۔ جس نے تمام پہلے ڈاکٹروں کی تشخیص کو رد کر دیا اور اپنی تمام شہرت کو اپنے اس دعوے پر لگا دیا۔ کملا اُس وقت پورے ۲۱ مہینے ۲۷-۱۹۲۶ء میں بیرون ممالک میں علاج کرانے سے بچ گئی لیکن دس سال کے بعد ۱۹۳۶ء میں اس کی موت بھی باہر ہی ہوئی۔

بے صبر اور گستاخ

وائنا میں موتی لال جی اپنے دمہ کے علاج کے لئے ایک مشہور ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ایک لیڈی بیچ میں مطلب سمجھانے والی تھی۔ ایک مریض کو جو علاج کی خاطر پانچ ہزار میل کا سفر کر کے وہاں پہنچا تھا وہ قدرتی طور پر اپنی بیماری کا سارا حال بتلانا چاہے گا۔ لیکن وہ مشہور سپیشلسٹ یہ چاہتا تھا کہ موتی لال جی اختصار سے کام لیں نیز زبان کی دقّت بھی تھی۔ ڈاکٹر نے

موتی لال جی کو جلدی کرانا شروع کر دیا اور دو تین بار ہدایت کرنے کے بعد انہیں تیسری بار مختصر ہونے کے لئے کہا اور سوال کیا کہ مریض اس وقت کس بیماری میں مبتلا ہے۔ بالکل بیباک ہو کر اور غصّہ اور بیزاری کے ساتھ موتی لال جی نے کہا "میں اب اس وقت ایک بے صبر اور گستاخ ڈاکٹر کی جلد بازی سے بیمار ہوں" جس پر لیڈی مترجم ہنس پڑی جس سے ڈاکٹر کی حیرانی بڑھ گئی جو یہ جاننا چاہتا تھا کہ مریض ٹھیک ٹھیک انگریزی میں کیا کہہ رہا تھا۔ اور جب مترجم لیڈی نے بتلایا تو وہ بھی ہنسنے لگا۔ اور خاموش اور صابر ہو گیا اور وقت کے لئے کھلی چھٹی دے دی۔ لیکن یہ پوچھا کہ مریض کا پیشہ کیا ہے۔ اور جب موتی لال جی نے بتلایا کہ وہ وکیل ہیں تو ڈاکٹر نے کہا کہ میں نے ایسا ہی خیال کیا تھا۔

چنتامنی - ایک رقاصہ لڑکی

ان واقعات کو بیان کرتے ہوئے ضمناً ایک کہانی یاد آجاتی ہے جو میں نے ۱۹۳۷ (فروری) کے یو۔پی کے انتخابات کے سلسلہ میں سنی مگر اس کہانی کا نہرو خاندان سے کوئی تعلق نہیں۔ ۱۹۳۷ء میں چنتامنی لیجسلیٹو انتخابات میں ایک امیدوار تھا۔ اور اس کے مقابلہ میں کانگریس نے ایک کھتری عورت کو کھڑا کر دیا تھا۔ بیچارا چنتامنی بیمار تھا اور اس کے کارکن انتخابی جدوجہد کر رہے تھے۔ ایک مالدار کھتری رائے دہندہ چنتامنی کے انتخاب میں دلچسپی

لے رہا تھا۔ کسی نے یہ افواہ پھیلادی کہ یہ بڑی گندی بات ہے کہ ایک کھتری اپنی ذات کی معزز خاتون کے مقابلہ میں ایک رقاصہ لڑکی کے انتخاب میں دلچسپی لے۔ اگر ان کے اندر ہمت ہے تو وہ ایک معقول اور معزز امیدوار کو مرد ہو خواہ عورت کھڑا کردیں لیکن اگر وہ ایسا نہیں کرسکتے تو وہ مقابل امیدوار یعنی ایک معزز کھتری عورت کی امداد کریں۔ چنتامنی اس لئے انتخاب میں ہار گیا کیونکہ اپنے نام سے وہ ایک رقاصہ لڑکی معلوم ہوتا تھا۔

"دھوکہ دینا جائز"

ہمارے انتخابات کا یہ قابل اعتراض اور گندہ پہلو ہے۔ اور بحیثیت مجموعی یہ خیال کرتے ہوئے کہ کانگریس انہیں بڑی بلند سطح سے چلارہی تھی۔ بہت ہی افسوس ہے کہ ایسا واقعہ رونما ہو جائے۔ اس لئے جہاں ہم اس قسم کے توقعات کے لئے دلی افسوس ظاہر کرتے ہیں وہاں ہم وزیراعظم چرچل کو کیا کہیں گے جس نے دوسرے محاذ کے سلسلہ میں رہا ستہائے متحدہ امریکہ اور روس کے ساتھ اپنے وعدہ کی بابت ماہ رواں کی ۸ تاریخ کو پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے یوں کہا تھا:۔

"میں بالکل صاف طور پر یہ ضرور کہونگا کہ میں دشمن کو دھوکہ دینا (چیٹ کرنا) سراسر جائز خیال کرتا ہوں اگرچہ ایسا کرتے ہوئے کچھ دیر کے لئے آپ کے

اپنے آدمی بھی گمراہ ہو جائیں۔ ایک بات یہ ہے کہ ہرگز ایسا وعدہ نہ کرو جسے تم پورا نہیں کرتے۔ مجھے اُمید ہے کہ ہم اس معیار میں پورے اُتریں گے برطانیہ نے رُوس کے ساتھ تمام وعدے تحریری کئے ہیں یا میز پر بیٹھ کر سوویٹ کے نمایندوں سے بذریعہ گفتگو کئے ہیں اور جنہیں ریکارڈ میں لایا گیا ہے۔"

میں نے سارے اقتباس کا حوالہ دے دیا ہے تاکہ چرچل سے بے انصافی نہ ہو۔ لیکن اب بھی وہ اپنی تقریر سے کیسا ظاہر ہوتا ہے؟ کیا وہ ہندوستان کو اپنا حلیف یا اپنا دُشمن خیال کرتا ہے؟ ہندوستانی جذبات سے اپنی عمر بھر کی دُشمنی کے خیال سے گاندھی جی کو ۱۹۳۱ء میں "ایک نیم برہنہ فقیر" بتلانے سے اور ایسی حالت میں وائسرےگل لاج کی سیڑھیوں سے اُوپر نیچے آنے سے اور کرپس مشن کے بارہ میں دارالعوام میں اُس کی تقریر سے ظاہر ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنا دُشمن سمجھتا ہے۔ بہرحال اُس کے ساتھ دُشمن کا سا سلوک کر سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا رویہ ہے جو ۱۹۴۲ء میں ۱۰ ر نومبر کو لارڈ میئر کی سالانہ دعوت کے موقع پر اُس کی تقریر کے ایک اقتباس سے پورے طور پر ثابت ہو جائے گا۔ اس میں برطانیہ کے جنگی اغراض کے متعلق وہ یوں کہتا ہے:-

"مگر مجھے یہ بات بالکل صاف کر دینی چاہیئے۔ اس کے متعلق کسی بھی حصہ میں کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیئے۔ وہ یہ کہ ہم اپنی شان برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ میں اس لئے بادشاہ کا

پہلا وزیر نہیں بنا ہوں کہ سلطنت برطانیہ کے خاتمہ کی صدارت کروں۔ اس کام کے لیئے اگر کبھی اس کی تجویز بھی ہوئی تو کسی اور کو پیدا ہونا ہوگا۔ اور میں سمجھتا ہوں جمہوریت کے ماتحت ساری قوم کا مشورہ لینا ہوگا۔"

اچھا! اگر چرچل ہندوستان کو اپنا دشمن خیال کرتا ہے تو صاف ہے کہ ہندوستان بھی چرچل پر دھوکا دہی کا الزام لگانے میں سراسر حق بجانب ہے۔ کیونکہ کرپس مشن کے بارہ میں وہ صرف اُسے دھوکا دے رہا ہے۔ نیز اس کا بھی خیال کرو کہ وہ جمہوریت کا دم بھرتا ہے لیکن ساتھ ہی یہ یقین رکھتا ہے کہ ہندوستان یا آبادیات کو آزادی دینے کی خاطر انگریزی قوم کا ضرور مشورہ لینا ہوگا۔ پس وہ قوم جو اپنے آپ کو جمہوریت کا دلدادہ بتاتی ہے وہ اپنے اغراض کی خاطر امپریلزم کی پیروی کر سکتی ہے۔ امپریلزم کس طرح اپنے آپ کو ختم کر سکتا ہے؟ یہ الفاظ اور خیالات دونو کی تردید ہے۔

(۱۵-۱۱-۴۲)

شہد ٹپکتا ہے

جس طریق پر بمبئی حکومت اپنا کام چلاتی ہے وہ عجیب ہے۔ ہم میں سے شنکر راؤ اپنا بستر، کتابیں اور عینکیں اپنے میزبان کے گھر بمبئی میں چھوڑ آیا تھا۔ ۹ اگست کو اس پر کچھ کھپ سی ہوئی تھی۔ لیکن خبر یہ ملی

تھی کہ ان تمام چیزوں کو مہاراشٹر کی ایک سیاسی کارکن شریمتی پریم کنٹک
کو دے دیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد۔ ان کا کوئی پتہ نہیں چلا کیونکہ وہ
دیوی خود بھی قید ہو گئی تھی۔ آخر کار ہمیں یہاں یہ خبر ملی کہ انہیں انسپکٹر
جنرل کو دے دیا گیا ہے۔ انسپکٹر جنرل تین بار ہمارے پاس آئے تھے اور ہر
بار ان چیزوں کا چرچا ہوا تھا۔ بالآخر وہ ۱۳ ر نومبر کو ہمارے پاس پہنچ
گئیں اور اُن سے ایک دن پہلے انسپکٹر جنرل ہمارے پاس تھے۔ انہوں نے
یہ عذر تراشے کہ گٹھڑی کہیں نظر سے اوجھل ہو گئی تھی۔ جب کسی طرح سے وُہ
ہمارے پاس پہنچ گئی ہیں اگرچہ ایک ٹین سے شہد ٹپکنے کے باعث کسی قدر
تر ہو گئی تھیں۔ یہ ٹین جس میں سارا شہد تھا ایک بستر کے اندر بندھا
ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ سنسر کرنے والے نے ٹین سے شہد ٹپکایا ہو تاکہ
وہ معلوم کر سکے کہ اس میں کیا ہے اور پھر اسے بند کرنا بھول گیا ہو انہیں
مال براہ راست انسپکٹر جنرل کو دیا جا رہا ہو۔ وہ سنسر کرنے والے کے
پاس ہرگز نہیں جا سکتا تھا۔ دلچسپ بات تو عینک کا مل جانا ہے جس کے
بغیر مالک کو دو مہینے اندھا رہنا پڑا۔ اور اس کے بعد آنکھوں کا دوبارہ
معائنہ کرا کے نئی عینکوں کے لئے آرڈر دینا پڑا۔ لیکن جو اسے ٹھیک نہیں
آئیں لہٰذا گم شدہ عینک کے مل جانے سے حقیقی خوشی حاصل ہوئی۔

(۴۲ - ۱۱ - ۱۵)

وزیٹر صاحبان

ہفتہ ہفتہ بعد ہر سوموار کو وزیٹر صاحبان آتے ہیں لیکن اُن کی آمد بھی اتنی بے مزہ ہو گئی ہے جتنا بار بار وزن کا لیا جانا۔ کم از کم ترازو بولتا تو ہے صحیح یا غلط۔ وہ ایک ہندسہ بتلاتا ہے جس پر خیال ابھرتا ہے۔ وجوہات بیان کی جاتی ہیں اور تحقیقاتیں ہوتی ہیں۔ لیکن وہ وزیٹر صاحبان یعنی کلکٹر اور ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر کیا بتلاتے ہیں۔ ظاہر کرتے ہیں یا مشورہ دیتے ہیں؟ کچھ بھی نہیں۔ پس ہمیں کچھ نہ کچھ ایجنڈا ضرور تیار کرنا چاہیئے۔ بلاشبہ میں نے اُن سے کہہ بھی دیا کہ ہمارے مطالبات، التماسات اور مشورات کا ایجنڈا تقریباً مکمل ہو گیا ہے۔ ہمیں چھٹی لکھنے اور چھٹی لینے کی رعایت مل گئی ہے۔ کتابیں آتی اور جاتی ہیں، پارچات پہنچتے ہیں۔ منیاری کا دیگر سامان، غالیچے، رضائیاں۔ کمریاں، کوٹ، دھوتیاں، قمیض، گم شدہ چیزیں اور فراموش کردہ اشیاء، ہولڈآل اور اوورآل، عینکیں اور شہد کی بوتلیں وغیرہ ہمیں سب کچھ مل گیا ہے۔ ہمارے اخبارات بھی یعنی 'بمبئی کرانیکل' اور 'ٹائمز آف انڈیا' 'ہندو' اور 'اندھرا پترکا' 'لیڈر' اور 'ٹربیون' اور آخری 'سٹیٹسمین' اور 'امرت بازار پترکا'

۴۲ - ۱۱ - ۱۵

ریڈیو پھر

ایک مدرہ گئی ہے اور وہ ہے ریڈیو، بلاشبہ ایک بار اس کے لئے ہماری درخواست کو ٹھکرا دیا گیا ہے۔ لیکن نوکرشاہی کے ساتھ کوئی بات قطعی نہیں ہوتی۔ گاندھی جی سے ملاقات کے لئے راجگوپال آچاریہ کی درخواست بھی ابھی قطعی طور پر رد نہیں کی گئی ہے۔ راجگوپال آچاریہ نے جو انٹرویو برطانوی پریس کو دیا اور جو خاص طور پر ہند میں شائع ہوا۔ اس میں بتلایا ہے کہ "اگر مجھے وائسرائے یہ نہ بتلاتے کہ ملاقات کی اجازت سے انکار کا فیصلہ آخری نہیں ہے تو میں ضرور اس انکار کو مہلک غلطی کہتا"۔ پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ کیوں نہ مولانا کے ریڈیو کے متعلقہ فیصلہ کی نگرانی ایک چھوٹی جماعت یعنی حکومت بمبئی کے پاس کی جائے! لہذا میں نے کلکٹر کی توجہ اس نکتہ کی طرف مبذول کی اور کہا کہ جنگ کے صورتِ حالات میں بھی تبدیلی ہو گئی ہے۔ میجر نے فوراً اس نکتہ کو سمجھ لیا اور یہ طے پایا کہ کلکٹر اور ڈی۔ ایم۔ او وزیٹر صاحبان والی کتاب میں ایک نوٹ درج کریں۔ جسے میجر گورنمنٹ کے پاس بھیج دے۔

خُشک آب و ہوا

موسم سرما سٹالن گراڈ اور احمد نگر فورٹ دونوں جگہ شروع ہو گیا ہے چمڑہ فقط پھٹتا جاتا ہے، کُرّہ ہوائی خُشک ہے اور آب و ہوا مزیدار ہے لیکن چمڑہ کے لئے تیل کی ضرورت ہے اور میرے اور گھوش جیسے سمندر کے کنارے رہنے والوں کے لئے مزید تیل کی نینی تال کے رہنے والے کو بھی تیل کی ضرورت ہے۔ خُشک سُنہری گھاس پر شبنم کا ایک قطرہ بھی نہیں ہے؛

۱۶ - ۱۱ - ۴۲

موسم سرما کا باغ

موسم سرما کا باغ ترقی کر رہا ہے۔ رنبہ کے بعد رقبہ کھودا جا رہا ہے اور کھاد کے ساتھ اچھی مٹی ملا کر دوبارہ بھرا جا رہا ہے۔ کلکٹر کی طرف سے بھیجے ہوئے چند پودے پانچ دس دن کے اندر ہی پھول لے آئے ہیں۔ جن میں سے ایک چھوٹی قسم کا سُورج مُکھی پھول ہے اور دوسرے پودے ہیں خوبصورت لال اور گُلابی رنگ کے پھُول لگ رہے ہیں۔ پوچاس کے بیجوں نے پھُوٹنا شروع کر دیا ہے جن سے خالص خوشی حاصل ہو رہی

ہے۔ مثلاً پٹیونیاس، لارک سپرز، پھلوکس ڈرمونڈز، مگران میں سے چند ایک گملوں میں نہیں پھوٹ سکے ہیں۔ کیا وہ مُردہ ہیں۔ آصف اُن کی نرس ہے۔ جواہرلال پلیننگ کمیٹی کا بھی پریذیڈنٹ ہے اور ساتھ ہی کھودنے والا اور اُکھیڑنے والا بھی۔ پھول کی کیاری تیار کرنے کا سارا بوجھ اُس نے اپنے ذمے لے رکھا ہے۔ ولبھ بھائی بطور ماہر اُن پودوں کی طرف توجہ دیتا ہے جو پھُوٹ نکلے ہیں۔ گلاب کے پودے ایک دو گملوں میں نئے پتّے نکال رہے ہیں۔ لیکن ایک یا دو مُردہ ہوگئے ہیں۔

چُستی سے بھرپُور شامیں

شاموں کو بحیثیت مجموعی چستی ہوتی ہے۔ ایک طرف سپاہیوں رملاس اور یو۔پی میں وارڈرز کے لئے والی بال کھیلا جا رہا ہے۔ چونکہ وہ بہت تھوڑے ہیں۔ دراصل کبھی کبھی صرف دو یا صرف ایک۔ اس لئے اُنہوں نے سزا یافتہ وارڈرز اور عام قیدیوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کر دیا ہے جنہیں دو یا تین شاموں کو جواہرلال نے کھیل کے متعلق تعلیم دی ہے اور رہنمائی کی ہے۔ اس لئے اب وہ اس قابل ہوگئے ہیں کہ گیند کو کہیں باہر یا دُور پھوٹنے والے باغ میں یا سرد برآمدہ اور گرم لنگروں میں نہ جانے دیں اور کھیلتے رہیں۔ دوسری طرف بیڈمنٹن خوب چلتا ہے۔ گرچہ صرف

چھ کھلاڑی ہیں اور اُن میں سے چار کو موچیں آرہی ہیں۔ بدیں وجہ بائیں ہاتھ کا کھلاڑی شنکر راؤ دائیں ہاتھ کا کھلاڑی بن گیا ہے اور دونوں ہاتھوں سے چُست ہے۔ جواہر لال کبھی کبھی اپنے بائیں ہاتھ سے تقریباً اتنا اچھا کھیلتا ہے جتنا اپنے دائیں ہاتھ سے۔ آصف بائیں ہاتھ کی تلی سے دائیں ہاتھ کی کہنی کو سنبھال کر کھیل بہت اچھی کھیلتا ہے۔ کرپلانی کو دائیں بازو میں درد سے قریباً آرام ہو گیا ہے اور وہ خوب کھیل رہا ہے، اگرچہ باقی ماندہ درد کو قابو رکھنے کے لئے لینمنٹم کا استعمال کرتا ہے۔ پنت جی کا کھیلنا ایک اچنبھا ہے۔ کیونکہ پنت جی کا قد ۶ فٹ دو انچ ہے اور وزن ۲۰۸ پاؤنڈ لیکن پھر اس کے باوجود پُھرتیلے ہیں اور جو اپنے سیدھے محور کے ارد گرد جھٹ سے گھوم سکتے ہیں۔ آپ کے سٹروکس بڑے زبردست ہیں اور سروس کرپلانی کی مانند کروس بیٹ جیسے   لینا کسی قدر مشکل ہوتا ہے لیکن ان کی کٹس ([illegible]) کمال کی ہوتی ہیں۔ بلاشبہ تماشبین بھی ہوتے ہیں، اپنے آپ ایک مُنتخب شدہ امپائر بھی ہے۔ جو پوچھنے پر اپنا فیصلہ دیتا ہے اور پھر اُسے ماننا ضروری نہیں ہوتا۔ گھوش جب وہ کھیل نہ رہا ہو تو عام طور پر خود منتخب شدہ امپائر کا فرض ادا کرتا ہے۔ تمام فرائض رضامندی سے پورے کئے جاتے ہیں اور بغیر کسی مدعا کے سوائے اس کے کہ وہ کھیل کا ضروری حصہ ہیں۔ بطور کھلاڑی گھوش استقلال والا اور طاقتور ہے لیکن وہ اپنا قد بڑھانا چاہتا ہے اور ہم تمام چاہتے ہیں کہ وہ دو یا تین انچ بڑھ جائے کیونکہ اس وقت وہ صرف پانچ فٹ اور ایک انچ اونچا ہے۔

کھیل کا میدان، باغ اور کلب کا صحن تمام ایک ہی ہیں۔ اس لئے جب ہم شام کی چائے سے واپس ہوتے ہیں جو چار بجے شروع ہوتی ہے تو کرسیاں ایک لائن میں لگی ہوتی ہیں لیکن جواہر لال نے ڈائننگ آرٹ کو شروع کر دیا ہے اور اب کرسیاں بالمقابل ہوتی ہیں اور مرکز میں ایک میز ہوتا ہے جس پر دن کے سارے تازے اخبارات رکھ دئے جاتے ہیں۔ اس سے ہر ممبر کے لئے اپنی خواہش کا اخبار معلوم کرنا آسان ہو گیا ہے۔ جواہر لال اس تمام عرصہ میں کھودتے۔ گوڈائی کرتے۔ بیج ڈالتے۔ بیج اکٹھا کرتے۔ غیر ضروری عنصر کو اکھاڑتے اور پانی دیتے ہیں۔ اور ولبھ بھائی اٹوٹ باقاعدگی کے ساتھ اپنی تین میل کی سیر کرتا ہے۔ صرف مہتاب اس میدان میں اُس سے بازی لے گیا ہے۔ اگرچہ اس کی اپنی طبعتیں ہیں۔ وہ ایک لمبا، مضبوطی سے بنا ہُوا ناز و نعمت میں پلا ہُوا، بہار لیجسلیٹو اسمبلی کی ممبری، آل کل صوبہ کانگریس کمیٹی کی صدارت اور ۳۹-۱۹۳۸ء ورکرز کانفرنس کی ممبر شپ میں ابتدائی اعزاز کا لُطف حاصل کرنے والا ہے اور اپنے جسم کو بڑی شان اور مزے کے ساتھ اُٹھا کر چلتا ہے۔ وہ بالکل خاموشی کے ساتھ بیڈمنٹن کھیلنے سے بند ہو گیا ہے۔ حالانکہ خوب کھیلا کرتا تھا (اُس کا قد اس کے موافق ہے)۔ لیکن کسی طرح سے جڑی اس کے جھکنے کا حکم نہیں مانتی۔ وہ سُر دُس، سیکھنے سے تنگ آگیا ہے۔ اور خاص کر اس وجہ سے اور بھی کیونکہ اسے سکھلانے والے صرف لائق کھلاڑی ہی نہیں ہیں بلکہ میرے ایسے غیر کھلاڑی بھی، جو آرام سے کرسی پر بیٹھتے ہیں۔

جو کھیل کے جنگ کی ذرا ذمہ داری لینے کی پرواہ نہیں کرتے لیکن اس کے باوجود بلا فیس کھیل کے شوقینوں کو رائے دیتے رہتے ہیں۔

۴۲-۱۱-۱۷

مراتھوں کی دوڑیں

مہتاب کے چلنے کو دیکھ کر جواہر کے دل میں مراتھوں (marathon) کے چلنے کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ جو اولمپین (olympian) کھیلوں سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ ایک دوڑ میں جو ۲۵ میل کی تھی۔ ایک پست قد اطالوی نے تقریباً سارا فاصلہ دوڑ کر طے کر لیا اور آخر ۵۰۰ گزوں میں لنگڑا کر چلنے لگا۔ اور تقریباً بل کھا کر اکٹھا سا ہو گیا۔ اس نے یہ بھی اچھی طرح کر لیا۔ لیکن جب وہ پچاس گز کے فاصلے پر جھکنے اور کانپنے لگا تو ایک تماشبین نے اسے کھڑا کر دیا اور اس لئے فوراً اس کا نام کاٹ دیا گیا یہ بڑے افسوس کی بات تھی اور غالباً اس کے لئے وہ ذمہ دار بھی نہ تھا لیکن اسے سزا بھگتنی پڑی۔ اس لئے ایک جرمن اوّل رہا اور ملکہ اسکندریہ نے اس اطالوی کو تسلی کا انعام دے کر اعلانیہ قدر شناسی کا نشان لگا دیا۔

۴۲-۱۱-۱۵

'برج' - اس کا آغاز

آج میں برج کھیلتا ہوں۔ بیشک میں کھیل کے مسئلہ اور اس کے آغاز کو جانتا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ یہ علم مجھے اچھا کھیلنے میں مدد دے گا لیکن اس نے نہ دی۔ ۱۹۰۳ء میں جنوبی افریقہ کی جنگ میں چار سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ دشمن کے حملہ کے خلاف پُل کی نگرانی کریں۔ انہیں ساری رات جاگنا پڑتا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے تاش کا یہ کھیل ایجاد کر دیا جس میں ایک سپاہی اپنے پتے ننگے کر دیتا ہے اور آزادانہ طور پر دُشمن کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے۔ جبکہ باقی تین کھیل میں مصروف رہتے ہیں اور ڈمی بننا باری باری ہوتا ہے اس لئے کسی کو شکایت نہیں رہتی کہ اُسے بیکار بنا دیا ہے۔ میں نے اپنے ساتھی کے ایک نو اور اپنے دائیں ہاتھ کے پڑوسی کے دو سپیڈز کے مقابلہ میں فوراً دو نو ٹرمپس کا بُلوا دیدیا اور میں نے دوسرے کھلاڑیوں کو یہ کہہ کر کہ ہمارے پاس ضائع کرنیکا وقت نہیں ہے' بہت زیادہ ہوشیاری چھوڑیئے' جلدی کرنے کی ترغیب دی۔ ان الفاظ نے جواہر لال کے دماغ سے ایک کہانی نکلوالی اور میں نے فوراً اسے چارج دے دیا۔ کیونکہ ایک گیم game سے زیادہ کھیلنے میں وہی دلچسپی نہیں رہتی اور میرا علم رنگوں کی ناقابل تردید پہچان سے آگے نہیں جاتا۔ میں نے ابھی تک سٹرکس، آنرز، شرائط کی پابندی، چھوٹے سلام اور بڑے سلام کی قیمت لگانا سیکھنا ہے۔

رابکادشی   ۱۸ - ۱۱ - ۴۲)

ایک چینی کہانی

جواہر نے ایک چینی کہانی سنائی جس میں ایک شاعر نے اپنے شاگردوں کو اس بات سے خبردار کیا کہ وہ بہت زیادہ سمجھدار اور جفاکش نہ بنیں، اور اگر تم اس مقولہ کی پیروی کرو گے تو تم اپنی سلطنت کا وزیر بن کر ختم کرو گے، میں نے فوراً دریافت کیا کہ کیا کسی کو سکول میں ایکساتھ دو جماعتیں چڑھا دیا گیا تھا؟ ہاں ایک سے زیادہ کو ایک سے زیادہ دو گنی ترقیاں ملی تھیں، آہ۔ یہی وجہ ہے کہ تم سارے یہاں ہو ورنہ تم سارے وزیر ہوتے!" میں نے کہا۔ آخیر میں میں ایک مشورہ دینا چاہتا تھا۔ ہر دوپہر کو نوٹ بک ممبروں، گیمز اور ریبرز کے اندراجات سے پُر ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ کسی کو علم نہ تھا۔ کہ اندراج کرنے والا اندر کیا لگاتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری تھا کہ کوئی آزاد اور غیر کھلاڑی اس نوٹ بک کو آڈٹ کرے۔ یہ آسامی غیر متوقع طور پر مجھے ہی پیش کی گئی۔ لیکن میں نے کہا چونکہ ممبروں سے عارضی اداسی یا مار بھار کی ترغیبات کے علاوہ اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا اس لئے بہتر یہی ہے کہ جہاں وہ ہیں انہیں وہاں ہی رہنے دیا جائے۔ اس سے مجھے وہ واقعہ یاد آگیا جو میرے مکان کی مالکہ کے گھر ہوا۔ جبکہ میں انٹرمیڈیٹ میں پڑھتا تھا اور ۱۸۹۶ء کا سال تھا۔

۱۹ - ۱۱ - ۴۲

"نمبر لاؤ"

گھر کی مالکہ کو جو کسی قدر گنوار اور بڑی عورت تھی اُس کا لڑکا یہ کہا کرتا تھا کہ ریاضی میں اُس کے اتنے نمبر ہیں اور تیلیگو میں اتنے اور وغیرہ وغیرہ۔ ایک دن اُس نے اپنے لڑکے کو چوٹی سے پکڑ لیا اور خوب جھاڑو سے پیٹا۔ کیونکہ وہ ہر روز یہ کہتا رہتا تھا کہ اُس نے اتنے نمبر حاصل کیے لیکن باوجود بار بار میرے کہنے کے وہ ایک موقع پر بھی اُنہیں گھر نہیں لایا!

۱۹-۱۱-۴۲

ایکادشی

'ایکادشی' کے متعلق لکھتے ہوئے یہ ضرور کہوں گا کہ آج کا دن خاص طور پر مہاراشٹر اور یو۔ پی میں مقدس سمجھا جاتا ہے۔ اسے 'دیو اُتھان ایکادشی' کہتے ہیں جس پر وہ دیوؤں کی پوجا کرتے ہیں جو جاگ رہے ہوتے ہیں۔ عام طور پر قیدی ہمیں اس تنتی (چودس کا دن) کی یاد دلاتے ہیں۔ اُن میں سے دو نے اُپواس (فاقہ) کیا ہے اور ہم میں ڈاکٹر سید محمود ہی ایک 'برہمن' ہے جس نے 'ایکادشی' منائی ہے اور برت رکھا ہے۔ وہ طبی مشورہ کے ماتحت لازمی طور پر ہر چودہ دن کے بعد برت (فاقہ) رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ 'رمضان'

کے خاتمہ کے نزدیک بیمار پڑ گیا اور قرآن کے ارشاد کے مطابق سفر یا بیماری کے باعث روزہ توڑنے پر بعد میں ہر توڑے ہوئے روزہ کے لیئے تین دن روزہ یا سات 'فقیروں' کو کھانا کھلانا پڑتا ہے۔ البتہ فقیر حقیقی ہوں ہمارے جیسے نہیں جو دن میں چار بار کھائیں اور وہ بھی زیادہ مقدار میں۔ اور کبھی کبھی اس کے علاوہ آدھی رات کھانا۔ ایک سچا فقیر، وہ نہیں جس نے صرف کمبل اوڑھ رکھی ہو۔ نہ ہی وہ جو محتاج ہو۔ اور نہ ہی وہ جو تسبیح پھیرتا ہو بلکہ وہ جو فاقہ، قناعت اور ریاضت کرتا ہو۔ ہم نے ابھی دیوالی کے بعد ایک دن اور گذار لیا ہے جسے ششٹھی کہتے ہیں۔ بہار میں اسے 'چھٹھ' کا تہوار کہتے ہیں یا ڈال چھٹھ' یو۔پی میں جب ڈالا دیا دلیا کے نذرانے سورج دیوتا کو پیش کیئے جاتے ہیں۔ بظاہر سورج نے لمبے عرصے تک غائب ہونا تھا لہذا الوداعی عبارت 'آریہ ورت' میں غیر موزوں ہے جہاں سورج ہر غروب کے چند گھنٹوں بعد طلوع ہو جاتا ہے نہ کہ شمالی خطہ میں کئی مہینوں کے بعد۔ نیچے اس تہوار کا دلچسپ بیان دیا جاتا ہے جو ۱۶ ر نومبر ۱۹۴۲ء کے "امرت بازار پترکا" سے لیا گیا ہے۔

چھٹھ

"چھٹھ کی تقریب کے باعث آج بہار کے ادارے منجملہ گورنمنٹ دفاتر

کے بند رہے۔ سارے صوبہ میں یہ مذہبی تہوار بڑی سنجیدگی اور پرہیزگاری کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ میں اس تقریب کا یونہی خیال ہی پیش کروں گا۔ جس سے بہت سے صوبے واقف نہیں ہیں یہ تہوار ہندو گھرانوں کی عورتوں اور بچوں سے تعلق رکھتا ہے۔ عام لوگ اسے منا سکتے ہیں اور جو بھی چاہے پُوجا کر سکتا ہے۔ "پُوجا سورج دیوتا سے مُراعات اور برکات حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے۔" کاتک" کے مہینہ میں سردی آنے کے ساتھ اور دیوالی کے چھ دن بعد دریا کی طرف اور گنگا کے کنارے پر مرد، عورتیں اور بچے ہی بچے نظر آتے ہیں۔ دوپہر سے عورتوں کے جلوس ڈھول بجانے والے اور راگی گلی سے گذرتے ہیں اور دریا کی طرف جاتے ہیں۔ مجمع غروب آفتاب کو دیکھنے لگ جاتا ہے، غروب آفتاب سے پہلے جن عورتوں نے سورج دیوتا کے لئے "ارگھے" تیار کئے اور برت کی سب رسومات اور رضا نھلگیاں منائیں وہ کمر تک پانی میں کھڑی ہو جائیں گی اور دیوتا سے مُرادیں مانگنے کے لئے ہاتھ جوڑینگی اور منتر کہیں گی۔ جُونہی شام ہوتی ہے اور آہستہ آنے والی تاریکی سائے زمین کو ڈھانپتی ہے تو راگی دردِ فراق کی تان نکالتے ہیں اور یاتری بھجن گاتے ہوئے، سورج دیوتا کی تعریف کرتے ہوئے اور دُکھی دُنیا کے لئے اُس سے مُرادیں مانگتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ اس تہوار کے منانے والے سخت برت لیتے ہیں اور پانی کی بُوند اور اناج کا دانہ چھوئے بغیر ساری رات جاگتے اور پرارتھنائیں کرتے ہیں۔ اگلی صبح سورج اپنی پوری چمک دمک کے ساتھ مشرق میں طلوع ہوتا ہے اور ہزاروں آدمی بھجنوں اور منتروں سے دریا کی طرف کو

گونجا دیتے ہیں۔ اور دوسری اور آخری بار رسوم کو ادا کرتے ہیں۔ پورے اشنان کے بعد لوگوں کی کثیر تعداد گھر واپس آ جاتی ہے جہاں سارے گھر والے مل کر کھاتے پیتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔ وہ نئے کپڑے پہنتے ہیں اور موسم کی بہترین لوازمات کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اس خاص دن پر پھل اور سبزی منڈی کو دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک تمام ممکن پھل، سبزیات اور مٹھائیاں رکھی جاتی ہیں تاکہ گاہک پھنسیں اور وہ بھی اس دن بڑی سے بڑی خریدیں کرتے ہیں۔ ان سے وہ خدا اور اس کی مخلوق دونوں کی خدمت کرتے ہیں۔ اس تیوہار کے پیچھے کچھ اور باتیں بھی ہیں۔ کئی کہتے ہیں کہ طلوع آفتاب کے ساتھ یہ صبح کا غسل زندہ رہنے کی اس بہترین عادت کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے علاوہ من گھڑت کہانیاں بھی ہیں جو اسکے سالانہ منانیکی پیلو بنز قرار رکھنے کی خاطر موجودہ جواز کی تائید کرتی ہیں۔"

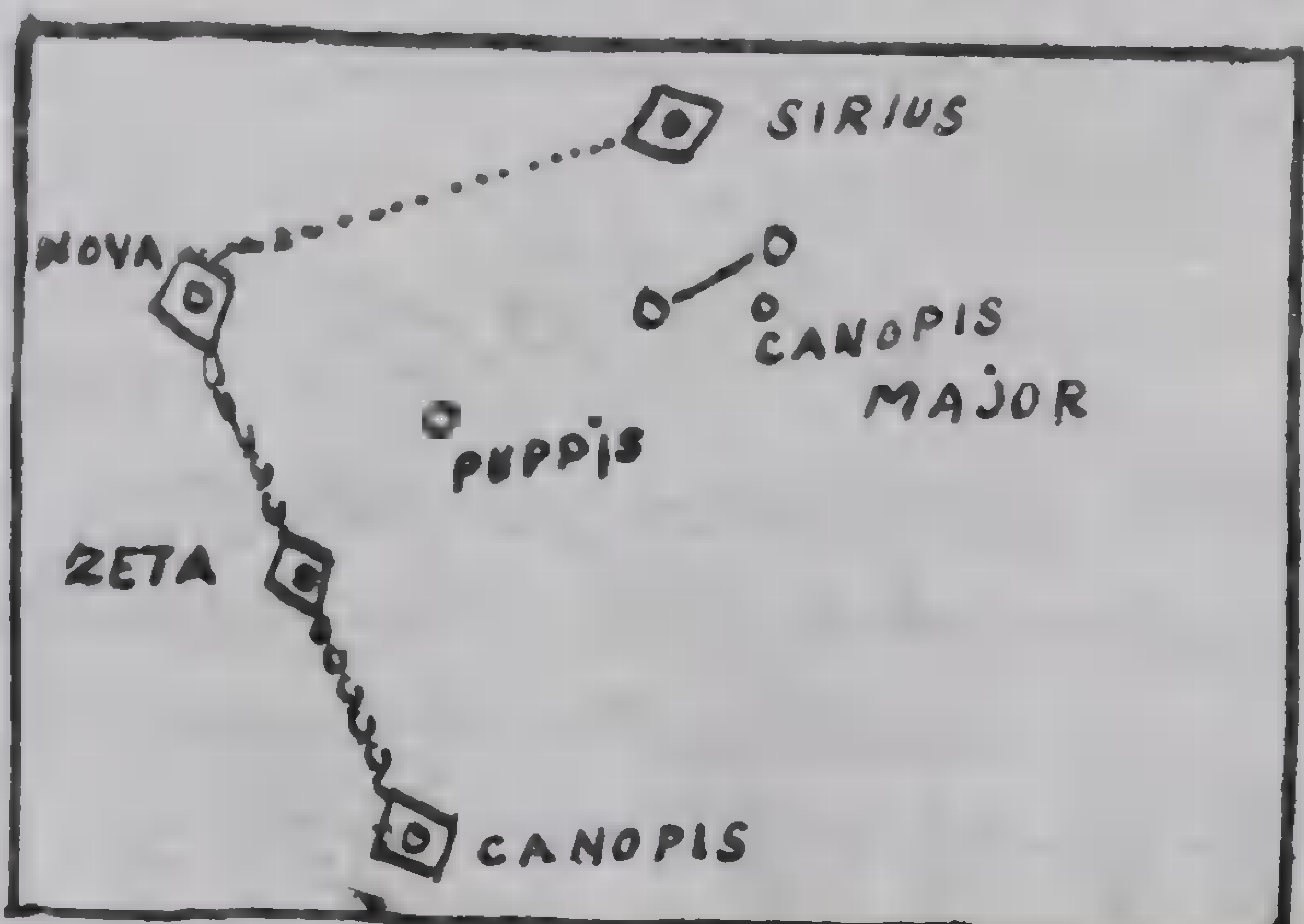
زنجیریں ہٹالی گئیں

انسپکٹر جنرل جیلخانجات کے تازہ دورہ (۱۱ نومبر) کے سلسلہ میں ایک اچھی بات جو ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ اُس کی اجازت سے جلتے سرجے کے قیدیوں کے پاؤں کی زنجیریں ہٹا دی گئی ہیں جس سے خود قیدیوں اور اُن سے زیادہ ہمیں آرام ہو گیا ہے۔

نیا ستارہ

NOVA PUPPIS

شمالی ویلز میں ایک شوقیہ مشاہدہ کُنندہ نے جو نیا ستارہ مشاہدہ کیا ہے اُس نے احمد نگر قلعہ میں بھی کچھ توجہ کھینچی ہے اور جو ٹائمز آف انڈیا، میں ولسن کالج بمبئی کے ڈاکٹر ایچ۔ جے ٹیلر کے نوٹ سے اور بھی تیز ہوگئی ہے۔ اس نے ستارہ کی جو تصویر اور کیفیت بیان کی ہے اُس کی مدد سے ہم نے فوری اور صحیح طور پر اسے تلاش کر لیا ہے۔



سیریش (کلب الجبار) آسمان میں سب سے زیادہ چمکدار ستارہ ہے اور اس سے اگلے درجہ پر کینوپس (CANOPIS) ہے۔ جو یکبران دونو

کو ملاتی ہے۔ اُسے لازمی طور پر ایک زاویہ قائمہ مثلث ر Rt angled Triangle) کی وتر (Hypotenuse) سمجھ لینا چاہیئے۔ بس پھر اس زاویہ قائمہ کے ایک کونہ کا نشانہ کر لو اور آپ کو نئے ستارہ کی جگہ معلوم ہو جائے گی۔ نیا ستارہ درحقیقت ایک پُرانا ستارہ ہے جو یک دم سینکڑوں، ہزاروں گُنا درخشاں ہو گیا ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے جو جلدی ہی اپنی چمک کھو بیٹھے گا۔ اور پھر برہنہ آنکھ کے لئے ویسا ہی مدھم اور نظر نہ آنے والا بن جائے گا۔ اس کا فاصلہ یہاں سے روشنی کے ہزار سال برابر ہے۔ یعنی ۱۸۶۰۰۰×۲۴×۳۶۵×۱۰۰۰ میل۔

ہیروز اور شہید

آج صبح یہ تحقیقات کی گئی کہ میں اور پر پھُلا بابو کیوں ساڑھے تین بجے جبکہ مولانا باقاعدہ جاگتے ہیں گڑ گڑ کر رہے تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہم جاگ پڑے۔ اور نئے ستارہ کے متعلق بات چل پڑی۔

آج یہ خبر آئی ہے کہ دامہیا بھائی گرفتار ہو گیا ہے۔ وہ سردار پٹیل کا اکلوتا بیٹا ہے جبکہ اُس کی اکلوتی بیٹی اُس کے ساتھ ہی ۹ اگست کو گرفتار ہو گئی تھی۔ باپ کو اس سے بہت زیادہ خوشی ہوئی ہو گی کہ اُس کا بیٹا جیل کے موجودہ بہت سے دلیش بھگتوں کے ساتھ پیشتر ہی اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

اُسے اس طرح کیوں پکڑا گیا ہے، غالباً گرفتار شدہ شخص کے علم سے باہر ہے۔ اور اُس کے نام کے ساتھ جے۔ سی۔ کمارا ایّا کا نام بھی بتلایا جاتا ہے۔ دونوں ہی حال میں بہت بیمار رہے ہیں۔ خیر یہ ان دنوں کا دستور ہے۔ جواہر کی لڑکی اور داماد، ایک بہن اور اس کی لڑکی اور خاوند اور دوسری بہن کا خاوند سب کے سب گرفتار ہو گئے ہیں، اُن خاندانوں کا خیال کرنا جنہوں نے قوم کے ہیروز اور ہیرو آئینیز (نائک اور نائکہ) بنانے میں حصّہ لیا ہے بلاشبہ دلخوش کُن ہے۔ امبا لال کی چار لڑکیاں قید میں ہیں جبکہ اُن کا بھائی، خاندان کا پہلا لڑکا خوفناک بیماری کا شکار ہو کر چل بسا ہے۔ کے، ایم منشی کی دو لڑکیاں جیل میں ہیں۔ ڈاکٹر خانصاحب کی لڑکی مس سوشیلا پائی آف راجکوٹ جس نے لڑکیوں کے سکول کی ہیڈ مسٹرس شپ (مشاہرہ ۲۵۰ روپے ماہوار) سے استعفٰی دے دیا تھا۔ اب اپنے بمبئی کے دوستوں کے ساتھ شامل ہو گئی ہے۔ شری گیڈگل کی لڑکی، شنکر راؤ کا بھتیجا اور بھتیجی جیل میں ہیں۔ جبکہ آصف علی کی عورت کو طلب کیا گیا ہے۔ اور شریمتی کرپلانی کسی دن ہی گرفتار ہو جائے۔ پر پھلا بابو کی بہن جمنا گھوش نریندر دیو کا لڑکا اشوک ناتھ ورما بھی قید ہیں۔ اسی طرح امرت لال کی تین لڑکیاں بھی جیل میں ہیں۔

۱۹ - ۱۱ - ۴۲

بھگوت گیتا

موجودہ ہندو، انگریز شدہ اور یونیورسٹی کا پیدا کردہ ہندو بحیثیت مجموعی ایک کٹر ہندو نہیں ہے۔ بہر حال اپنی تعلیمی درسگاہ سے ایسا نہیں نکلتا ہے۔ یہ نہیں کہ وہ گھر پر چند فارمولوں اور مذہبی ضابطوں یا چند رسوم اور تقاریب کی تابعداری نہیں کرتا بلکہ یہ کہ وُہ ان کی اہمیت کی بابت بہت تھوڑا جانتا ہے اور اُن کے پسِ منظر کو اور بھی کم۔ مگر ستیہ آگرہ کے نئے عقیدہ کے بعد جو عدم تشدد اور سچ پر منحصر ہے اور جو دو جُدا اعتقادات نہیں ہیں بلکہ ایک سارے فلسفہ کا تانا بانا ہیں۔ اور ہندو دماغ کے لئے بھی کسی طرح سے نئے نہیں ہیں۔ کم از کم ایسے فلسفے کی گہرائیوں کے متعلق دماغی تحقیقات ضرور شروع ہو گئی ہے۔ نیز جیل سے باہر ان نکات کے متعلق کسی کا روّیہ اور توجہ کچھ ہی ہوں لیکن جیل میں آ کر کسی حد تک باطن بینی اور اس عقیدہ کے اصولوں کا مطالعہ جو ہمیں یہاں لایا ہے۔ جیل کی زندگی کا لازمی جزو بن جاتا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ یہاں بھی اور باہر بھی۔ اب بھی اور پہلے بھی۔ بھگوت گیتا کی جلدیں جب تک اپنشدیں اس سے بڑھ نہ جائیں باقی سب کتابوں سے زیادہ ہیں۔ اور ان کے مطالعہ کی طرف کافی توجہ دی جاتی ہے۔ نیز شام کی باتوں میں شنکر اور بُدھ اکثر بطور سنجیدہ مطالعہ یا ہلکی بحث کی شکل میں آ جاتے ہیں۔ کیا شنکر ایک پڑھنا

بُدھ ہے۔ بودھوں نے اُسے بُدھ مت کا دُشمن سمجھا۔ جبکہ ویدکیوں نے اُسے "پرچھنا" بُدھ خیال کیا۔ صرف اس بات کی یاد دلاتا ہے کہ کس طرح مسلمان گاندھی جی کو اپنا کھلم کھلا دشمن خیال کرتے ہیں جبکہ ہندو اس کے عالمگیر نکتہ نگاہ اور عالمگیر ہمدردیوں کی مذمت کرتے ہیں اس سلسلہ میں تنتر مت پر بحث چھڑ جاتی ہے۔ بالخصوص اس کے وام مارگ اور اس کے پیرؤں کے شراب پینے پر سر جان وُڈروف نے جو ضخیم کتابیں لکھی ہیں وہ گفتگو کا عام موضوع بن جاتی ہیں۔

۲۰ - ۱۱ - ۴۲

سِکم کی بڑی کھوپری

پرچھلا بابو اس کہانی کو بیان کرتا ہے کہ وہ کس طرح ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء کے سال میں سِکم کے دارالخلافہ گنگٹوک گیا جو ایک دوسرے سے ۳۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہیں۔ وہاں اس نے ایک بُدھ مندر کے ایک کمرہ میں ایک بڑی انسانی کھوپری دیکھی اور مندر کے پُجاری سے جو اس کا نگہبان تھا اُسکی بابت پوچھا۔ اس پرپُجاری نے مقابلہ میں سوال کیا "کیا تم گاندھی کو جانتے ہو؟ پرچھلا بابو نے فوراً جواب دیا "ہاں!" تب دُنیا میں وہی ایک ایسی شخصیت ہے جو اپنی خوراک اس کھوپری میں کھانے کے قابل ہے۔ اور اگر وہ کبھی یہاں آگئے تو ایسا ہی کیا جائے گا۔" بلا ریب پرچھلا بابو نے یہ دلچسپ کہانی گاندھی جی کو سنائی۔ (۴۲ - ۱۱ - ۲۰)

مزدور پارٹی اور سلطنت

جنگی وزارت کے ہندوستانی ممبر ایمری، چرچل اور لارڈ کرینبورن نائب وزیرِ خارجی کی تصویر اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ ایمری اور چرچل ایک سے نظر آتے ہیں گرچہ مؤخر الذکر کے خط و خال بھدّے ہیں اور ماقبل الذکر زیادہ خوش باش دکھلائی دیتا ہے۔ بہرحال تینوں کا بڑا زندہ دل ثُلث ہے۔ اور گویا کہ اُن کی خوشی میں اضافہ کرنے کی غرض سے اخبارات میں شائع ہونے سے پہلے یہ خبر آ گئی ہے کہ سر سٹیفورڈ کرپس کو جنگی وزارت سے نکال دیا گیا ہے۔ اور اس کی جگہ ایڈن نے بطور لیڈر آف دی ہاؤس لے لی ہے اور کرپس ہوائی پیداوار کا وزیر بن گیا ہے۔ ہربرٹ ماریسن جنگی بورڈ میں چلا گیا ہے۔ ایڈن اور ماریسن آیندہ وزیر اعظم کے عہدہ کے لئے ضرور رقیب ثابت ہونگے۔ ایک کنزرویٹو پارٹی کی طرف سے اور دوسرا لیبر پارٹی سے۔ ماریسن ایک ہوشیار نوجوان خیال کیا جاتا ہے اور ہندوستان پر اُس کی تازہ تقریر کہ "مجھے بتلاؤ دُنیا میں کہاں کرپس کی پیشکش سے بہتر پیشکش مِل سکتی ہے"۔ ایک گونہ مہربانی کی جھلک ظاہر کرتی ہے اور بالخصوص جب سے مزدور پارٹی کے ایک آدمی کی طرف سے آتی ہے۔

ایڈن کا بار بار نوآبادیات کو حاصل کرنے کا ذکر کرنا اور چرچل کا 'جو کچھ ہے اُسے لئے رکھنے کے لئے' تہیہ کا اعلان کرنا ہماری سمجھ میں آ

سکتا ہے'۔ لیکن دراصل مزدور پارٹی لبرل اور کنزرویٹو پارٹی کی نسبت زیادہ ملوکیت پرست ہے جس کی وجوہات صریحاً یہ ہیں کہ جونہی ہندوستان سلطنت کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اُس وقت مزدور پارٹی کا معیار زندگی غائب ہو جائے گا۔

(۲۴-۱۱-۴۲)

جان ایمری

ایمری کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات اُسے بڑی تکلیف دہ معلوم ہو گی کہ اُس کا لڑکا جون برلن سے براڈ کاسٹ کرتا پھرے۔ پہلے وہ غیر مقبوضہ فرانس میں تھا۔ اور کہا جاتا ہے بعد میں اپنی مرضی سے برلن چلا گیا۔ بلاشبہ ایسا ہی ہو گا۔ کیونکہ ایمری اُسے ہرگز وہاں نہیں بھیج سکتا تھا۔ برلن میں وہ پی۔ جی وُڈ ہاؤس ناول نویس اور ولیم جوئیس یعنی لارڈ ہا ہا کا اچھا ساتھی ہو گا۔ ہم نے دونوں کو گزشتہ سال ریڈیو پر سُنا تھا۔ لیکن اس سال نہ اُن دونوں اور نہ ہی اس کے نئے ساتھی جان ایمری کے سُننے کے مواقع موجود ہیں۔

(۲۳-۱۱-۴۲)

کرپس کا سر قلم کیا گیا

چرچل اور کرپس میں جو خط و کتابت ہوئی وہ خوشگوار نہیں ہے۔ اس کے متعلق ضرور کوئی نہ کوئی کہانی ہوگی۔ کرپس کے سر سے تکونہ تاج کا ہٹایا جانا ایک کینہ پرورانہ فعل ہے۔ اس کا فوری سبب کیا ہو؟ کرپس نے چرچل کی خاطر خود جھوٹی قسم کھائی۔ اور اُسے بچا کر تمام بدنامی اپنے سر لے لی۔ مگر کیا اُس نے چرچل کی مینشن ہاؤس (MANSION HOUSE) کی تقریر کو اپنے لئے بہت زیادہ محسوس کر لیا؟ کیا اس نے بطور لیڈر آف دی ہاؤس یہ کہا کہ وہ اگلی بحث میں نو آبادیات اور ہندوستان کے متعلق اپنے دل کو کھولے گا؟ اور اس لئے کیا یہی وجہ تھی کہ چرچل نے اُس کا سر بمعہ تکونہ تاج کے گھوڑے پر ٹانگا ہے۔ اور لاش کو محکمہ ہوائی پیداوار کے سپرد کر دینے کے لئے کہا ہے؟ ہمیں دیکھنا اور انتظار کرنا چاہیئے۔ ٹھیک یہی کچھ میں نے ۳۱ مارچ ۱۹۴۲ء میں نئی دہلی میں کرپس سے کہا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لئے وزارت میں اپنی جگہ پر رہنے کا بھروسہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں نے کہا کہ "تم کسی دن شاید استعفیٰ دے دو" اور اب لارڈ پریوی سیل لیڈر دارالعوام اور ممبر جنگی وزارت محکماتی ابگرنگو کا ہیڈ بن گیا ہے۔

(۲۲ - ۱۱ - ۴۲)

نامعلوم میجر

آج ۲۴، نومبر ہے۔ میجر کو چارج سنبھالے تین ماہ گذر گئے ہیں۔ ہم حیران ہیں کہ گورنمنٹ کے حسابات میں اس کی جگہ کہاں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گورنمنٹ نہیں چاہتی کہ کوئی یہ جان سکے کہ وہ کہاں ہے اور اس کا کام کیا ہے۔ اس کی تقرری پونہ میں ہے لیکن اس کی آسامی احمد نگر قلعہ میں ہے۔ بظاہر اکاؤنٹنٹ جنرل فورٹ میں اس بے معلوم تقرری کو تسلیم نہیں کرتا۔ پس بل غالباً پونہ میں بنائے جاتے ہیں لیکن احمد نگر قلعہ سے پونہ تک سفر کے اخراجات کس کے ذمہ ہیں! لیکن میجر کو امپریل بنک پونہ کے نام چیک کیوں نہ دیا جائے۔ جو غالباً بمبئی میں میجر کے حساب میں ایک روپیہ سے کم قیمت پر ایک آنہ فیصدی کٹوتی بھی جمع کیا جائے؟ لیکن مشکل یہ ہے کہ اکاؤنٹنٹ جنرل یقیناً یہ نہیں جانتے ہوں گے کہ اس بارہ میں بمبئی حکومت نے کیا کیا ہے۔

۴۲ - ۱۱ - ۲۳

دندان ساز

ایک اور دلچسپ واقعہ فوجی دندان ساز کے متعلق ہے۔ بڑی کلفت کے بعد اور بمبئی گورنمنٹ کی مداخلت سے حکومت ہند اور چھٹی سے لے کر احمد نگر

دوزرٹ تک کی فوجی حکومت نے ایک دندان ساز کو احمد نگر آکر ہم میں سے ایک کے دانتوں کے پلیٹ لینے کی اجازت دی ہے۔ لیکن اُس تنبیہہ کا خیال کیجیئے جو ہمارے پلیٹ والے دوست کو دی گئی ہے وہ یہ کہ دندان ساز کے دریافت کرنے پر بھی وہ اپنا نام اسے نہ بتلائے۔ ظاہر ہے کہ سپرنٹنڈنٹ کو چند بڑے نازک کام کرنے پڑتے ہیں۔ دندان ساز نے چرخہ چلتا دیکھنے کی غرض سے ہمارے کمروں کی زیارت کرلی ہے۔ اُن ابتدائی باتوں کے لیئے جو ہمارے پیشہ سے غیر متعلقہ ہیں۔ اُن کی بابت ہماری جہالت کتنی زبردست ہے! ایک وکیل ہماری عام دوائیوں کے جزو نہیں جانتا حالانکہ کنبہ کی بوڑھی عورت اُن میں خوب ماہر ہے۔ ایک ڈاکٹر دالون کے ابتدائی امور نہیں جانتا۔ لیکن گاؤں کا کرنام اور گاؤں کا ٹاؤٹ (دلال) انہیں خوب جانتے ہیں۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ کس طرح پیچ کو ڈھیلا کیا جائے یا ڈھکنے کو کھولا جائے۔ وہ چیزوں کو دائیں بائیں کرنے سے انہیں اور بھی تنگ بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے دندان ساز، ڈاکٹر لوگ اور فوجی آدمی روئی کا سوت بنانے اور سوت کا کپڑا بننے کے متعلق کتنا تھوڑا جانتے ہیں۔ جبتک وہ سوت نہ دیکھ لیں اُنکے خیال میں کاتنا ایک ساحرانہ، مجذوبانہ اور توہمانہ تضیع اوقات ہے۔ اور جبتک سوت سے بنا ہوا کپڑا نہ دیکھ لیں اُس وقت تک سوت ان کیلئے بے معنی تاگہ ہے۔ تانا بانا اور بوڈروں نیز بناوٹ کے متعلق اُن کا علم کتنا تھوڑا ہے۔ چرخہ خواہ جیل میں ہو اور خواہ دوڑتی ہوئی ٹرین میں ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے دل بہلایا جا سکتا ہے۔

کاروبار حسب معمول

۲۷ تاریخ کے اخبارات سے ہمیں پتہ لگتا ہے کہ گورنر احمد نگر میں آ گیا ہے۔ لیکن اس نے ہمارے پاس آنے کی تکلیف گوارا نہیں کی اُس نے تحریک سول نافرمانی کے متعلق بڑی مؤثر تقریر یہ کرلی ہے اور ضابطہ اور قانون پر اس کے اثرات بتلا دیئے ہیں۔ یہ بالکل ضروری نہیں تھا کہ وہ اپنی تقریر کی طرف ہماری توجہ کھینچنے کے لئے احمد نگر تک کا سفر کرتا۔ وہ بمبئی سے اپنی براڈ کاسٹ دے سکتا تھا۔ مگر حسب معمول کام ہے جو زیر دفعہ ۹۳ گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ گورنر کو جگہ بہ جگہ لے جاتا ہے۔

(۴۲-۱۱-۲۷)

فرانسیسی بیڑہ ڈبو دیا گیا

آج یہ خبر آئی ہے کہ فرانسیسی بیڑہ کے پیندے میں سوراخ کرکے اسے ڈبو دیا گیا ہے تاکہ جرمنی اس کے پاس نہ آسکے سلطنتوں کے آدمیوں کا خون سفید ہو جاتا ہے۔ اور لشکر اور جنگی بیڑے تیار کئے جاتے ہیں اور یہ بحری فوجیں کبھی کبھی بمعہ افسروں کے سمندر کی تہ میں بھیج دی جاتی ہیں جیسا کہ ایسے ٹولن بندرگاہ میں ہوا! اور ۱۹۱۸ء میں سکیپا فلو (SCAPAFLOW) میں

۲۸-۱۱-۴۲

"گربہ کُشتن اوّل روز"

ہم ادھر اُدھر بہت سی بلّیاں نہیں دیکھتے۔ میرا یقین ہے کہ گزشتہ ۴/۱ ۲ ماہ میں ایک بلّی صرف دوبارہ آئی لیکن ہم نے پہلے ہی دن اُسے ڈرا دیا۔ "گربہ کُشتن اوّل روز" فارسی کی ضرب المثل ہے" یعنی بلّی کو پہلے دن ہی مار دینا چاہیئے"۔ اس ضرب المثل کے پسِ پُشت ایک عمدہ کہانی ہے۔ ایک لڑاکی عورت تھی جو اُس سے شادی کرنے والے ہر اُمیدوار کو خوف زدہ کر دیتی تھی۔ آخر کار ایک شخص نے شادی کرنے کی پیشکش کر دی اور پیشتر اس کے کہ ... لڑاکی عورت اپنے خواص بتلانے کا موقع حاصل کرتی اُس آدمی نے اُسے پہلے ڈرانے کا موقع حاصل کر لیا۔ ایسا ہُوا کہ دُلہن پارٹی کی آمد کے ساتھ ہی اُسے نوکر سے یہ رپورٹ ملی کہ ایک بڑی بلّی بھی اُس کے گھر آئی ہے۔ اُس نے فوراً میان سے اپنی تلوار کھینچ لی اور بلّی کا سر کاٹ ڈالا۔ جس سے دُلہن پر اتنی دہشت چھا گئی کہ ... فوراً حلیم اور اصیل بن گئی۔

امرکنول اور چرچل کی تصویر

لیجیئے ایک اور دلچسپ کہانی سنئے یہ کنگ کے متعلق ہے۔ جب جاپانی بیڑہ

نے گذشتہ اپریل ۱۹۴۲ء میں ہندوستان کے مشرقی ساحل کا دورہ کیا تو ۷۰۰ امریکن کنک اُترے اور جب وہ شہر کے بازاروں میں گھومے تو انہیں چرچل کی تصویر دکھائی گئی جس پر اُس کی تقریروں میں سے ایک تقریر کی کچھ عبارت درج تھی۔ امریکنوں نے تصویر کو لے لیا اور اُسے زمین پر دے پٹکا۔ کئی ایک نے انگریزوں کو دل بھر کر بد دعائیں دیں۔ اُنہوں نے اس خوراک پر لعنت بھیجی جو اُنہیں ملی تھی اور اس لباس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جو انہیں دیا گیا تھا۔ شاید اس سب کچھ کی بہت اہمیت نہ ہو۔ لیکن اُن کا جہاز تباہ ہو گیا تھا اور عام آدمیوں کی مانند وہ ضرور قسمت کو کوستے رہے ہوں گے جس نے انہیں اس جنگ میں پھنسایا اور ساتھ ہی چرچل کو بھی جو روئے زمین پر جنگ کا مجسّم تھا۔ اُن تمام کو کلکتہ بھیج دیا گیا

کیلنڈر

چھٹی میں انسان تاریخوں اور دنوں کو آسانی سے بھول جاتا ہے اور ہم ایسی حالت میں تھے۔ پس میں نے کچھ ۱۰۵ نمبر کے کپڑے دھونے صابن کے گتے کے ڈبے اور کچھ ۱۰۵ کے عدد سے ایک باموقع کیلنڈر تیار کر لیا ہے۔ میجر نے اس کے مددگار ہونے کے باعث اسے خوب پسند کیا ہے لیکن اس کے بھتے

... پر بھی رائے زنی کی گئی ہے۔ کسی چیز کو خراب طریق پر کرنا اسے اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ اُسے اچھی طرح کیا جائے۔ لیکن کتنے تھوڑے آدمی ان چیزوں کو اچھا بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جو ابتدائی ہیں! عجیب اتفاق سے ہیں نے پارسل کو بند کرنے کے ردّی مصالحہ کے گند میں سے دسمبر ۱۹۴۲ء کی کیلنڈر شیٹ دیکھی۔ یہ پارسل آصف علی کا تھا

۲۹ – ۱۱ – ۴۲

پھر باغ

اکیلے جواہر لال کے تردّد سے باغ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔ باقی بغیر کسی اختیار کے بلا تنخواہ نگرانی کرتے ہیں اور شام کو جو دیکھنے والے ہیں۔ اُن میں سے کم از کم ایک نے زیرِ ہدایت پودوں کو پانی دیا اور دوسرے نے گھاس پات کو ہٹایا۔ شانِ صبح نے پھول لانے شروع کر دئے ہیں۔ ہلکے گلابی اور پیلے ہلکے گلابی، سفید اور ارغوانی اور نیلے اور لال رنگ کے۔ کتنے اشتیاق کے ساتھ ہم ان پھولوں کی تلاش کرتے ہیں۔ ان پر نظر ڈالتے ہیں اور ان کی نگرانی کرتے ہیں۔ داروغہ اور سپرنٹنڈنٹ کے دفتر کے پاس کالون (گھاس کا ٹکڑا) بھی تیار کر دیا گیا تھا۔ آن کی آن میں جنگل میں منگل کر دیا گیا ہے۔ لیکن سپرنٹنڈنٹ نے یہ خیال کیا کہ اس کے دفتر کے راستہ کے دونوں طرف جو مربعہ ٹکڑے تیار کئے گئے تھے۔ وہ بلا

ضرورت ہیں۔ اور ہم نے دیکھا کہ ایک کو صبح تک سپرنٹنڈنٹ نے بلا تملت ہٹا دیا ہے۔ مگر ان کا آغاز بھی افسروں کی طرف سے ہی ہوا تھا۔

۳۰-۱۱-۴۲

ریڈیو

ریڈیو واپس کئے جانے کی تجویز ایک بار پھر گورنمنٹ نے رد کر دی ہے

---

۴۲ سال

آج میں اپنا ۴۲ سال (۴۳ واں جنم دن) گزارتا ہوں۔ یہاں کوئی بھی اس بات کو نہیں جانتا۔ لیکن عین موقعہ پر میں نے چند ایک سے اس کا ذکر کیا۔ تو وقت پر نہ بتلانے کے لئے میری خبر لی گئی۔ ریشم اور گوٹے کی بارڈر والی دھوتیوں کو یہاں دوست بہت ناپسند کرتے ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ کہتا ہے کہ ایسے کپڑے بنگال میں صرف عورتیں پہنتی ہیں۔ مگر پُرانی دُنیا کی طرز کے مہاراشٹر میں کنارے زیادہ بڑے اور نمائشی بھی ہوتے ہیں

[۳۰-۱۱-۴۲]

پیمانہ سے مہمان نوازی

لنچ کے وقت مختلف مضامین پر بات چیت شروع ہو جاتی ہے جس سے وقتاً فوقتاً کہانی کہنے والے کی تخیلی قوتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ کہانی بیان کرنا ایک ہُنر ہے۔ ایک آدمی مختصر سی کہانی لکھ بیشک لے۔ لیکن وہ اسے حقیقی پیرایہ میں بیان نہیں کر سکیگا۔ اگر کسی نے ایک کہانی گھڑی ہے تو بھی وہ اُسے بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اسے فی الحقیقت نمایاں اثر پیدا کرنے والی بنانے کے لئے اُسے اس کے چند حصص کے متعلق ایکٹنگ کرنا پڑے گا پچھلی رات ڈنر کے وقت ہمارے پاس کہانیوں کی طغیانی تھی۔ ایک ممبر بیان کر رہا تھا کہ کس طرح اُس کا ایک دوست بہت مہمان نواز تھا اور جونہی کوئی مہمان آتا اُس کا مُنیم، اُس مہمان کے سامنے پنسل اور نوٹ بک رکھ دیتا تاکہ چاول، گیہوں، دال، ساگ اور دودھ وغیرہ وغیرہ جو کچھ اور جتنا کچھ وہ کھانا چاہتا ہے اُس میں لکھدے۔ اگر مہمان پورے طور پر جواب نہیں دے سکتا تو وہ اندازاً ہی لکھ دے۔ ہم میں سے اکثر یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ ہم کھاتے اور پیتے ہیں اُس کا بازاری پیمانہ کیا ہے۔ ہمارا کنٹرول ہمارے معدوں میں اور ہمارے حلق اور زبانوں پر ہے اور جب اچانک ہمیں یہ کہا جاتا ہے کہ ہم اپنی ضروریات کو پاؤنڈ، اونسوں، ڈراموں اور قطروں میں گنیں تو یہ کام ہمارے لئے بہت ہی زیادہ مشکل بن جائے گا۔ تاہم اندازاً

اسٹیمیٹ دینے پڑتے تھے اور مُنیم تیار شُدہ پیمانہ کے مطابق چیزیں بنوایا کرتا تھا اور مہمان پر یہ زور دیا کرتا تھا کہ وہ تمام کو ختم کرے ورنہ چیزیں ضائع ہوں گی اور ایسا نہیں ہونا چاہیئے۔ منیم اس بارہ میں اتنا محتاط تھا کہ اگر وہ اپنی پنسل گُم کر دیتا تو وہ فوراً پنسل منگوانے کے لئے تار دیدیتا۔ اور اُسی وقت گم شدہ کی بجائے نئی رکھ دیتا

آدھا ٹکٹ یا سارا

کہانی کہنا آرٹ ہی نہیں بلکہ متعدی آرٹ ہے ایک کہانی دوسری کے لئے جوش پیدا کرتی ہے۔ اُوپر کی کہانی کے بعد اگلی کہانی کسی کالج کے برہمو سماجی پرنسپل کے متعلق ہے جو حد سے زیادہ وہمی تھا۔ وہ ایک بار اپنی لڑکی کے ساتھ سفر کر رہا تھا جو آدھی رات کو تیرہ سال کی ہوگئی۔ اب وہ کیا کرے؟ اُس نے اُس کے لئے آدھا ٹکٹ لیا تھا۔ باقی ماندہ سفر کے لئے پورا ٹکٹ لینا چاہیئے۔ لیکن وہ دو سٹیشنوں کے درمیان تھا اور گاڑی دوڑی چلی جارہی تھی۔ اس لئے وہ ٹریولنگ ٹکٹ انسپکٹر کو نہ پاسکا۔ پس اُس نے گاڑی کی زنجیر کھینچ دی۔ اور اپنا کیس پیش کر دیا یقیناً ریل والوں کو اس سے فائدہ تھا کیونکہ زنجیر کے ناجائز استعمال کے باعث جو ۵۰ روپے کا جُرمانہ ہوگا وہ لڑکی کے باقی سفر کے نصف زائد کرایہ سے زیادہ تھا جو آدھی رات کو سیانی ہوگئی تھی۔ (۲۲-۱۲-۱)

چھتری بھی

یہی دوست اپنے سفروں میں اپنے اسباب کو تلوانے کا عادی تھا۔ یقیناً یہ ایک بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن وہ اپنی چھتری تلوانے پر بھی بضد رہا کرتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ ایک کیمپ کی چارپائی بھی ریلوے قواعد کے مطابق تولی جاتی ہے گرچہ اس کے سمیت آپ کا اسباب قابل اجازت وزن کے اندر ہے۔ لیکن چھتری کا معاملہ ایک نئی قسم کا خیال ہے۔ یہ نیک برہمن دوست سچ بولنے والا ہے اس لیے جب ایک دوست نے سڑک کے راستے پر اس سے سینما کا راستہ پوچھا تو وہ کچھ دیر ٹھہرا اور پھر کہا، میں راستہ تو جانتا ہوں مگر میں آپ کو بتلاؤں گا نہیں۔ کیونکہ اس سے اس کی ضمیر دکھی ہوتی تھی لہٰذا وہ کسی اور کے سینما جانے میں حصہ دار نہیں بن سکتا تھا۔ سچ مچ باضمیر ہونا اور ہے اور وہمی ہونا اور، ٹھیک جس طرح کہ پاکیزگی اور ہے اور پاکیزہ غیر بردباری اور۔ نیز جوش یا دلسوزی اور ہے اور لاابالی پن اور۔

(۴۲-۱۲-۲)

بہرے آدمی کی دُعائیں

کھانے کی میز پر کہانیاں بکثرت آ رہی ہیں۔ مولانا کے پاس اُن کا کافی ذخیرہ ہے اور اس سے زیادہ عین موقع کے مطابق انہیں کہنے کا ڈھنگ۔ ایک کہانی یوں ہے :-

ایک سوداگر بیمار پڑ گیا۔ اُس کا ایک بہرہ دوست تھا جس نے بیمار پُرسی کرنی چاہی۔ راستہ میں اس نے چند سوالات سوچ لئے اور ساتھ ہی اُن سوالات کے متعلق سوداگر اور اپنے جوابات بھی۔ "مزاج کیسا ہے؟" سوداگر کہیگا "بہتر" اور میں اُسے "بہت اچھا" کہہ کر تسلی دوں گا۔ دوسرا "آپ کیا خوراک کھا رہے ہیں؟" وہ کہیگا "چاول اور دود" اور میں کہوں گا "یہ آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہو"۔ تیسرا "برائے مہربانی یہ بتلایئے آپ کا ڈاکٹر کون ہے؟" وہ ایک کا نام لے گا اور میں یہ کہہ کر ختم کر دوں گا "پرماتما اُسے اپنے کام میں ترقی دے"۔ دوست کے گھر پہنچ کر رسمی مصافحہ کے بعد وہ بیٹھ گیا اور سوال کیا:-

سوال (۱) :- "آپ کیسے ہیں؟"

جواب :- "کیا آپ نہیں دیکھتے میں بخار سے مر رہا ہوں"۔ جواب "بہت اچھا"۔

سوال (۲) :- "آپ کی خوراک کیا ہے؟

"کیا تم کو پتہ ہے کہ میرا گھوڑا کہاں ہے؟"

"ہاں جناب"

"کیا تم مجھے بتلاؤ گے کہ کہاں ہے؟"

"نہیں جناب"

"میں تمہیں ابھی گھوڑ چابک سے ماروں گا"

"بہت اچھا جناب"

اس کہانی نے مجھے ایک اور کہانی کی یاد دلادی جو مجھے میرے دوست کلیسورا ماؤ نے فریڈرک اعظم کے متعلق سنائی تھی۔ فریڈرک کے تین سپاہی تھے۔ افسر صاحبان اپنے معائنوں کے وقت تین باتیں پوچھا کرتے تھے "تمہاری عمر کیا ہے"۔ "تمہاری نوکری کیا ہے"۔ اور "کیا تمہیں خوراک اور کپڑے باقاعدہ ملتے ہیں"؟ اور سپاہیوں کو مندرجہ ذیل جوابات دینا سکھلایا گیا تھا۔

"تمہاری عمر کیا ہے؟" "میری عمر تیس سال کی ہے"

"تمہاری نوکری کتنی ہے؟" "تین سال کی"

"کیا تم کو خوراک اور کپڑے باقاعدہ ملتے ہیں؟" "ہاں دونو باقاعدہ"

ایک دن فریڈرک برائے معائنہ گیا اور حسب معمول انگریزی سپاہیوں سے وہی تین سوالات پوچھے لیکن پہلے دو اُلٹی ترتیب میں۔

"تمہاری نوکری کتنی ہے؟" "تیس سال"

"تمہاری عمر کتنی ہے؟" "تین سال"

"کیا تم بیوقوف ہو یا میں بیوقوف ہوں؟" "دونو باقاعدہ طور پر"

جواب :۔ "خُون اور خاک"۔ یہ اُس سوداگر کا فوری جواب تھا جو پہلی دعائے خیر سے چڑ گیا تھا۔ "وہ آپ کے لئے بہت مفید ثابت ہوں"۔ یہ دوسری دعائے خیر تھی۔

سوال (۳) "۔آپ کا ڈاکٹر کون ہے؟"۔

جواب۔ غصہ سے آگ بگولا ہو کر اُس نے چلا کر کہا "تقدیس مآب ڈاکٹر موت"۔

تب بہرے آدمی نے یہ کہہ کر دعائے خیر دی ؟ میں آپ کو خوشخبری دیتا ہوں وہ بڑا! با اثر پریکٹیشنر ہے اور پرماتما اُس کے نسخوں کو خوب بڑھائے!"

۳ - ۱۲ - ۲۲

حجام کی انگریزی

ایک اور کہانی ایک زمیندار اور حجام کے متعلق ہے۔ زمیندار کو انگریزی نہیں آتی تھی اور حجام تین جملے جانتا تھا۔ "ہاں جناب"۔ "نہیں جناب" اور "بہت اچھا جناب"۔ ایک دن ایک سویلین انگریز کو اُس جگہ جانے کا اتفاق ہؤا۔ اُس نے اپنا کیمپ لگایا اور گھوڑے کو کھونٹے سے باندھ دیا۔ لیکن جانور بھاگ نکلا۔ اس لئے انگریز نے زمیندار کو دیکھ کر اُس سے انگریزی بولنا شروع کر دیا۔ زمیندار انگریزی نہیں جانتا تھا اس لئے اُس نے حجام کو بُلا بھیجا۔ سویلین نے حجام سے پُوچھا۔

بھنسالی

انگریزی اخبارات نے یہ خبر شائع نہیں کی کہ بھنسالی نے اپنی زبان کو اس لئے بند کر لیا ہے اور خاموشی اختیار کر لی ہے تاکہ اس کی زبان سے ایسی ویسی بات نہ نکل جائے۔ لیکن "اندھرا پتر کا" نے اِسے (دسمبر کے پہلے ہفتہ) دیدیا ہے۔ غالباً پڑھنے والوں کو یاد ہو گا کہ بھنسالی وُہی دوست ہے جو دہلی میں مسٹر اینے سے مُلاقات کرنے گیا تھا تاکہ چیمور (صوبجات متوسط) میں جو تہذیب سوز سختیاں کی گئی ہیں اُن کے متعلق اُن کی توجہ کھینچے (بیان کیا جاتا ہے کہ سپاہیوں نے کچھ چیرہ دستیاں کیں اور اس لئے عوام اور سپاہیوں میں لڑائی ہوئی جس میں ایک تحصیلدار اور ایک افسر مارا گیا مقدمہ چلا اور جج نے ۱۹ ملزمان کو سزائے پھانسی اور ۴۲ کو عمر قید کی سزا دی)۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ بھنسالی کو تین گھنٹے کے اندر اندر دہلی چھوڑ جانے کا حکم دیا گیا۔ اور اس کی عدم تعمیل میں اس کی گرفتاری کا حُکم دے دیا گیا۔ چنانچہ اسے گرفتار کر کے وار دھالے گئے۔ لیکن وُہ چیمور چلا گیا۔ جہاں یہ سب واقعات ہوئے تھے اور برت شروع کر دیا۔ پولیس نے اُسے گرفتار کر لیا اور ایک بار پھر سیوا گرام چھوڑ آئی۔ لیکن وہ پھر ۱۲ دن کے فاقہ کے بعد ۴۶ گھنٹے میں ۸۰ میل کا فاصلہ طے کر کے چیمور پہنچ گیا جہاں دوبارہ گرفتار ہو کر ایک بار پھر سیوا گرام چھوڑا گیا۔ اُس نے پھر چلنا شروع کر دیا۔ اور ۵۴ میل چلنے کے بعد

اُسے پولیس نے چوتھی بار گرفتار کر لیا اور پھر سیوا گرام چھوڑ آئی - اب حصول سوراجیہ تک اس کے مون برت (عہد خاموشی) کی خبر آئی ہے۔ عوام کو اس غضب کی شخصیت کے حالات جاننے میں گہری دلچسپی ہوگی۔ بھنسالی گجرات کا رہنے والا ہے۔ ۱۹۲۰ء میں اس نے اپنا کالج چھوڑ دیا اور سابرمتی آشرم میں داخل ہو گیا۔ جہاں وہ گجرات ودیا پیٹھ میں پروفیسر ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اُس نے چالیس دن کا فاقہ کیا اور اس کے خاتمہ پر وہ گھنّو گھپ بن گیا اور اس نے ڈھیروں خوراک کھانا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے ایک اور برت رکھا جس کے ۵۴ ویں دن اُسے سرسام ہو گیا۔ گاندھی جی نے باہر کہیں جاتے ہوئے بھنسالی کے کیس کو ولبھ بھائی کے حوالہ کر دیا پس سول سرجن کو بلایا گیا اور بھنسالی ٹھیک ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کچھ سالوں کے لئے آشرم چھوڑ دیا اور اپنے سفروں میں اس نے خاموشی کا عہد کر لیا۔ اور دونوں ہونٹوں میں سوراخ کر کے ایک دھات کے چھلّے کو اُن سے گزارا۔ اور اس طرح اُنہیں باندھ لیا۔ خوراک کے لئے اس نے آٹے میں پانی ملایا اور تنکے کی نلکی سے اُسے چُوسنے لگا۔ جس طرح نلکیاں آج کل برفانی پانیوں کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ وہ کوپین پہن کر اور اپنی کمر میں موٹی رسّی باندھ کر سیوا گرام میں واپس آ گیا۔ اس نے اپنی خاموشی اور خوراک کو جاری رکھا۔ کچھ دیر کے بعد اُسے بولنے کی ترغیب دی گئی۔ لیکن وہ صرف گاندھی جی سے ہی بولا۔ آہستہ آہستہ اُس کے سُننے والوں کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ اور اس نے اپنی خوراک کی مقدار بھی بڑھا لی

وہ چار پانچ سیر بالائی نکالا ہُوا دودھ اور بیس چپاتیوں کو استعمال کرنے لگا۔ اور اپنا وقت سیواگرام میں بچوّں کو پڑھانے اور سوُت کاتنے میں خرچنے لگا۔

۴-۱۱-۴۲

بلا اجازت گراموفون نہیں مل سکتا

سچیتا (شریمتی کرپلانی) نے گورنمنٹ سے کہا ہے کہ وہ اُس کا بھیجا ہُوا گراموفون ہمیں دیدے۔ مگر گورنمنٹ نے جواب دیا ہے کہ قلعہ کے نظربندوں نے اس کے متعلق کوئی درخواست دی تو وہ غور کرے گی۔ لیکن ابھی تک ان پندرہ دنوں میں کوئی درخواست نہیں بھیجی گئی ہے۔

پھُولوں کی کثرت

باغ اصلی باغ ہے۔ بالکل سبز اور سُنہری ہے۔ بیج پھُوٹ نکلے ہیں۔ اور پوُدے اُگ آئے ہیں کم از کم چالیس بالٹیاں پانی ہر روز دینا چاہیئے۔ اُن تمام پر دو ٹین کے فوآروں سے پانی چھڑکا جاتا ہے۔ شام کو مصروفیت ہوتی ہے۔ قیدی تیس گز کے فاصلہ پر نلکوں سے پانی لاتے ہیں۔ سڑکیں

اور پارک تیار کئے گئے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ گندہ گاہوں کی قطاروں کے کنارے ٹھیک ٹھاک ہو گئے ہیں۔ ایک شاہی گرینڈ ٹرنک روڈ تیار کر لی ہے۔ جو سرکاری بلاک کو متوازی غیر سرکاری بلاک سے ملاتی ہے۔ صرف اب بورڈوں کا لگانا باقی ہے۔ مثلاً "ریڈنگ روم جانے کا راستہ" باغ کے پھول اپنی مہک اور رنگت میں پوری شان کے ساتھ چمک اٹھے ہیں۔ صبح کی شان نے اس سنسان رقبہ کو آبادی کی شکل دے دی ہے اور اسے درخشاں کرۂ ہوائی سے مزین کر دیا ہے۔ گلنار۔ گلابی۔ ستاروں جیسے پھول اور تمباکو کے پودے بہار دے رہے ہیں۔

۱۲-۱۲-۴۲ء

نقب زنی

دو ہفتے گذر گئے جبکہ میجر کی کوٹھی میں دن کے ۹-۱۰ بجے کے درمیان نقب زنی کا واقعہ ہوا۔ ایک سپاہی جسے پہرہ دار شمار کیا جاتا ہے وہ اپنی بیوی سمیت احاطہ میں رہتا ہے۔ وہ ایک بھنگی کو لینے کے لیے صرف دس پندرہ منٹ غیر حاضر ہوا۔ اور اس اثناء میں چوری ہو گئی جس میں چاندی کی پشت والا بالوں کا ایک برش، کلبوت اور ایک حجامت کا برش چرائے گئے۔ پہلی چیز شادی کا تحفہ تھی۔ یہی وہ اشیاء تھیں جو انڈیمان اور سیگاؤں میں جہاں میجر ملازم تھا، جاپانیوں کی دستبرد سے

بچ رہی تھیں۔ ان تمام کا گم ہو جانا واقعی بڑی بدقسمتی تھی۔ سپاہی کو نقصان کا علم تھا مگر اس نے میجر کو نہیں بتلایا۔ حتےٰ کہ شام ہو گئی اور میجر نے اپنے بال ترشوانے کے بعد جب انہیں برش کرنا چاہا تو پتہ چلا کہ اس کی شادی کا تحفہ غائب ہے۔ اس وقت سپاہی نے بتلایا کہ اُسے اس برش اور باقی چیزوں کی چوری کا پتہ نو دس بجے صبح کو لگ گیا تھا لیکن وہ میجر کو بتلا نہیں سکا۔ جب ساڑھے چار بجے پولیس کو اطلاع دی گئی تو پولیس نے بتلایا کہ اس صبح ایسی نقب زنی کی کئی وارداتیں ہوئیں۔ ظاہر ہے ایک پارٹی اس کام میں لگی ہوئی تھی۔ چودہ دن کے بعد چوری کا کوئی سراغ نہیں مل سکا ہے۔ اصلی تکلیف یہ ہے کہ مسز سنڈیک اس خبر سے قدرتی طور پر گھبرا اٹھے گی اور یہ خیال کرے گی کہ بدقسمتی برابر ہمیشہ سے ان کا پیچھا کر رہی ہے۔ بہتر ہے کہ اُسے ابھی نقصان کی بابت مطلع کر دیا جائے بجائے اس کے کہ میجر کرسمس میں بمبئی جا کر اُسے بتلائے۔

۱۹-۱۲-۴۲

دو قومیں

اخبارات کے ذریعے یہ خبر ملی کہ راجگوپال آچاریہ نے اپنے اس اعتقاد کو ظاہر کر دیا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں۔ بظاہر راج گوپال آچاریہ نے سُوئی، کانٹا اور دانہ تینوں کو نگل لیا ہے لیکن والسرائے نے

نے ۱۸ کو جو تقریر ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کے سامنے دی اُس میں ہندوستان کے جغرافیائی اتحاد کا ذکر کیا۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر اسرائے اور راجگوپال آچاریہ دو مخالف مقاصد کا مظاہرہ کریں۔

چندرمتی یا میٹویا

کبھی کبھی ہم ہرشچندر اور ان کی استری کا ذکر کیا کرتے تھے جو شمالی اور مغربی ہندوستان نیز بنگال میں چندرمتی کے نام سے مشہور ہیں جیسے کہ اندھرا میں ملکہ سیٹویا کے نام سے۔ یہ فرق کیسے پڑ گیا ہے؟

موسم

جب ہم چھ موسموں کا ذکر کرنے لگے تو ایک اور بہت چھوٹا سا فرق ظاہر ہونے لگا۔ شمالی ہندوستان والوں کے موسم وہی ہیں۔ لیکن ان کا موسم بسنت پھاگن اور چیت وغیرہ نہیں، یہ سب طرف سے صرف ایک ماہ کا فرق ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے مہینے پورنی منتہ ہیں۔ اما دسینتہ نہیں۔

پرندوں کا کوچ

ان چار مہینوں میں ہم کوئل کی کُوکُو سنتے رہے ہیں۔ صرف دو ہفتوں یا بیس دنوں سے ہم نے اسے نہیں سُنا۔ لیکن کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ کوئل موسم بسنت کا پرندہ ہے؟ میں نے اتفاقیہ یہ رائے ظاہر کردی کہ بہت اغلب ہے کہ سال کے ایک حصّہ میں یہ پرندہ امریکہ چلا جاتا ہے اور موسم بسنت میں ہندوستان واپس آجاتا ہے۔ شاید جہاں جہاں بسنت جاتا ہے ساتھ ہی یہ پرندہ بھی۔ اس پر ہمارے دوست (پنت جی) کو ایک کہانی یاد آگئی۔ وہ یہ کہ خیال کیا جاتا ہے کہ مُرغابیاں ہر سال روس رسائبیریا ؟ چلی جاتی ہیں اور اپنے موسم میں ہندوستان واپس آجاتی ہیں اور ان کوچوں میں ایک ہی راستہ اختیار کرتی ہیں۔ انہی منزلوں پر ٹھہرتی ہیں اور اُسی وقت اپنے منزلِ مقصود پر پہنچ جاتی ہیں ایک دن کی بھی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ غالباً ہم تمام نے کلکتہ کے کبوتروں کی بہادری کے متعلق سن رکھا ہے جنہیں کلکتہ سے مدراس لے جایا گیا۔ لیکن جب انہیں باہر چھوڑا تو سب کلکتہ واپس آگئے۔ نیز اُن خونی شکاری کتّوں کی بابت بھی جو آدمیوں اور گیدڑوں کی چھپنے کی جگہوں کی بُو لے لیتے ہیں لیکن مرغابیوں کی اس کہانی سے ہمارا سائنس نکلا جاتا ہے۔ کیا ایسے فصلی پرندے شاید اور کتنے ہی نہ ہوں گے جن کی کیفیت مُرغابیوں کی سی ہو؟

نیا دُمدار ستارہ

نیا دُمدار ستارہ جس کی بابت ۱۹ دسمبر کے اخبارات میں ذکر کیا گیا ہے۔ اُس کا نشان احمد نگر کے آسمانوں پر نہیں مل سکتا۔ ہم نے کاسٹر اور پولکس (castor & pollux) کے پڑوس میں جو ہمارے ہندوستانی مدھونم ہیں آسمانوں کی تلاش کی ہے لیکن جس دُمدار ستارہ نے ۲۲-۸ رجی ایم ٹی) ظاہر ہونا تھا اور جس میں ہمارے پُرانے وقت کے مطابق پانچ گھنٹے اور نئے وقت کے مطابق چھ گھنٹے جمع کرنے ہیں وہ ہمیں معلوم نہیں ہو سکا۔

جغرافیائی اتحاد

کیوں وائسرائے نے یکایک اپنی خاموشی توڑ ڈالی ہے؟ مسولینی نے بہر حال یہ کہا ہے کہ اُس نے اپنی ۱۸ مہینوں کی خاموشی اس لئے توڑی کیونکہ اس کے پاس یہ باور کرنے کی وجوہات تھیں کہ اطالوی لوگ اس کی بات سُننا پسند کریں گے۔ لیکن کیا اس قسم کا بھی کوئی اشارہ موجود ہے کہ ہندوستان کے لوگ لارڈ لنلتھگو کو سُننا چاہتے ہیں؟ مگر ایسوسی ایٹڈ چیمبر آف کامرس کی سالانہ تقریب پر تقریر ضروری تھی۔ جس میں حالاتِ حاضرہ، سکہ، سکہ زنی

تجارت اور صنعت و حرفت کے متعلق زبردست اعلان ہونا تھا۔ اس وقت جغرافیائی اتحاد کے نکتہ پر اتنا زور دینے سے وائسرائے کا مطلب کیا ہے؟ حالانکہ شروع سے آج تک اس نے پاکستان کی تکرار کے متعلق چشم پوشی اختیار کئے رکھی ہے گرچہ کافی مکاری سے اُس نے کبھی اس کی بابت ایک بھی لفظ نہیں کہا تھا۔ کیا یہ ٹھیک ہے کہ ایک سکاٹ (وائسرائے سکاٹ لینڈ کا ہے) کے دل کا پتہ لگانا آسان نہیں ہے؟ لیکن راجگوپال آچاری اس سے گھبرا گیا ہے مگر اس کا ردِ عمل بھی ایک گونہ "افسوسناک دل لگی" ہے۔ شاید اُسے ڈر ہے کہ کہیں آل پارٹی لیڈروں اور مسٹر جناح کے مابین سمجھوتہ کو برباد کئے جانے کا ارادہ ہے! ہمیں انتظار کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے۔

بھاسکر آچاریہ

کئی لوگ حیران ہوتے ہیں کہ کیوں ہمارے بزرگوں نے تمام علم نظم کی شکل میں کتابوں کے اندر بند کیا ہے؟ اس کی وجہ کے لئے آپکو پلیٹو (Plato) کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس نے تعلیمی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے چند طریقوں کا ذکر کیا جو وِل ڈیورینٹ (WILL DUrant) کی کتاب موسومہ "داستان فلسفہ" کے مندرجہ ذیل اقتباس میں درج ہیں۔

"سُر اور تال روح اور جسم دونوں کو خوبصورتی اور صحت عطا کرتے ہیں۔

لیکن بہت زیادہ راگ اتنا ہی خطرناک ہے جتنی بہت زیادہ کسرت۔ محض کسرتی ہونے کا مطلب قریباً جنگلی ہونے کے ہے۔ اور محض راگی ہونے سے مراد اچھائی کی حد سے بڑھ کر نرم اور رقیق القلب بننا ہے۔ دونوں کا ملاپ ضروری ہے۔ نہ ہی راگ خالی راگ ہونا چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ کبھی کبھی یہ ریاضی، تواریخ اور سائنس کے غیر مرغوب مضامین کے لئے دلکش صورتیں مہیا کرے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ایک نوجوان کے لئے یہ دقیق مسائل نظم کے ذریعے کیوں سہل اور سیدھے نہ ہو جائیں۔ اور کیوں راگ سے خوبصورت نہ بن جائیں؟ پس یہی وجہ تھی کہ ہندوستان میں ریاضی، علم ہیئت، فلسفہ اور تاریخ کو نظم کا جامہ پہنایا گیا تھا۔ جس سے طالب علم انہیں پسند بھی کر لیتا تھا اور ان پر عبور بھی حاصل کر لیتا تھا۔

راگ

گراموفون کے نقائص خواہ کتنے ہی ہوں ایک بات یہ ضرور ظاہر کرتا ہے وہ یہ کہ یہ ملک کے راگیوں کو آپ کے سامنے عین سلسلہ کے ساتھ پیش کرتا ہے تاکہ آپ ان کے راگوں کا فرق معلوم کر کے موسیقی کا مطالعہ کر سکیں مہاراشٹر سے پٹوردھن اور راناڈے کے ریکارڈوں کو لیجئے جن کی طرز عالمِ بالا کی ہے جہاں ٹمپریچر میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ سہگل یا کریم خاں کو لیجئے جن کی

طرز نکتہ بازوں کی سی ہے۔ جیوتکا کو لیجئے جس کی طرز انگور کی بیل کی سی ہے۔ یا سندرم اور سرینواس کو لیجئے جن کی طرزیں سنگلاخ اور دشوار ہیں۔ ان تمام کے درمیان ہم منوہر بروے۔ شانتا اپٹے اور دیوکارانی کو مگن ہو کر سنتے ہیں وہ ریکارڈوں میں کسی قسم کی راہ و رسم کی پابندیاں یا مزاج کی خصوصیتیں نہیں دکھلاتے

راگ اور انگریز طلباء

اس سلسلہ میں یہ جاننا دلچسپی کا موجب ہے کہ انگریز طالب علم راگ سے مس رکھتا ہے یا نہیں اور اگر رکھتا ہے تو وہ جرمنی، اطالیہ اور روس کے طلباء سے مقابلہ میں کیسے اترتا ہے۔ ان چار ممالک میں سے روس موسیقی اور گیت میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے۔ وہاں دیہاتی گیت بہت ہر دلعزیز ہیں۔ جرمنی میں راگ کا مطالعہ کیا جاتا ہے اور اس کے دیگر کمالات کی مانند اسے بھی فوجی طریق پر ڈھالا گیا ہے۔ اٹلی میں سازنہ کے ساتھ راگ کی بجائے زبانی راگ سے زیادہ رغبت ہے۔ انگلستان کی بابت یہ ضرور کہا جائے گا کہ وہ بحیثیت مجموعی اس بارہ میں پسماندہ ہے لیکن سکولوں اور کالجوں میں کالج کی زندگی کے جزو کے طور پر بلا شبہ گروپ کے گیت گیتوں کی شکل میں گائے جاتے ہیں۔ ہر ایک تعلیمی ادارہ کے اپنے گیت ہیں اور آرکسٹر

گانا بڑا ہر دلعزیز ہے۔ ہندوستان میں یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ سکولوں اور کالجوں میں راگ کے لیئے کوئی کرۂ ہوائی نہیں ہے۔ کسی ادارہ کے خاص اپنے گیت نہیں ہیں۔ ہو بھی کیسے سکتے ہیں؟ شاید طلباء کے دلوں میں جد وجہد ہے۔ وہ سرکاری خیر خواہی کے گیتوں کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن حبّ الوطنی کے گیتوں کے لیئے کوئی اُن کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ غلام قوم کی نہ کوئی سیاست ہوتی ہے اور نہ ہی گروپ راگ۔

کلکتہ پر بم باری کی گئی

وائسرائے کا دہلی پہنچنا اور کلکتہ پر بم باری کیا جانا دونوں خبریں آج ۲۰ تاریخ کے اخبارات میں شائع ہوئی ہیں۔

۲۲ - ۱۲ - ۴۲

چین کے نام جواہر کا پیغام

اہالیان چین کے نام جواہر کے پیغام کی ہو بہو نقل جو اس نے چین کے ایک نوجوان کو دیا ۲۰ تاریخ کے "امرت بازار پترکا" اور ۲۰ تاریخ کے "بمبئی کرانیکل" میں شائع ہوئی ہے۔ ۲۸ جولائی ۱۹۴۲ء کے اخبار

"لائف" کے کالموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پیغام چین اور امریکہ میں نہیں جانے دیا گیا۔ اور اس کے اخبار کے ایڈیٹر نے پہلے اسے ۱۲ نومبر کے "امرت بازار پترکا" میں دیکھا۔

نامدھاری سکھ

شام کلب کی بات چیت اگنیش تو ما، نیر تھ اگنی ہوتر یز کے مضمون پہ چل پڑتی ہے اور اس طرح یہ واقعہ یاد آجاتا ہے کہ جو اگنی آگ، لدھیانہ کے نزدیک بھینی صاحب میں نامدھاری سکھوں کے ہون کنڈ میں جلتی ہے۔ جنہیں کوکے بھی کہتے ہیں۔ وہ ۱۸۶۲ء سے جل رہی ہے۔ بھائی صاحب نے لدھیانہ میں ہمیں بھینی صاحب کی دعوت دی۔ نامدھاری سو سال سے نہایت ہی مکمل عدم تعاونی ہیں۔ وہ گورنمنٹ کی نوکری نہیں کرتے۔ انگریزی کالجوں میں نہیں پڑھتے۔ ریل گاڑی میں سفر نہیں کرتے اور بدیشی کپڑے کا تو کہنا ہی کیا کارخانہ کا کپڑا بھی نہیں پہنتے۔ وہ شروع سے لے کر اب تک ہاتھ کا کتا ہوا اور ہاتھ کا بنا ہوا کھدر پہنتے رہے ہیں۔ انہوں نے برطانوی حکومت کے خلاف بغاوت کھڑی کی تھی لیکن انہیں دبا دیا گیا۔ وہ گھوڑوں اور مویشیوں کے شائق ہیں۔ بھائی صاحب کے دو لڑکے دو زبردست گھوڑوں پر سوار ہو کر ہمارے استقبال کے لئے اپنے گاؤں سے باہر آئے۔ اُن کا گاؤں

بڑا صاف سُتھرا ہے اور اس کی بناوٹ کا نقشہ بہت اچھا ہے۔ جلسہ پر جو لوگ اکٹھے ہوئے وہ نہایت منضبط تھے اور کمال کی خاموشی چھائی رہی۔
وہ راگ کے مُشتاق ہیں۔ چھوٹے لڑکے وینا اور طبلہ بجاتے رہے ہیں۔ گئوؤں کو خوب کِھلایا پِلایا جاتا ہے۔ اور اُن میں سے دو یا تین ہر روز تیس سیر دودھ دیتی تھیں۔

کرسمس

اخبارات کرسمس کی تیاریوں کی خبروں سے پُر ہیں۔ انگلستان میں آقا نوکروں کو ہوٹلوں میں کھانا کِھلاتے ہیں۔
اور یہ خدمت مہمان کرتے ہیں جنہیں دو پینیاں فی کس کے حساب سے دی جاتی ہیں۔ تاہم مالک اور نوکر کے مابین جو تمیز ہے وہ دُور نہیں ہو جاتی حالانکہ جرمنی میں ایسی تمیز بالکل نہیں ہے۔ وہ تمام گرجوں کو جاتے ہیں۔ دیہاتی اور شہری دونو جگہوں کے گرجوں میں بڑے آدمیوں کے لئے ایک جگہ میں نشستیں مخصوص ہوتی ہیں اور چھوٹے لوگ پچھلے بنچوں پر بیٹھتے ہیں۔ روسی گرجوں میں نشستیں ہوتی ہی نہیں اور ہر ایک کو لگاتار دو گھنٹے کھڑا رہنا پڑتا ہے۔

اکبر۔ علم کا مُربّی

مذہب پر بات چیت کرتے ہوئے ہم اکبر کے زمانہ تک پہنچ گئے جس کی چوتھی صد سالہ تقاریب حال ہی میں ختم ہوئی ہیں۔ اکبر صرف اپنے نام کے دستخط ہی کر سکتا تھا۔ لیکن اس کی شخصیت کمال کی تھی اور اُس کا نظم و نسق بینظیر تھا۔ اس کی گھریلو زبان اور شاہ عالم تک اُس کے جانشینوں کی گھریلو زبان ترکی تھی۔ اس نے تھوڑی سی عربی سیکھنے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ اکبر نے اپنے بیٹوں کو جیسوٹ فرقہ کے پرہتوں سے اچھی تعلیم دلوائی۔ یہ پروہت اکبر کے دربار میں چھپا ہوا قرآن لائے تھے۔ یہ حیرانی کی بات ہے کہ اکبر جو دستی مشقت میں بڑی گہری دلچسپی رکھتا تھا اور خود اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے کام کرتا تھا۔ اُس نے چھاپہ خانہ کا کوئی انتظام نہیں کر رکھا تھا۔ یہ روم کا پوپ تھا جس نے جیسوٹ مشنریوں کے لئے قرآن کو ترکی اور لاطینی زبانوں میں چھپوایا۔ کہا جاتا ہے کہ نپولین اپنے عربی اعلانات کو اٹلی میں چھپوا کر مصر میں بانٹا کرتا تھا۔

رُوسی گندم

روس ایک وقت اپنی گندم ریگا سے لیا کرتا تھا لیکن اب دُنیا کی کُل گندم کی چوتھائی خود روس پیدا کرتا ہے اور اس چوتھائی کا تقریباً چوتھا حصہ یوکرین میں پیدا ہوتا ہے۔ لینن گریڈ کے عجائب خانہ میں تیس ہزار اقسام کی گندم موجود ہے۔

ڈارلان قتل کیا گیا

جنگ کی چوتھی کرسمس ختم ہو چکی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ غمناک خبر ڈارلان کے قتل کی ہے۔ اور جس طریق سے ریوٹر کی ایجنسی نے اس خبر کی نشر کی اُس نے ہمیں اور بھی مغموم بنا دیا۔ کیونکہ یہ کوئی بڑی اچھی بات نہیں ہے کہ جب تک کوئی انسان زندہ ہو تو اس کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ لیکن جب وہ قتل ہو جائے تو بعد میں اس کی مذمت کی جائے۔

۴۲ - ۱۲ - ۲۴

حصول بالجبر

یہ معلوم کرنا دلچسپی کا موجب ہے کہ جس مجسٹریٹ نے ۱۹۲۲ء میں جواہر لال کو ۱۹۲۱ء میں پرنس آف ویلز کے بائیکاٹ کی مہم کے سلسلہ میں قید سے رہائی کے بعد سزا دی تھی وہ اس کا کالج کا ساتھی غالباً ہم جماعتی تھا۔ اس کا نام مسٹر نوکس تھا۔ اس نے پکٹنگ کے جرم میں سزا دی تھی جسے بعد میں "حصول بالجبر" کہا گیا! تب اسے ۱۸ ماہ کی سزا دی گئی۔ مسٹر نوکس الہ آباد ہائیکورٹ کے جج سر جارج نوکس کا لڑکا تھا جو لگاتار چالیس سال بغیر ایک دن کی چھٹی کے بنچ پر مامور رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ گاڑی کا میل چوک جانے کے باعث اسے ایک دن کی اتفاقیہ رخصت لینی پڑی تھی۔ ان دنوں انگلستان اور امریکہ کی مانند جہاں ۸۰-۹۰ سال کی عمر تک ہائی کورٹ کے جج کام کرتے تھے ہندوستان میں بھی ہائی کورٹ کی ججی کے لئے عمر کی کوئی میعاد نہ تھی۔ امریکہ کا جج ہول مینر ۹۲ سال کی عمر تک جج بنا رہا اور ہیلسبری ۸۰ سال کی عمر تک۔ پریوی کونسل کے جج زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے تھے جو بڑی پختہ عمر تک کام کرتے تھے جن کی کبھی کبھی لمبی ڈاڑھیاں، خمیدہ کمریں اور نیچے جھکے ہوئے چہرے ہوتے تھے۔ ہیلسبری نے ایک بار فیصلہ کیا کہ وہ نوکری چھوڑ دے گا اور بار سے لکھ بھی دیا کہ وہ رخصتوں کے بعد کام پر نہیں آئے گا۔ لیکن عدالت کے دوبارہ

کھلنے کے عین ٹھیک وقت پر وہ اپنی جگہ آموجود ہوا اور کہنے لگا چونکہ اس کی بیوی دن کا کچھ حصّہ اس سے آزاد رہنا چاہتی تھی اس لیے اُسے کچہری میں دھکیل دیا۔ سر جارج نوکس جج ہائی کورٹ الہ آباد کی بابت کہا جاتا ہے کہ اپنی چالیس سالہ ججی میں وہ کم از کم دس سال کام کرنے کے اوقات میں سوتا رہا اور جاگ پڑنے پر اپیل کو خارج کرتا رہا۔ لیکن ظاہرہ طور پر نیند سے بیدار ہونے کے بعد اُس نے کبھی سیاہی کی بوتل میں اپنی چیچی نہیں ڈبوئی۔ جس طرح مدراس کا ایک جج مسٹر وِلیس اس صدی کے ابتدائی سالوں میں کیا کرتا تھا۔ تقریباً یہی وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان میں ججی کے لئے ۶۰ سال کی عمر کا تعین کیا گیا۔

مذاق کی حِس

خواہ جج ہو خواہ مجسٹریٹ، خواہ وکیل ہو خواہ ڈاکٹر، مذاق کی حِس جس حد تک اِنسان کو زندگی اور پیشہ میں کامیاب بنا دیتی ہے اتنی حد تک عقل اور ضمیر پرستی نہیں بنا سکتیں۔ امریکہ والوں میں مذاق کی فراوانی ہے اور پارٹیوں اور اجتماعوں پر وہ خوب اُونچا اور لمبا ہنس سکتے ہیں۔ اور وہ حیران ہو کر پُوچھتے ہیں کہ انگریز کیوں نہیں ہنستا۔ زیادہ سے زیادہ وہ مسکراتا ہے۔ غالباً اس مخصوص علامت کا باعث یہ ہے کہ جہاں برطانیہ کلاں میں برطانوی

آبادی گنجان ہے وہاں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں آبادی پھیلی ہوئی ہے' ایک امریکن کے پاس کافی زمین ہے اور اُس کے سامنے کُشادہ مُلک ہے۔ جو زندہ دلی کو فروغ دیتا ہے جبکہ برطانیہ کی گنجان آبادی سنجیدگی اور مشقت کے لئے مجبور کرتی ہے۔ اور پُوری ہنسی کے لئے بھوڑا وقت چھوڑتی ہے۔

کیکس

کرسمس سے بہت عرصہ پہلے ہمارے دوستوں نے کیک کی تیاری میں اپنے آپ کو مصروف کر لیا ہے اور جس میں انہیں غضب کی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جیل کی زندگی تبدیلیوں کے پوشیدہ وسائل کو باہر لے آتی ہے۔ کیونکہ انہیں محدود ساز و سامان کے ساتھ گذارہ کرنا پڑتا ہے لیکن گجراتی اور انگریزی زبان میں کھانے پکانے کے مضمون پر ایک کتاب نے بلا شبہ ہمیں تیاری کی تکمیل میں امداد دی ہے۔ نیز جیل میں ہم کھانے پکانے سے متعلقہ اخباری کالموں کو جتنے غور سے پڑھتے ہیں اتنے جیل سے باہر کبھی نہیں۔ اور اس کھانے پکانے کے مضمون کے ساتھ تاش، شطرنج، معمے، قینچی لگے نشانات، ستاروں کے سے نشانات، اور مختصر افسانوں کے کالم بھی۔

مرحوم سر سکندر

سر سکندر کی وفات پر یہاں تمام نے دلی افسوس منایا ہے۔ بالآخر وہ دل کا بُرا نہیں تھا۔ اُس نے پنجاب کی تمام پارٹیوں کو ملائے رکھا۔ وہ دیوانہ فرقہ پرست نہ تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے اتحادوں میں تبدیلی کرتا رہتا تھا لیکن یہ سب وقت ٹالنے کے لئے تھا۔ اُس کی نیت کبھی بُری نہ تھی۔ وہ نقصان پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو یقیناً تھوڑے ہی عرصہ میں وہ خاکساروں سے پابندی اُٹھا لیتا۔ وہ جاٹ خاندان سے تھا۔ سر چھوٹو رام کا باپ اُس کے دادا کا دیوان تھا۔ وہ خاندانی گانٹھیں پنجاب وزارت میں اور بھی مضبوط ہو گئی ہیں۔ سر سکندر کا جانشین کون ہو گا؟ کیا نُون مرکزی لیجسلیچر سے صوبجاتی لیجسلیچر میں آ جائے گا؟

(۴۲ - ۱۲ - ۲۷)

سانپ اور افیم

خالی اوقات میں رینگنے والے جانور اور سانپ قدرتی طور پر گفتگو کا دلپسند موضوع بنتے ہیں۔ اگر کوئی چیز ان کا مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ صرف بھوت ہی ہیں۔ پرندوں کا ذکر کرنا کلچر کی نشانی ہے لیکن مسئلہ ارتقا کی رُو

سے اُن سے عین پہلے پیشروؤں کا یعنی رینگنے والوں کا چرچا بیزار کرنیوالا ہے۔ بہرحال کوبرا ہندوستان میں عبادت کی چیز ہے۔ برما کی حد پر جو پہاڑی خطہ ہے اُس میں ناگوں کی ساری دُنیا ہے جیسے دوسری جگہ پر یعنی میسور میں وِدُوں اسود تھا۔ اور بیپل کے زمانہ پانڈووں اور کوروؤں کے چچا بڑے سنت وِدورا کے زمانہ سے ملایا جاتا ہے۔ پتھر پر کندہ ناگوں کی بے شمار تعداد ہے جو اُن کے پُوجنے والوں نے اپنی منتوں کو پُورا کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔ شِو جی کی گردن کے ارد گرد کوبرا ہے۔ وِشنو سانپ کی کنڈلیوں پر بٹھلایا گیا ہے۔ آخری شیش نے تمام کائنات کا بوجھ اُٹھایا ہوُا ہے۔ مالابار میں لوگ کوبروں کو نہیں مارتے۔ جو اس طرح اُن کے بڑے صحنوں میں پھرتے رہتے ہیں۔ جس طرح باقی ہندوستان میں نیولے یا چوہے۔ کہا جاتا ہے کہ افیم کھانے والوں پر کوبرا کا زہر اثر نہیں کرتا۔ بلکہ اُلٹا جب انہیں افیم نہیں ملتی اور اس لئے وہ بے حس ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی ٹانگوں اور بازوؤں میں درد ہو جاتا ہے۔ تو وہ ایک ناگنی کی زبان پر سے جسے وہ اس مطلب کے لئے پالتے ہیں ایک لُقمہ رچتی ابھر لیتے ہیں۔ جس سے زہر ان کے بدن میں سرایت کر جاتا ہے اور انہیں افیم کی پہلی منزل کا اثر دِکھلاتا ہے۔

(۳۰ - ۱۲ - ۴۲)

ندیا کی مہمان نوازی

جب مختلف صوبجات کے لوگ ایک جگہ اکٹھے ہوتے ہیں تو گفتگو عموماً (۱) ہر صوبہ کی نامکمل قومی زندگی اور (۲) ہندوستان کی بے شمار ذاتوں اور فرقوں کے مذاقیہ پہلوؤں پر ہوتی ہے۔ ہم میں سے ایک اپنے صوبہ کے ضلع ندیا کی ایک کہانی بیان کر رہا تھا۔ جہاں ایک دوست ریلوے سٹیشن پر جا کر اور اپنے واپس جانے والے مہمان کو اچھی طرح گاڑی میں بٹھلا کر باتیں کرتا رہتا ہے۔ اور جونہی کہ انجن سیٹی مارتا ہے اور پھپ پھپ کرتا ہوا پلیٹ فارم سے نکل جاتا ہے تو میزبان دوست چلتی گاڑی میں اپنے مہمان دوست کا ہاتھ پکڑتا ہے اور خود بھاگتا ہوا کہتا ہے "اوہ! اگر ایک دن آپ اور ٹھیر جاتے تو کیسی اچھی بات ہوتی"۔ اسے کہاوت کے طور پر ندیا کی مہمان نوازی کہتے ہیں۔ اندھرا میں کیا رواج ہے؟ کیسی گھبراہٹ پیدا کرنے والا سوال تھا۔ آگے میں نے جواب دینا تھا "اوہ! اندھرا میں ہم جو کچھ کہتے ہیں۔ وہی ہمارا مطلب ہوتا ہے۔ جب کوئی مہمان آجاتا ہے تو ہم اُسے جانے نہیں دیتے اور جہاں تک ہو سکے اُسے روکے رکھتے ہیں۔ لیکن جتنا دباؤ ڈالنا ہوتا ہے وہ گھر سے روانہ ہونے سے پہلے ڈال لیا جاتا ہے۔ لیکن کاروباری لوگوں کی ایک جماعت ہے' بلاشبہ ایک ایسی جماعت جس کی بابت کہا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے ہم جماعتوں کو کھانے کی دعوت دیتے ہیں تو وہ آپ کے ہاتھ کی تلی اپنے

ہاتھوں سے پکڑ لیں اور کہیں کہ تمہیں ضرور آنا ہوگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ "تم ہرگز نہ آؤ" لیکن اگر وہ آپ کی کہنی کو ایک ہاتھ سے اور تلی کو دوسرے ہاتھ سے پکڑ لیں اور دعوت کے لئے زور دیں تو اس سے مراد یہ ہے کہ تمہیں ضرور آنا ہوگا۔ اسی جماعت کا ایک فرد جو ۱۹۳۰ میں ہمارے ساتھ قید تھا اور جو طبعاً مذہبی تھا اور جیل میں خوراک کو اُس وقت تک چھونے کو بھی تیار نہ تھا جب تک اس کا دیوتا بھی اُس کے ساتھ قید ہو کر اُس کی عبادت اور خوراک کی حصہ بندی کو قبول نہ کرلے (نہ ہی اس میں کسی قسم کی دقت تھی کیونکہ صرف ایک خوراک کی مانگ تھی، دو کی نہیں) اس نے جب اپنے گاؤں کا دلی پر صبح آٹھ بجے اطلاع دیتے ہوئے ہمیں بتلایا "مجھے افسوس ہے کہ یہاں ابھی آپکی صبح کی خوراک کا وقت نہیں آیا ہے۔ لیکن جس وقت تک آپ بیزواڈہ اپنی جگہ پر پہنچتے ہو اُس وقت تک بعد دوپہر کی دیری ہو جائیگی۔ پس کیا آپ مجھ سے وعدہ کر و گے اور اپنی تلی کو میری تلی پر رکھ کر) قسم اٹھاؤ گے کہ آپ اپنے راستہ میں اونگول ریلوے ہوٹل پر اپنا کھانا کھاؤ گے" اس نے بتلایا کہ یہی مہمان نوازی کا وہ طریق ہے جس پر اس کی ذات کے لوگ اپنے مہمانوں سے برتاؤ کرتے ہیں۔ لیکن کہانی کا سارا لُطف چلا جاتا ہے جب اُسے کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ مذاق چہرہ کے اظہار، جسم کے پیچ و خم اور ہاتھ سے ہاتھ ملانے میں ہے جسے دیکھا ہی جاسکتا ہے لکھا نہیں جاسکتا۔

گاؤں کی پہیلیاں

ہر صوبہ کی اپنی خصوصیات ہیں۔ صوبجات متحدہ میں کچھ گاؤں بلاشبہ دوسرے صوبوں کی گاؤں کی مانند جھگڑالو ہیں اور جب کوئی اجنبی گلی کوچوں سے گذرتا ہے تو گاؤں کے لوگ گلی کی ساری چوڑائی پر ایک چھڑی رکھ دیتے ہیں۔ اور اگر وہ اجنبی اس کو عبور کر جاتا ہے تو وہ لڑ پڑتے ہیں کیونکہ اجنبی نے عبور کرنے کی جرأت کیوں کی لیکن اگر وہ بالکل اس سے علیحٰدہ ہو کر گذرے تو وہ کہتے ہیں کہ تم بڑے حصے کو چھوڑ کر پہلو کے راستہ سے کیوں جاتے ہو؟ اندھیرے کے لوگ ایک اجنبی سے جس گلی سے وہ گذر رہا ہوتا ہے۔ اُس کے گاؤں کا فاصلہ پوچھا کرتے ہیں۔ وہ جواب دیتا ہے دو کوس (میل) تب وہ اگلی گلی میں چلے جاتے ہیں اور اسی سوال کو دوہراتے ہیں۔ اجنبی بھی وہی فاصلہ دہرا دیتا ہے۔ پھر وہ اس سے یہ کہہ کر لڑتے ہیں یہاں سے بھی ایک کوس اور وہاں سے بھی ایک کوس! واہیات! ایسا ہو نہیں سکتا! اگر گاؤں کے بزرگ پائلوں پر بیٹھے ہوں یا گاؤں کے بڑ کے درخت کے نیچے اور ایک اجنبی کھلی چھتری کے ساتھ گذر جائے تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔

توہمات

حیرانی ہے کہ کس طرح کئی توہمات ملک کے طول و عرض میں آسام سے دوارکا اور راس کماری سے ہمالیہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہفتے کے مبارک دن، دن کے مبارک گھنٹے، نامبارک گھڑیاں بالخصوص تیوہار اور تقاریب، عورتوں کی تلسی پوجا، وگھو نوارکی بطور رکاوٹوں اور مخالفوں کے دیوتا کی پوجا، رام اور کرشن کا عقیدہ، کورُوکشیتر کی یاد، ارجن کی تعریف، دروپدی اور سیتا کی شان یہ سب کی سب سارے ملک میں بالکل عام ہیں۔ لیکن خیال کیجیے جب کھانے کے دوران میں خوراک غلطی سے دوسری طرف چلی جاتی ہے تو سخت کھانسی شروع ہو جاتی ہے۔ تو پاس بیٹھے ہوئے کہتے ہیں "اوہ! کوئی تمہیں یاد کر رہا ہے۔ تمہاری ماں یا عورت!" اگر ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک یہ یقین عام ہو جائے تو اس کا مطلب کیا نکلے؟ اسی طرح سے اگر رات کو کھانے وقت تم کو چھینک آجائے تو تمہیں اس وقت تک اور نہیں کھانا ہوگا جب تک کہ ایک بزرگ عورت آکر تمہارے سر پہ پانی نہ چھڑکے اور تم سے یہ نہ پوچھے کہ "تم کہاں پیدا ہوئے تھے؟" اور ایک بار ایسا نہیں بلکہ تین بار ایسا کرے۔ پھر اس کے بعد تم اپنے کھانے کو شروع کر سکتے ہو۔

کھیلیں

یہی اتحاد تُم کو اُس وقت دکھلائی دیتا ہے جب تم کھیلوں کو دیکھتے ہو۔ اور یہ ایک ناقابل چیلنج حقیقت ہے۔ مثلاً کبڈی میں جس میں دو طرف گیارہ گیارہ کی ٹیم کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور ہر طرف سے ایک آدمی باری باری آتا ہے اور دوسری طرف کے آدمی کے پیچھے دَوڑتا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ سانس کو روکے رکھتا ہے اور لگاتار اُونچی آواز سے کبڈی کبڈی کہتا جاتا ہے۔ اسی طرح سے گُلی ڈنڈے کی کھیل ہے۔ جس میں دو چھڑیاں ہوتی ہیں ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ اور جس میں سکور تیلیگو کی اعداد میں گِنا جاتا ہے جیسے کہ میں نے دہلی اور احمد آباد میں دیکھا ہے۔ کلچروں اور رسومات کی کیسی یگانگت ہے۔

کرسمس کا ہفتہ

سال کا آخری ہفتہ ہندوستان میں ہمیشہ مشہور ہوتا ہے۔ سابقہ سالوں میں جب کانگریس کا اجلاس اس ہفتہ میں ہوا کرتا تھا تو بہتیس دیگر جماعتیں اپنا اپنا سالانہ جلسہ کیا کرتی تھیں۔ اور آرٹ، سوسائٹی، کلچر، سائنیسوں وغیرہ

وغیرہ پر خوب بحث ہوتی تھی۔ جنگ نے واقعی سفر کا خاتمہ کر دیا ہے اور
کانگریس قید کی سلاخوں کے پیچھے بندھ گئی ہے۔ تاہم گویا کہ اس کمی کو
تیزی اور تندی کے ساتھ پورا کرنے کے لئے جاپانیوں نے کرسمس میں کلکتہ
پر بمباری شروع کر دی ہے۔ ظاہر ہے کہ اُن کا مستقر ضرور کلکتہ سے ۸۵
میل کے فاصلے پر گنگا ساگر میں ہوگا۔ ورنہ وہ اکیاب سے اِدھر اُدھر حرکت
نہیں کر سکتے تھے۔ اور اکیاب بھی غیر منظم ہو گیا ہے۔ اگرچہ متحدہ اقوام نے
تقریباً برباد نہیں کر ڈالا۔ مگر جس بات نے توجہ کو کھینچا ہے وہ سال کے
خاتمہ پر پانچ بار کی بمباری نہیں۔ بلکہ سٹیٹسمین نے کلکتہ اور دہلی
کے اشاعتی کام پر اپنے لیڈنگ آرٹیکل لکھ کر سارے ہندوستان کو پریشان
کر دیا۔ یہ محض گرج ہی نہ تھی بلکہ اس کی اصلی زبردست اور موزوں تنقیدوں
میں بجلی بھی تھی۔ اس سے پہلے یہ اخبار تلاشِ حق یعنی سچائی سے تجربہ
پر لیڈنگ آرٹیکل لکھ چکا ہے (یہ ایسا جملہ ہے جو گاندھی جی کی خود نوشتہ
سوانحعمری کی یاد دلاتا ہے) اور گویا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کو کاغذ اور
سیاہی سے پرل ہاربر کے واقعہ کے متعلق اس کے صریح جھوٹوں کے لئے
کچل کے رکھ دیا ہے۔ یہ افسوسناک اور مذاقیہ کھیل اس وقت اپنی انتہا
کو پہنچ گیا۔ جب اس اخبار نے یہ پوچھا کہ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ ریاستہائے
متحدہ نے اس کے متعلق جو آخری بیان دیا ہے وہ بذاتِ خود جھوٹا نہیں
ہے۔ اس سے کچھ عرصہ بعد اشاعت کے خلاف ہجو آمیز تقریریں شروع ہو
گئیں۔ اس اخبار نے لکھا کہ مرکزی حکومت کا بیان صریحاً دو معاملات میں

جھوٹا ہے گرچہ اُس نے اُن معاملات کا ذکر نہیں کیا۔ برما کی بابت اُس نے لکھا کہ یہ ہمیشہ جانے، جانے کا ہی معاملہ بنا رہا لیکن گیا نہیں۔ نیلامی کی زبان کا یہ استعمال مؤثر ہے کیونکہ جو چیز نیلام ہو رہی ہوتی ہے وہ ہمیشہ جا رہی ہوتی ہے۔ لیکن جاتی کبھی نہیں تو کوئی آدمی کسی اور چیز کے لئے بولی ہی نہیں دیتا۔ کلکتہ کے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے اخبار نے لکھا کہ سر ی واستو کا بیان بکواس تھی۔ کانپور سے کلکتہ کے واقع کی بابت ایک وزیر کیا کر سکتا تھا؟ وہ صرف اپنے ماتحت ڈائرکٹر جنرل سول ڈیفنس مسٹر اسٹن کی رپورٹوں کی گونج کو ہی دُہرا سکتا تھا۔ ضمناً کیا گورنر سر ڈینبز دل ابٹسن کا بیٹا ہے؟ اخبار لکھتا ہے کہ "بطور سیاسی ہتھیار کے جھوٹ بولنا ہٹلرازم کا شیوہ ہے، اور لازمی طور پر شکست کھائے گا۔" کسی قدر جھوٹ بولنا معتبر ہو سکتا ہے لیکن ساتھ ہی ناقص چکنا پن ہوتا ہے۔ عوام نے پیچھے پلٹا کھانے اور دل کی مضبوطی کا اظہار کیا ہے۔ لیکن واقعات کے چھپانے پر اعتراض ہے

سر سکندر کی موت

سر سکندر کی موت ہر ایک کے لئے حیران کُن ہے اور تمام اس سے غمگین ہو گئے ہیں۔ پنجاب کے اخبارات "ٹربیون" مورخہ ۳۰ میں سروجنی دیوی کی ماتمی تار کی خبر شائع ہوئی ہے اور جب میں اس

تار کو پڑھ رہا ہوں تو مجھے پتہ چلا ہے کہ ایک تار اس قلعہ سے بھی مولانا آزاد، آصف، ڈاکٹر سید محمود اور جواہر لال کی طرف سے بھیجی گئی ہے

نیا سال

نیا سال شروع ہو گیا ہے اور پرانا ختم ہو گیا ہے۔ لیکن کس قسم کا نیا سال؟ ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کم از کم چار پانچ نئے سال منانے پڑتے ہیں۔ کیلنڈر کا نیا سال، اپنے جنم دن کا نیا سال۔ اندھرا، مہاراشٹر اور صوبجات متحدہ کا قمری سال۔ بنگال اور تامل نیڈو کا شمسی سال۔ مارواڑی سال جو دیوالی کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔ اگست یا ستمبر میں کہیں پارسی نیا سال، کوآپریٹو نیا سال جو بالکل فصلی جیسا ہوتا ہے اور پہلی جولائی کو شروع ہوتا ہے۔ یکم اپریل کو بجٹ کا نیا سال اور یونیورسٹی کا نیا سال۔ اگر کسی کو ایسے ہر موقع پر اس کے خسر سے کپڑوں کا نیا جوڑا مل جائے تو ان تمام کا منانا گھاٹے کا سودا نہیں رہے گا۔

(۴۳-۱-۱)

دہی میں دُود

ہم تمام نے تین قسم کی دہی کی بابت سُن رکھا ہے یعنی میٹھی، کھٹی اور پھیکی، بنگال نیز صوبجات متحدہ میں لوگ دہی میں کھانڈ ملاتے ہیں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ جمانے سے پہلے دود میں کھانڈ ملائیں گے یا بعد میں۔ ہم جنوب والوں کے لئے یہ بات بالکل حیران کرنے والی ہے۔ مہاراشٹر میں یہ عجیب عادت معلوم ہوتی ہے کہ وہ دہی اور چاول میں دودھ ملاتے ہیں۔ اور یہ دونوں وقت کے کھانوں (صبح اور رات یکساں) میں آخری کورس ہوتا ہے۔ جب دہی کسی قدر ترُش ہو تو کھانڈ کا ملانا خاص طور پر اچھا ہے کیونکہ اس طرح ساری چیز کا ذائقہ خوشگوار بن جاتا ہے۔ بہر حال نئے ذائقے اختیار کرنے میں بہت کچھ ہے۔ پس اس لئے جنوب کی تُرشی اتنی اچھی لگنے لگ جاتی ہے جتنی شمال کی شیرینی۔

شمال اور جنوب

لیکن شمال کیا ہے اور جنوب کیا ہے۔ مہاراشٹر کا رقبہ یعنی بمبئی، پونہ اور ناگپور تینوں ہی شمال والے کے لئے جنوب ہیں۔ جنوب (مدراس) والے

کے لئے بمبئی اور بنگال بھی شامل ہیں۔ یہ نسبتی الفاظ ہیں۔ ہم زیادہ موزونیت نیز زیادہ فائدہ مندی کے ساتھ بمبئی اور پونا کو مغرب کہہ سکتے ہیں اور بنگال اور آسام کو مشرق۔

جنگ

جارحانہ اور مدافعانہ کے اُلٹ پلٹ ہو جانے سے جنگ نے اچانک تبدیلی اختیار کر لی ہے۔ پچھلے سال بھی جارحانہ، مدافعانہ بن گیا تھا گرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدافعانہ جارحانہ بن گیا تھا۔ امریکہ کے داخلہ سے بلا شبہ صورت حالات بدل گئی ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منصوبے بالکل اچھی طرح نہیں چل رہے ہیں۔ امریکہ والے غالباً پچھتا رہے ہیں کہ وہ شمالی افریقہ بہت زیادہ جلدی پہنچ گئے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اُنہیں مضبوط پاؤں جمانے سے پہلے دو مہینے لڑنا پڑے گا۔ یہ اُس بیان سے کس طرح لگاؤ کھاتا ہے کہ ایک معمولی سی محبت کا معاملہ تھا جس سے کچھ فرانسیسی پہلے ہی دوست بن گئے تھے اور کہ ایک خاص کھڑکی ایک روشنی کو ظاہر کرے گی جو اس بات کا نشان ہوگی کہ سب اچھا ہے اور کہ انگریزی اور امریکن فوجی دستے شمالی افریقہ کے ساحل پر خشکی پر اُتر سکتے تھے۔ بہر حال ٹیونسیا میں موجودہ صورت حالات کی توقع نہ تھی۔ گزشتہ جنگ میں امریکہ

والے ۱۹۱۷ء میں لیوسیٹینیا کے واقعہ کے بعد شامل ہوئے تھے۔ اس نہ ڈوبنے والے جہاز کو جرمنوں نے تارپیڈو کیا تھا جس کے باعث کئی کروڑپتی غرق ہو گئے تھے۔ زندگی کی پیٹیاں بھی انہیں نہ بچا سکیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان پیٹیوں میں سے بہترین لمبی کارک کی بنی ہوئی ہیں اور سر کا ٹکڑا اور چھاتی کا ٹکڑا دونوں ہی کھانے کی میز پر بھی ہمیشہ مسافروں کے پہلو میں موجود ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی مدد سے بھی ایک انسان زیادہ سے زیادہ ۱۶ گھنٹے سطح پر بہتا ہوا رہ سکتا ہے اس کے اندر اندر ہی یا تو کوئی بچانے والا جہاز پہنچ جائے یا وہ کسی لمھٹونکے بیڑہ پر چڑھ جائے۔ زیادہ پریشان کرنے والی موت تو لارڈ کچنر کمانڈر انچیف کی تھی۔ اس جنگ میں جرنیل برّاعظموں اور ملکوں کے درمیان اس طرح حرکت کر رہے ہیں جیسے کہ نیلگوں زمین سے بھوری زمین پر۔ اور سوائے اس حادثہ کے جو گزشتہ اکتوبر کے مہینہ میں لارڈ ڈیوک آف کینٹ کو پیش آیا۔ اور بہت سے حادثوں سے زخمیوں کی رپورٹ نہیں ملی۔ لیکن پچھلی جنگ میں خود کمانڈر انچیف ہی کان کے حادثہ یا سمندر دوز تارپیڈو کا شکار بن گیا تھا۔ لارڈ کچنر کا ذکر کرتے ہوئے ایک خیال یہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ اس کی ابتدائی فتوحات خواہ کیسی ہی ہوں لیکن اسے کمانڈر انچیف اس لئے بنایا گیا تھا۔ کیونکہ عوام نے مطالبہ کیا تھا۔ یہ ایک اعتمادی قدم تھا۔ ورنہ وہ اپنے وقت سے بیوقت ہو چکا تھا یہی حال جرنیل جوفری کا تھا۔ جو بجائے فوجوں کا کمانڈر ہونے کے عوام کے لئے تسلی بخش دوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ امیر البحر جیلیکو کبھی

قسمت آزمائی نہیں کرنا تھا۔ اُسے اس بات کی بے تار برقی ہو جاتی تھی کہ جرمن بیڑہ فلاں فلاں جگہ ہے۔ اور جب وہ اپنے بیڑہ کو لے کر چل پڑتا تو وہ اسی جگہ اپنے آپ کو پاتا اور دوسری بے تار برقی سے اسے یہ پتہ چلتا کہ کہاں اور کس طرح جرمن بیڑہ کو راستہ میں پکڑا جائے۔ جو بیچ کر جا رہا تھا۔ لیکن اس سے آگے وہ بے تار برقیوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔

چوشاکھنڈ

تواریخی کتب میں چوشاکھنڈ کی لڑائی غالباً بہت کم معلوم ہے۔ لیکن اوڈلیبہ میں ایک یادگار ہے جو اُس جگہ کی نشان دہی کرتی ہے۔ جہاں نصف درجن دہشت پیدا کرنے والوں نے بندوقوں اور ریوالوروں سے مسلح ہو کر اپنی تعاقب کرنے والی ملٹری کا مقابلہ کیا اور اس جگہ پر ۳۵ منٹ تک دونوں طرف سے گولے چلتے رہے۔ آج بھی آپ اوڈلیبہ میں اُس یادگار کو دیکھ سکتے ہیں۔

انگریزی رودبار

ہمارے جو لڑکے انگلستان جاتے ہیں وہ اخراجات کی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ لازمی طور پر مالداروں کے لڑکے ہوتے ہیں جو اپنے بیٹوں کی تعلیم کا تمام عرصہ کا خرچ اکٹھا بیس یا تیس ہزار گن لیتے ہیں یا غالباً کبھی گنتے ہی نہیں۔ لیکن وہ افسر جو اپنے خرچ پر سفر کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خرچ کہاں کرنا چاہیئے اور کہاں نہیں۔ اس لئے وہ اکثر دفعہ سارا ہی بذریعہ سمندر ہندوستان سے ڈوور یا پورٹسماؤتھ تک کر لیتے ہیں۔ لیکن ڈوور رودبار اصلی آزمائش کی جگہ ہے۔ سمندر بڑا طوفانی ہوتا ہے۔ اُن کے لئے بھی جو سفر کے آخری حصّہ کو بذریعہ خشکی کرتے ہیں، جیسے برنڈسی یا مارسیلز، کیلے یا ڈنکرک سے ڈوور یا ساؤتھمپٹن تک رماقبل الذکر صرف ۲۱ میل ہے) سمندر کا ٹکڑہ کافی آزمائش کی جگہ ہے اور سمندری سفر اور دوسرے سفر کا تمام آرام خاک میں ملجاتا ہے۔ لوگ اس گھنٹہ کی عبوری میں رہ جاتے ہیں۔ مگر ایک عمدہ ترکیب ہے جس سے وہ گاڑی جس میں آپ مارسیلز سے سوار ہوئے ڈوور کے پتن تک چلی جائے گی۔ اور لندن میں کسی جگہ آپ کو آپ کی نیند میں بالکل خلل ڈالے بغیر اُتار دیگی۔ جب آپ جاگوگے تو آپ کو انگلستان کا دیہاتی حصّہ نظر آئے گا۔ مگر یہ بڑا خرچیلا ہے۔

ڈسٹرکٹ میڈیکل افسر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ

جیسے کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ کلکٹر اور ڈی۔ ایم۔ او دو سرکاری وزیٹرز ہیں جو ہر سوموار ہمارے پاس آتے ہیں۔ کلکٹر تبدیل ہو گیا ہے اور اس سوموار (۸ جنوری) مسٹر ٹھاٹکے نہیں آیا ہے۔ لیکن مسٹر پٹیل آئی۔ سی۔ ایس نے اُس کی جگہ لے لی ہے۔ اور ماقبل الذکر بطور سول ریکروٹنگ افسر چلا گیا ہے۔ گھاٹکے کی مانند پٹیل لمبا ہے یعنی ۶ فٹ یا اس سے بھی زیادہ۔ اور اس امر واقعہ کا خیال کرتے ہوئے کہ اُسے نوکری کرتے ہوئے صرف ۶ سال ہوئے ہیں۔ وہ اس عرصہ سے زیادہ بوڑھا دکھائی دیتا ہے لیکن زیادہ دلچسپ کہانی ڈی۔ ایم۔ او کی ہے جس کا نام مرچنٹ ہے۔ یہ تقریباً پارسی نام معلوم ہوتا ہے۔ لیکن دوستوں نے بیان کیا ہے کہ یہ نام ہندوؤں میں بھی ملتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر مرچنٹ کا ایک رگ جو بھاٹیہ تھا اور ۲۰ سال ہوئے مسلمان ہو گیا تھا آغا خان مذہب کا پیرو بن گیا تھا۔ اس فرقہ کی رسومِ شادی بہت سی باتوں میں ہندوؤں کی رسوم سے ملتی ہیں لیکن خوراک اور دفنانے کے معاملات میں وہ مسلم احکام کی پیروی کرتے ہیں۔

آغا خاں

آغا خاں فارس کا ہے اور سید ھا پیغمبر کی نسل سے ہونے کا دعویدار ہے اور اپنا نمبر ۴۹ واں بتلاتا ہے۔ پہلے پہل اُس نے ایک عورت سے شادی کی تھی جو بہت موٹی ہونے کے باعث بے اولاد مر گئی۔ پھر اطالوی عورت سے شادی کی جس کے بطن سے شہزادہ علی خاں پیدا ہوا۔ اور اس کی موت پر فرانسیسی عورت سے بیاہ کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام میں ایسی بدعت قابلِ اعتراض نہیں خیال کی جاتی۔ ۱۹۳۱ء میں کانگریس کے خلاف آغا خاں کی خدمات کا فائدہ اُٹھایا گیا تھا اور اس دفعہ اس نے اگرچہ سمجھوتہ چاہا اور اس کے لئے پیشکش بھی کر دی مگر اُسے ایسا کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور مسٹر محمد علی جناح ۱۹۳۱ء جیسی کشیدگی پیدا کرنے کے لئے آسانی سے برطانیہ کے ہاتھ لگ گیا ہے۔

اخبار نویسوں کا ترکی وفد

اب ہم ترکی وفد کی طرف چلتے ہیں۔ جو ۹ رماہ حال کو کراچی میں پہنچا ہے۔ اور ٹھیک اِس وقت ہندوستان میں ہے۔ گورنمنٹ نے کیوں اسے اس وقت بُلایا ہے۔ یہ ایک معمہ ہے۔ اور کہ میجر دبائیٹر ؟؟

اُن کا ساتھی محافظ ہے اصلی کہانی کو بے نقاب کرتا ہے۔ جبکہ ہندوستانی رفیق غالباً کنونیشن کی تھوڑی سی رعایت ہے۔

مسٹر فلپس

ترکی وفد سے پہلے روز ویلٹ کا نمائندہ مسٹر فلپس ہندوستان میں آیا تھا۔ مگر جس نے ہندوستان روانہ ہونے سے پہلے روز ویلٹ کو نہیں دیکھا تھا۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ وہ ہندوستان میں اپنے مقصد کے متعلق اپنی تمام تفاصیل کو بخوبی جانتا ہے۔ فلپس اور ترکی وفد دونوں ایک معمہ ہیں جو فنے پر ظاہر ہو جائیں گے۔

افسروں کی ٹریننگ

برنارڈ شا کے ڈراما موسومہ "پریس کٹنگز" میں جرنیل مچنر کا اردلی یہ دیکھ کر کہ جرنیل، کرنیل اور وزیر اعظم نے ڈراما کی تینوں لیڈیوں کو بطور بیویاں (الجبیریا) حاصل کرنے کا انتظام کر رکھا ہے سارجنٹ کے رُتبہ کے لئے درخواست کرتا ہے۔ جرنیل کہتا ہے کہ "تم سارجنٹ کے فرائض کی ادائیگی کے

لئے بالکل ہی نا قابل ہو۔ تم صرف لفٹیننٹ کے قابل ہو۔ میں کمیشن کے لئے تمہاری سفارش کردوں گا۔" یہ تمام عجیب معلوم ہوگا لیکن اس میں کچھ بھی عجیب نہیں کیونکہ آج کل افسر صاحبان ۶ مہینے کی ٹریننگ حاصل کرتے ہیں۔ جس میں صرف پندرہ دن رفل کی مشق کی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ افسر صرف رہنمائی کرنے کے لئے ہی ہیں۔ وہ شوٹ نہیں کرتے وہ اپنے آدمیوں کو گولی چلانے کا حکم دیتے ہیں۔ نیز جنگ کی نوعیت بھی کچھ اتنی بدل سی گئی ہے۔ یہ تمام مشین کی جنگ ہے۔ تمہیں یاد ہے کہ کس طرح دس پندرہ سال گذرے اُنہوں نے اعلان کیا تھا کہ فوج کو ہندوستانی بنانے سے افسروں کو ٹریننگ دینی پڑے گی اور ۴۵ سال کے تکرار (ایجی ٹیشن) کے بعد اُنہوں نے یہ کہا کہ وہ صرف آٹھ یونٹس کو ٹرینڈ کریں گے جن کے افسر ہندوستانی ہوں گے اور اگر اُنہوں نے کام اچھا کیا تو اور ٹرینڈ کی جائیں گی۔ اور یہ اندازہ لگایا گیا کہ ۳۵۰۰ یا ۷۰۰۰ افسروں کی ضروری تعداد حاصل کرنے کے لئے ڈیڑھ سو سال لگ جائیں گے۔ اس تمام کا کیا ہوا ہے؟ یہ محض بکواس ہے۔ جنگ نے کلرکوں کی نسبت افسروں کو جلدی تیار کر دیا ہے۔ نیز ان کاریگروں کو جنہیں "بیون لڑکے" کہا جاتا ہے اُن سے کم دقت کے ساتھ۔ فی الحقیقت موقع آدمی کو بنا دیتا ہے اور موقع کا نہ ہونا اُنھوں انسان!

یوم آزادی

تیرہ سال ہوئے ہم نے یوم آزادی کا افتتاح کیا۔ آندھی ہو یا دھوپ ہم نے اسے منایا ہے۔ جنوری ۱۹۴۱ء میں ہم نہ منا سکے کیونکہ ہم جیل میں تھے۔ دوبارہ اس سال بھی ہمیں جیل کی دیواروں کے پیچھے اسے منانا پڑا ہے ہم جانتے ہیں اور ہمیں رنج اور شکر گذاری کے ساتھ ان سینکڑوں کی یاد آتی ہے جنہوں نے قومی مقصد کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دی ہیں۔ اور ہزاروں جو زخمی ہو گئے ہیں۔ ناقابل ہو گئے ہیں اور یتیم ہو گئے ہیں۔ تعظیمانہ شکر گزاری اور پاکیزہ اعتماد کے جذبات کو لے کر ہم بارہ کے بارہ ایک جگہ آدھ گھنٹہ کے لئے اکٹھے ہوئے اور اپنی قوم، اپنی کانگرس اور اپنے مقصد کو یاد کیا۔

(۲۶-۱-۴۳)

کلب

کلب آہستہ آہستہ ترقی کر گئی ہے۔ پہلے پہل بمشکل ہی کوئی بیڈ منٹن کورٹ سے ملحقہ لون (lawn) کی سیر کیا کرتا تھا۔ کیونکہ یہ ٹکڑا چھوٹا گھاس سے اُگا ہوا، پتھریلا، کانٹے دار اور بری طرح رکھا ہوا تھا۔ کانٹے ہٹائے گئے

اور بڑے پتھر اُٹھا کر علیحدہ ایک چھوٹے سے بورڈر میں جو پندرہ انچ لمبا اور پندرہ ۱۵ انچ چوڑا ہے رکھ دیئے گئے۔ پھر کرسیاں برآمدہ سے حرکت کرنے لگیں جن پر دو یا چار دوست بیٹھ کر نیچے زمین پر بیٹل ڈور BATTLE DORE) اور شٹل کاک کا کھیل دیکھنے لگے۔ اس عرصہ میں باغ ہر طرح سے ترقی کرتا گیا اور پتھریلے بارڈر کے زاویہ پر دو سیدھے پتھروں پر جو تقریباً چورس تھے۔ اور جن کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فٹ اور موٹائی ۱۲ انچ تھی۔ اُس کی ہر دو جانب ایک ایک گملا رکھ دیا گیا۔ آرام دہ سوفا کرسیاں جو ملٹری نے مہیا کی ہیں وہ اتنی بھاری ہیں کہ ہر ایک کو اٹھانے کے لئے دو آدمی درکار ہیں۔ بلاشبہ ان کے پہیئے ہیں لیکن انہیں کھردرے پتھریلے دندانہ دار فرش پر گھمانا اور دروازوں کو عبور کرنے کے لئے انہیں زیادہ گھمانا جہاں کھڑکھڑ شور پیدا کرتا ہے۔ وہاں مال کا بھی ناقابل معافی نقصان کرتا ہے میجر بھی شام کے وقت بیڈمنٹن کے کھیل کو دیکھنے لگا اور اس نے محسوس کر لیا کہ کس طرح ڈیک کرسیاں شام کو اور جلدی آنے والے موسم سرما کی راتوں کو فی الحقیقت درکار ہوں گی۔ ملٹری نے کنویس کی کرسیاں مہیا کی ہیں جنہیں انتہائی آرام دہ ہونا چاہیئے تھا جتنی کہ وہ منافع بخش ہیں لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بری طرح سے بنائی گئی ہیں بناوٹ کو برا کہنا پوزیشن کو کم کرنا ہے۔ بناوٹ مکروہ تھی یہ پچھلی ٹانگوں کے قدموں پر کوئی پشتینی سہارا ٹھیک نہیں بیٹھتا تھا۔ ہمیشہ ایک طرف کو جھک جاتی تھیں۔ لکڑی کے جو چھوٹے تختے لگائے گئے وہ ناپائیدار ہیں

ان کرسیوں کو چار چار کی دو قطاروں میں ترتیب دے کر اور مرکز میں ایک کرسی رکھ کر ایسا نظر آتا تھا کہ پکی کلب بن گئی ہے، اور گرچہ شٹل کاک کی کھیل میں آہستہ آہستہ دلچسپی کم ہوتی گئی۔ تاہم شام کو دوست وہاں اکٹھے ہونے لگے۔ چار ممبروں کے پٹھوں میں اور بازو کے اگلے حصے یا پیٹھ کی نسوں میں موچ بڑھ گئی۔ ایک نے کھیل کی جگہ سیر شروع کر دی تھی اور باقی ایک یا دو پارٹی نہیں بنا سکتے تھے بالخصوص اُس صورت میں جبکہ داروغہ ہمیشہ خانہ پُری کے لئے نہیں مل سکتا تھا۔ دوسری طرف والی بال میں بھی دلچسپی نہ رہی۔ سپاہیوں رد وارڈرز کی ڈیوٹیاں ایسی تھیں کہ ہمیشہ کھیل کے وقت اُن کی ایک خاص تعداد اندر نہیں رہ سکتی تھی۔ قیدی بلا شبہ کھیل میں شامل ہو گئے تھے۔ جو پہلے گیند اُٹھانے کے لئے ہوتے تھے لیکن بعد میں اُن سے کوئی بھی کھلاڑی نہیں بن سکا تھا

باغبانی دونوں گروہوں کے لئے جاذب توجہ ثابت ہوئی۔ ہفتہ عشرہ تک نظر بندوں میں عام دلچسپی پیدا کی گئی جنہوں نے تھوڑی سی زمین کو صاف کرنے یا پتھروں کو اُٹھانے یا چھڑکنے والے ٹین کو ہاتھ میں پکڑنے سے اپنی ضمیر کی پریشانیوں کو چُپ کرا لیا۔ بس اتنا ہی کیا۔ جواہر لال نے اس خیال کو پیدا کیا تھا اور شروع بھی کیا تھا۔ وہ باغبانی کے کام میں لگا رہا۔ فروری تک ۰۵ گز لمبا اور ۴۰ گز چوڑا دالان، مختلف شکلوں، قدوں رنگوں اور خوشبودار پھولوں کی کیاریوں سے بھر گیا۔ دراہم میں سے نہایت

نئی دوست بھی اس تبدیلی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور وہ دوست جو پہلے علیحدہ رہے تھے انہیں ضمیر نے جھٹکایا اور شرم بھی آئی۔ انہوں نے اپنی دلچسپی میں کوتاہی کو اس طرح پورا کیا کہ انہوں نے پودوں کے نام سیکھنے اور اُن کے پتوں اور پھولوں سے دیکھ کر انہیں پہچاننے کی کوشش شروع کر دی۔

بسنت پنچمی

بسنت پنچمی کا تیوہار ماگھ مہینے کی سُدی پنچمی کو آتا ہے۔ یہ تیوہار موسم بہار کا پیش خیمہ ہے اور مہاراشٹر۔ یو۔ پی۔ بنگال اور پنجاب میں بڑی شان کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ بنگال اور بہار میں یہ سرسوتی پوجا کے ساتھ وابستہ ہے اور "امرت بازار پترکا" میں اس کے متعلق جو مضمون شائع ہوا ہے وہ دلچسپ ہے۔ جسے ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

"لمبا اور خشک موسم سرما ختم ہونے کو ہے۔ اور چند کوئلوں نے پہلے ہی موسم بہار کی آمد کا پیغام دے دیا ہے۔ آم کے درختوں نے نئی زندگی کی لاگ کو محسوس کر لیا ہے اور وہ شگفتہ ہو گئے ہیں۔ موت کے سرد اور بےحس سینہ میں بھی نئی پیدائش کی ہلچل نظر آنے لگی ہے۔ یہ بالکل موزوں ہے کہ ہندو اس تیوہار پر سرسوتی کی پُوجا کرتے ہیں جو علم اور نُطق کی برف سی سفید

اور سنجیدہ دیوی ہے۔ کیونکہ وُہی دائمی خاموشی کی آواز ہے اور وُہی اتھاہ گہرائی کی چھاتی میں پہلی لہر ہے۔ ہر زمانہ اور ہر مُلک میں اُن رشیوں نے جنہوں نے پرماتما کو انسانی سمجھ کے اندر لانے کی کوشش کی ہے اُنہوں نے اس دیوی کے تین اوصاف بتلائے ہیں جنہیں تین عنوانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے یعنی علم و طاقت اور شادمانی۔ اور ہندوستان میں شکتی (طاقت) کے اُپاسکوں (پُوجا کرنے والوں) نے عابد (بھگت) کی سہولت کے لئے دیوی ماتا کے تین پہلو تسلیم کئے ہیں یعنی مہالکشمی، شادمانی کا پہلو اور مہا سرسوتی علم کا پہلو۔ اِنسانی دل میں سُکھ کی خواہش عالمگیر ہے۔ اور مشکل سے ہی کوئی آدمی ایسا ہوگا جو اپنے جاگنے کے اوقات میں دولت، خوشحالی اور خوشی کے لئے کوشاں نہ ہو اور اس طرح سے غائبانہ طور پر لکشمی دیوی کو خراجِ تحسین ادا نہ کر رہا ہو۔ نیز ہمارے درمیان طاقت کے متلاشیوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ اور ایسے لیڈروں کی تعداد بھی زیادہ ہے جن کے پیروؤں کی تعداد کسی دقیق اصول یا واضح رجحان کے باعث ہمیشہ بڑھتی چلی جارہی ہے اور جو اپنے مخالفوں سے آخری قوت آزمائی کرنے کے درپے ہیں۔ وہ سب کے سب اپنے اندھے طریق پر طاقت کی خوفناک دیوی کی پُوجا کر رہے ہیں۔ لیکن ہر دس لاکھ آدمیوں کے لئے جو خوشی اور فارغ البالی تلاش کرتے ہیں اور ہر ہزار کے لئے جو حکومت کرنا اور غلبہ جمانا چاہتے ہیں مُشکل سے ایک انسان ایسا ہوگا جو علم اور قدر (Wisdom) کا پجاری ہو۔ مثلاً سچائی کی خاطر سچائی کا طالب ہو۔ آدمیوں کی کثیر تعداد کے دماغوں پر زمان و مکان، ستارا اور ہیرا

اور نفع نقصان کے سوچ غلبہ پاکر ستاتے رہتے ہیں۔ اچھے اور برے اثرات
کی کہر میں انسان کے لئے آگے سیدھا قطار میں چلنا مشکل ہے۔ لیکن موہ
ممتا رمحبت) سے خالی ہو کر تمام چیزوں کو خاص دلیل
کی روشنی میں بالکل ٹھنڈے اور غیر وابستہ دل کے ساتھ اُن کی اصل شکلوں
میں دیکھنا ہے۔ وہ انسان جو ہما شما اور یہاں وہاں کے متعلقہ اُلجھنوں
میں پھنسا ہوا ہے۔ زندگی کے مسئلہ کو سچائی کی روشنی میں نہیں دیکھ سکتا۔
لہٰذا جو سچ کے سچے طالب ہیں وہی سرسوتی کے سچے اپاسک (عابد) ہیں۔
یہ شانت (سنجیدہ) دیوی انسانی دل کے سفید اور سو پتیوں والے کنول پھول
پر براجمان (متمکن) ہے جس میں بیقرار نفس کی گرمی کم ہو گئی ہے اور جس
میں طاقت اور نفع کی گندی خواہش کوئی جوابی ترنگ پیدا نہیں کرتی۔
جب انسان دماغی گڑبڑ پیدا کرنے والی اور لفاظی پن والی موشگافی کی
خصوصیت کا احساس کر لیتا ہے تو صرف اس حالت میں وہ سرسوتی
دیوی کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جو علم اور سچائی کا دائمی سرچشمہ ہے۔
کیونکہ وہ وید ماتا ہے۔ جاننے کے قابل تمام علم کا وہ منبع ہے اور
صرف اس کی برکت ہی انسانی دماغ سے وہ تاریکی دور کر سکتی ہے جو
ہماری جہالت، جنگ و جدل اور مصیبت کی ذمہ دار ہے۔ یہ اس کی
مقدس لاگ ہے جو ادویا کا پردہ دور کرتی ہے۔ اور انسانی روح کو اُن
لاانتہا بلندیوں کی جھلک دکھاتی ہے۔ جہاں راحت اور ہم آہنگی کا دور
دورہ ہے۔ اور ودیا جو اُس کے ہاتھ میں ہے یہ اُسی کی برکت

ہے۔کہ دُنیا میں بہشت کی ہم آہنگی کا دریا موجزن ہے۔ اسی ہم آہنگی نے تمام زمانوں میں رشیوں کے اندر وجد و کیف کی حالت طاری کی ہے۔ اور انسانی راگ اس کی ایک مدھم اور شکستہ سی گونج ہے۔ قدرتی طور پر پاکیزگی اور سچائی اس کی پُوجا کی لازمی شرائط ہیں۔ اس لئے سفید پھولوں کی ساتھ جو پاکیزہ خیال اور پاکیزہ فعل کی علامت ہیں۔ اِنسان اس دیوی کی برکات حاصل کر سکتا ہے۔ اور یہ اس کی برکت ہی ہے جس سے ہماری جہالت دانشمندی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ اور غالباً یہ بالکل قدرتی اور سچ ہے کہ اُس کی پُوجا اُن بچوّں میں بھی اتنی رائج ہو جنہیں ابھی طاقت کی احمقانہ محبت یا دُنیوی نفع کی خواہش نے چھُوا ہی نہیں۔ اُس کے مقدس بُت کے سامنے وہ اپنے علم کے تمام مصنوعی آلات رکھ دیتے ہیں۔ یعنی کتب، قلم، سیاہی، کاغذ، پنسل اور باقی سب کچھ۔ یہ اُس کی برکت آمیز اُنگلیوں کی براہِ راست لاگ ہے جسے وہ تلاش کرتے ہیں۔ اور جُوں جُوں وہ اس خدائی رازِ پنہاں پر دل ہی دل میں گہرائی کے ساتھ غور و خوض کرتے ہیں جو انسانی شکل میں اُن کے سامنے نمودار ہوتی ہے۔ تو وہ اندر سے اُس خوشی کی کرنیں باہر بھیجتے ہیں جسے انسانی عقل سمجھ نہیں سکتی۔ عاجز رُوح کے ساتھ وہ اس کے قدموں پر سجدہ کرتے ہیں اور ایسا کہتے معلوم ہوتے ہیں کہ" خاموش او تم اُستادو! اور خاموش! او تم ٹیکسٹ بُک لکھنے والو! اے ماں! صرف تو اکیلی ہی ہماری رُوحوں سے گفتگو کر۔" آج ہمیں بھی اُن بچوّں کے ساتھ اُس دُعا

کو دُہرانا چاہیئے جو معصومیت اور پاکیزگی سے پیدا ہوئی ہے۔ اور جو باوجود اتنی سادہ ہونے کے بیان کرنے میں اتنی مشکل ہے۔ ہمیں اُس لفّاظی پن کو فراموشی کے کوڑا کرکٹ دان میں پھینک دینا چاہیئے جنہوں نے اب تک انسانی دماغ کو اپنے بوجھ کے نیچے دبائے رکھا ہے۔ اور جو علم کہلاتی رہی ہیں۔ وہ شانت دیوی ہمارے درمیان نازل ہو اور جہالت اور تکبّر کو بھگا دے اور ہمیں اس ہم آہنگی کا احساس کرائے۔ جو تمام کائنات پر ساری و طاری ہے ۱۰ ادم!"

ہولی

ہولی یو۔پی میں ایک مشہور تیوہار ہے اور دسہرہ اور دیپاولی کے برابر ہے۔ پنجاب، بہار اور مہاراشٹر برابر اسے مناتے ہیں۔ اس کے منانے کے طریق جدا جدا ہیں۔ کئی جگہوں پر اسے گندی شکل میں منایا جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں۔ بہار کے دیہات میں عورتیں، مردوں پر کیچڑ پھینکتی ہیں۔ اور وہ جواب میں انہیں گالیاں نکالتے ہیں۔ ایسی گالیوں کے خاص گیت رائج ہیں۔ ایک عمدہ بات یہ ہے کہ امیر اور غریب اُس دن ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ ہولا ہر اچھا ہوتا ہے جیسے چارا اکٹھا کرکے اور آگ لگا کر بھونا جاتا ہے۔ اس سے ہولا یا ہولی نکلتی ہے۔ رنگ دار

پانی اور رنگ دار آٹے کی پچکاریوں کے عام مظاہرے لوگوں کا عام شغل ہوتا ہے اور اس کے بعد جو پنچمی ہوتی ہے اسے رنگ پنچمی کہتے ہیں۔
جنوبی احاطہ میں ان دونو تیوہاروں میں سے کسی کو بھی نہیں مناتے۔ اور اس لیئے دیپاولی اور نیئے سال کے درمیان تیوہاروں اور جشنوں کے سلسلہ میں ایک لمبے عرصے تک ایک خلاء واقع ہو جاتا ہے۔ یہ مؤخر الذکر تیوہار آندھرا۔ مہاراشٹر اور صوبجات متحدہ میں صرف چیت مہینہ کے شُکل پکش کے پہلے دن منایا جاتا ہے۔

دُمدار تارہ

ہم میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی میں کسی نہ کسی وقت ایک دُمدار ستارہ کو ضرور دیکھا ہو گا۔ لیکن یہاں کئی دوستوں نے نہیں دیکھا ہے۔ ایسے دوستوں کے لیئے ماہ مارچ میں دُب اکبر میں ایک ایسے دُمدار ستارہ کا نمودار ہونا جسے آنکھ دیکھ سکے ایک مبارک بات تھی۔ مگر اس میں ایک کمی تھی۔ وہ یہ کہ دُم نہیں تھی۔ اور یہ اُس آسمانی ستارہ کا دلکش پہلو ہے ۱۹۱۰ء اور ۱۹۳۳ء (؟) میں میں نے صریح طور پر ایک دُمدار ستارہ کو دیکھا تھا۔ لیکن اس دفعہ ہم نے اسے ایسی حالت میں دیکھا ہے جہاں اس کی شاندار دُم میں کوئی چمک نہ تھی۔ ہم نے دُوربین کا ایک جوڑا

حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بے سُود۔ ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ میجر بھی اسے اپنے استعمال کے لئے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ فوجی قاعدہ کے مطابق کہ صرف محاذ پر جانے والے ہی اسے رکھ سکتے ہیں۔

"آپ کا گھوڑا کب پہنچ رہا ہے"

وہ ہندوستانی جنہیں انگریزی محاورہ کا تو کیا کہنا ہندوستانی محاورہ کا بھی آدھا علم ہوتا ہے جب انگریزی میں تاروں کا یا انگریزی میں بذریعہ تار بھیجے جانے والے پیغامات کا ترجمہ کرتے ہیں تو عجیب غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔ جب مسز اینی بسینٹ نے کشمیر میں آنا تھا۔ تو کہا جاتا ہے کہ انہیں ایک ایسا تار بھیجا گیا جس کا مضمون یہ تھا "آپ کی سواری کے انتظام ہیں"۔ جس کا دوسری طرف ہندی کی بجائے انگریزی زیادہ جاننے والے دوستوں نے ترجمہ یوں کیا "آپ کے گھوڑے کب پہنچ رہے ہیں؟" اس سے مسز بسینٹ کو پریشانی ہوئی اور تحقیقات کرنی پڑی جس نے بدلہ میں کشمیر کو بھی پریشان کیا۔ لیکن خوش قسمتی سے پنڈت موتی لال جی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے انگریزی کی اس تار یعنی عجیب ادب (انگریزی) کا مطالعہ کر کے اس گتھی کو سلجھایا۔

برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن اور جنگ

اس ناقابل التحقیقات دُنیا میں عجیب اتفاق ہو جاتے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم کے چھڑنے کے موقع پر برطانوی طبی ایسوسی ایشن نے جون ۱۹۱۴ء میں بمقام ایبرڈین اپنا سالانہ جلسہ منعقد کیا تھا۔ اور جنگ ۱۱/۳ اگست کو چھڑ گئی۔ اس دفعہ پھر برطانوی طبی ایسوسی ایشن نے جنگ چھڑنے سے پہلے جون ۱۹۳۹ء میں اُسی ایبرڈین میں اپنا سالانہ جلسہ منعقد کیا تھا۔ سچے پاکیزہ دل کے ساتھ یہ اُمید کرنی چاہیئے۔ کہ برطانوی میڈیکل ایسوسی ایشن کو اس بات سے روک دیا جائے گا کہ وہ ۱۹۴۶ء میں اسی طرح اپنا سالانہ جلسہ اُسی مشہور مگر خطرناک شہر میں نہ کرے۔

متھلی شادیاں

متھلا کے صوبہ میں شادیوں کو گروہوں میں ترتیب دی جاتی ہے۔ ایسے پانڈے اور پروہت ہوتے ہیں جنہیں اپنے حلقہ پروہتائی کے مختلف خاندانوں کے گوتروں اور پریواروں کا پتہ ہوتا ہے۔ وہ آئندہ کے دولھے اور دُلہنوں کی بمعہ اُن کی کُنڈلیوں یا جاتکاؤں (جنم پتریوں) کی

فہرستیں رکھتے ہیں۔ وہ اور والدین اکٹھے ہو کر موسم کی یا سال بھر کی شادیوں کی تعداد مقرر کر لیتے ہیں۔ جنہیں گروہوں کی شکل میں کر لیا جاتا ہے۔

افسر، نظر بند اور قیدی

ہم کُل ۳۶ قیدی ہیں۔ جن میں سے ۱۲ قیدی سنٹرل جیل یرودا سے ہماری امداد کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ۹ سپاہی (یا وارڈرز) اور ایک (سزا یافتہ) وارڈر ہے۔ اور سپرنٹنڈنٹ اور جیلر مل کر دوسری درجن بنتی ہے۔ اور ایک درجن ہم نظر بندوں کی ہے۔ تمام کنواروں کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ سوائے جیلر کے جو کافی عرصہ کے بعد اپنے بال بچوں کو لے آیا ہے۔ لیکن اپنا کُنبہ لانے سے اُس کی تکالیف میں اضافہ ہی ہوا ہے کیونکہ جب وہ پونا میں تھا تو اس کی بے آرامی باقی افسروں کے ساتھ مشترکہ تھی۔ اب جب کہ وہ نگرہ میں ہے تو بھی وہ اپنے کُنبہ سے اتنا ہی دور ہے۔ جتنا کہ پہلے کبھی تھا۔ ہفتہ واری مُلاقاتوں کی اجازت جو بڑی فیاضی کے ساتھ اسے اپنے کُنبہ سے ملنے کے لئے دی گئی ہے اور جن کے لئے وہ ایک یا دو گھنٹے دوپہر یا شام کو خرچ کرتا ہے۔ وہ بھی کبھی کبھی اس لئے ہو جایا کرتی تھیں کہ یا تو بچہ کے بیمار ہو جانے کی یا ٹرک پر سائیکل کے حادثہ میں آ جانے کی یا اچانک ہی بخار کا شدید حملہ ہو جانے کی ضروری خبر ملا کرتی

تھی۔ مگر ایک موقعہ پر ٹبلاوا بڑا سنجیدہ تھا۔ کیونکہ داروغہ کے مالک مکان کے پاگل بچّہ نے کہیں سے سیفٹی کا اُسترا لے کر اُس کے بلیڈ سے داروغہ کی چار سالہ لڑکی کا گلا کاٹ ڈالا تھا۔ خوش قسمتی سے زخم عمودی تھا۔ متوازی نہ تھا۔ ورنہ مؤخر الذکر صورت میں شاہ رگ کے کٹنے اور فوراً خون کی بھبلیوں سے خون کے آنے کا خطرہ تھا۔

خوش قسمتی سے حادثہ کم شدید ثابت ہؤا۔ اور چند ٹانکوں نے یقین دلادیا کہ لڑکی پہلی ہی کوشش سے تندرست ہو جائے گی۔

سوالات اور جوابات

قیدیوں میں حکام جیل سے سوالات پُوچھنے کی اور حکام جیل کی طرف سے شکیہ جوابات دینے کی کمزوری عام ہوتی ہے۔ جب یرداوا جیل میں ایک سیاسی قیدی (خود شنکر راؤ) نے ۱۹۳۲ء میں بھوک ہڑتال کر رکھی تھی اور مہاتما گاندھی نے جو ساتھ کے احاطہ میں تھے سپرنٹنڈنٹ سے اس کی بابت پُوچھا۔ تو اس نے فوراً سوال کیا۔ "آپ کو کس نے بتلایا؟" جس پر راستبازانہ گاندھی نے کہہ ڈالا کہ "ولبھ بھائی" نے۔ بلاشبہ سپرنٹنڈنٹ نے امر واقعہ سے انکار کیا۔ اگر آپ کسی جیل افسر سے پُوچھیں کہ وہ ایسے شرمناک جوابات کیوں دیتا ہے۔ تو وہ ہمیں سیدھا اور بلا لاگ لپیٹ یہ جواب دینا

ہے کہ "ہم سے کوئی سوالات ہی نہ پوچھو تاکہ آپ کو کوئی جھوٹے جوابات نہ ملیں"۔ ضمناً اس واقعہ کے ساتھ سیاسی قیدیوں کے لئے ایک قابل قدر انتباہ بھی ہے وہ یہ کہ "ہرگز یہ نہ بتلاؤ کہ معاملہ زیر تحقیقات کی بابت تم کو کس نے بتلایا ہے اور نہ ہی کبھی دوسری جیل یا اُسی جیل میں پہلے سالوں کی مثال دو۔ کیونکہ تمہیں یقین ہو جانا چاہیئے کہ تمہارے ایسا کرنے سے کسی نہ کسی کو سزا ملے گی۔

اکشے اسوتھا

یہ عجیب بات ہے کہ کس طرح چند خاص خیالات کھلم کھلا اشاعت پذیر ہو کر ساری دُنیا میں پھیل جاتے ہیں۔ مثلاً "جگن ناتھ کی کار" ایک ایسا محاورہ ہے جو مغرب میں بھی اتنا ہی عام ہے جتنا کہ مشرق میں۔ گرچہ یہ یقین مُدت سے ختم ہو چکا ہے کہ اس کے نیچے کچلے جانے سے نجات مل جاتی ہے۔ اسی طرح سے اسوتھا یا پیپل کا درخت مقدس خیال کیا جاتا ہے۔ اگرچہ آج کل اس کی شاخوں پر چڑھنے کے خودکشانہ تجربات نہیں کئے جاتے اس درخت کو ناقابل بربادی یا اکشے کہا جاتا ہے۔ الہ آباد قلعہ میں ایک شاندار درخت ہے جس تک پہنچنے کا راستہ زمین کے اندر سے ہے۔ اور اس سے ملحقہ ایک مندر ہے۔ جو مقدس اور اکشے خیال کیا جاتا ہے۔ یہ صرف

واٹا درخت ہے جسے ڈھیلے طور پر بنیان کہتے ہیں ۔ ایک خردمندی کا درخت بھی ہے یعنی بُدھ گیا مندر میں 'بو' کا درخت جس کے نیچے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ لارڈ بُدھ کو گیان حاصل ہُوا۔ اس کی ایک شاخ مہاراجہ اشوک کے وقت لنکا لے جائی گئی جو آج تک سرسبز ہے اور دُنیا میں سب سے بڑا درخت خیال کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی کیا جاتا ہے کہ گیا کا درخت بھی باہر سے لایا گیا ہے۔ میسور میں ایک اسوتھا درخت ہے۔ جسے وِدُر اسوتھا کہتے ہیں اور جس گاؤں میں یہ ہے اُس کا نام بھی دُبی ہے۔ یقین کیا جاتا ہے کہ اس کے نیچے وِدُر نے تپسیا ریاضت کی تھی جو تین بھائیوں یعنی دھرت راشٹر اور پانڈو کا تیسرا بھائی تھا۔

باز اور کوّا

اگر ہر کویز کے پاس طاقت کا وصف ہے تو مارٹن لائٹ فٹ کے پاس بلاشبہ عجلت کا اعلےٰ وصف ہے۔ مصنف سمیت چند آدمی ہی یہ یقین کریں گے کہ کوّا باز پر حملہ کرتا ہے۔ کیونکہ باز چھوٹے پرندوں اور خاص کر کبوتر، طوطا، مینا کا شکار کرنے کے لئے مشہور ہے۔ یہ طاقتور ہے اور چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُڑتا ہے۔ لیکن کوّے ہلکا ہونے کے باعث اس سے بھی زیادہ تیز دوڑتے ہیں۔ اور آسانی سے مُڑ جاتے ہیں۔

ہم اپنے میدان میں (بلکہ لان میں گو یہ ہرا بھرا نہیں) جانوروں کی ان حرکات اور مہموں کو بڑی گہری دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جب کہ ایک دن درحقیقت ہم نے دیکھا کہ کس طرح ایک کوا ایک بڑے اور جسیم باز کو پیچھے سے تنگ کر رہا تھا۔ اس پر حملہ کرتا تھا اور بڑی پھرتی کے ساتھ اس کی زد سے بچ جاتا تھا۔ باز بیچارا ایک ادھر اُدھر مڑ نہیں سکتا۔ اس لئے چھوٹے لڑاکے اور مغرور کوے کی گت بنا کر اُسے عبرتناک سبق نہیں دے سکتا۔ ٹھگنا سا کوا باز کو چونچ مار کر اُڑ جاتا ہے۔ اور قوی ہیکل باز کو اپنے آپ میں اُبلتا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بظاہر باز نے کوے کے گھونسلے اور اس کے اندر کی چیزوں سے چھیڑ خوانی کی تھی۔

۲-۳-۴۴

باز کی شام کی جگہ

ہماری ایک عمارت میں دو چمنیاں ہیں۔ اور ایک باز نے ماہ مارچ میں چند دنوں سے یہ دستور بنا رکھا ہے۔ کہ وہ صبح سات بجے سے لے کر شام کے چھ بجے تک ایک چمنی کی چھت پر بیٹھا رہے۔ پہلے تو بالکل حرکت نہ کرے۔ اور بعد میں کبھی کبھی تھوڑے وقفہ کے بعد تھوڑی تھوڑی اُڑان لگائے۔ بظاہر یہ غریب بیمار تھا۔ اور باہر اپنے شکار کے لئے نہیں جاتا تھا۔ یہ حقیقت بخوبی عیاں ہے۔ کہ کس طرح جانور اور پرندے بیمار ہو جانے پر

مہاتما گاندھی کے عالمگیر نسخے پر عمل کرتے ہیں یعنی بھوکا رہتے ہیں اور فاقہ کرتے ہیں۔ اکثر حالتوں میں مزید کسی علاج کی ضرورت ہی نہیں۔ ان تمام دنوں میں باز شام کو اپنے ساتھی کو دیکھنے کے لئے انتظار کرتا رہا۔ اور جب اس کا ساتھی ابھی ۱۰۰ گز کے فاصلے پر ہی ہوتا تھا تو وہ اُڑ کر اُس کے پاس چلا جاتا تھا۔ اور دونوں اپنی شب بسری کے لئے ایک نزدیک کے درخت کے اُوپر بیٹھ جاتے تھے۔ جو ایک سو اور جوڑوں کا بھی مسکن تھا۔ بڑی عجیب بات ہے کہ خاص موقعوں پر یہ دو سو پرندے اپنے درختوں سے اکٹھے شام کے وقت اُڑتے ہیں۔ شام کے وقت اپنے اپنے اڈوں سے واپس آ جانے کے بعد اور اپنے میں سے ایک کا اشارہ پا کر نامعلوم کس کا۔ وہ سب یکایک اُڑنے لگ جاتے ہیں۔ کچھ دیر کے لئے آسمان پر منڈلاتے ہیں اور پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کیا کسی باز کا گھر پر بیٹھ جانا نیک شگون ہے؟ بہرحال یہ بُرا نہیں خیال کیا جاتا۔ اور چونکہ مہاتما جی اپنے برت سے چنگے بھلے بچ جاتے ہیں۔ یہ اچھا بھی سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی اُلّو کسی مکان پر بیٹھ جائے تو یہ زبردست بدشگون خیال کیا جاتا ہے۔

فصلی پرندے

رائٹر کا ایک پیغام بتلاتا ہے کہ ٹیونسیا کی لڑائی کے نتیجہ کے طور پر ہزاروں پرندے ملک کو چھوڑ گئے ہیں۔ اور سمندر کو عبور کر کے سپین چلے گئے ہیں۔ جہاں وہ اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ کسان انہیں چھڑیوں اور پتھروں سے مار رہے ہیں۔ بظاہر اُن کی عقل حیوانی، انسانی سیاسیات میں بھی اُن کی رہنمائی کرتی ہے کیونکہ اگر وہ جنوبی افریقہ کے بارود کو پسند نہیں کرتے تھے تو وہ سسلی یا سارڈینیا یا اٹلی یا بیلیارک جزائر میں جا سکتے تھے لیکن وہ ایک غیر جانبدارانہ ملک میں چلے گئے ہیں۔ گرچہ اُس سے بھی اُن کی جانوں کی حفاظت کی گارنٹی نہیں ہوتی کیونکہ غیر یقینی زندگی سے اُڑ کر وہ یقینی موت کے منہ میں چلے گئے ہیں۔

سانپ اور گھی

ہم نے گھی اور مکھن کی کئی ایک آمیزشوں کی بابت سُن رکھا ہے۔ مارگرین (MARGERAIN) مکھن کی مُسلّمہ ملاوٹ ہے اور بنسپتی جلدی ہی گھی کے بارہ میں وہی رتبہ اختیار کر لینے والا ہے۔ کچھ سال گذرے جب سنٹرل

لیجسلیچر میں یہ تحریک کی گئی کہ بنسپتی یا نباتی گھی کو رنگ دیا جائے۔ تاکہ بطور گھی کی آمیزش کے یہ پہچانا جا سکے۔ تو حکومت ہند کے کامرس سیکرٹری نے کہا تھا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ اپنا، لارڈ اروِن اپنا اور کامرس ممبر اپنا عہدہ کھو بیٹھیں گے۔ اس لئے کہ ہوم گورنمنٹ، ہالینڈ کے ایما پر فوراً اس سوال کو اُٹھائے گی۔ کیونکہ اس تحریک سے ہالینڈ کی تجارت برآمد کو نقصان پہونچے گا۔ اور جو بدلہ لینے کے لئے برطانیہ کی برآمد دور اور دُودھ سے بنی ہوئی چیزوں کے خلاف ہو جائے گا۔ گائے کا گوشت، چربی، کیلے، آٹا۔ اور سستے ہندوستانی نباتاتی تیل مثلاً مونگ پھلی مزید آمیزشی چیزیں تھیں۔ لیکن آج تک سانپوں کی چربی کی بابت کس نے سُنا ہے کہ وہ بھی آمیزش کے میدان میں مقابلے پر اُتر آئی ہے؟ کہا جاتا ہے کہ کلکتہ میں کچھ سوداگروں نے اس فن میں کمال کر دیا ہے۔ سانپوں کی بڑی بھاری تعداد پکڑ لی جاتی ہے اور اُبلتی ہوئی دیگچی میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور جو مائع چربی اس طرح نکلتی ہے اسے گھی میں ملا دیا جاتا ہے۔ ہم سنتے ہیں خوش قسمتی سے یہ دھوکا پکڑا گیا ہے۔ اور گنہگاروں کو سزا دی گئی ہے۔

واجی کرن یعنی شہوت انگیز

مچھ کی چربی کی بابت یقین کیا جاتا ہے کہ یہ شہوت پیدا کرتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی اس 'خوبی' کے لئے اس کی بہت تلاش کی جاتی ہے۔

زہر

شیر ببر کی مونچھوں کے بال از حد زہریلے خیال کئے جاتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ بادشاہتیں بُرے ارادوں کے ساتھ ان کا استعمال کرتی ہیں

ابورجینیز اور یورپین

اسمبلی کے چند قوانین میں بڑے عجیب میل دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہ سچ ہے کہ جس طرح سفر اور سیاسیات میں عجیب ساتھی مل جاتے ہیں۔ ویسے ہی قوانین میں بھی اُن سے کم نہیں۔ حق رائے دہندگی کی تمام کیفیتوں میں میونسپل قوانین رائے دہندگی یا اُمیدواری کی ناقابلیت کے لئے نابالغوں، پاگلوں، غیر ڈسچارج شدہ دیوالیوں اور مستورات کو اکٹھا رکھتے تھے۔ لیکن بعد میں اُن لوگوں کو بھی ان کے ساتھ ملا دیا جنہیں خاص جرائم میں خاص میعادوں کی سزا ہوئی تھی۔ مگر شراب نوشی کی بندش کے متعلق سب سے آخری قوانین میں برتنوں کی فہرست میں ابورجینیز اور یورپین کو اکٹھا کیا گیا ہے۔ قانون کی نظر میں یہ کس قدر عجیب میل ہے۔ لیکن ویسے بہت زیادہ ملتا جلتا جوڑ ہے۔

دائیاں سے بائیاں

ہم تمام نے سُن رکھا ہے کہ کِس طرح ایک آدمی کو دائیں اور بائیں گالیاں دی جاتی ہیں اور یہ بھی سُن رکھا ہے کہ لوگوں کو چپ و راست پیٹا جاتا ہے۔ ہم عربی کے رسم الخط سے بھی واقف ہیں جو بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہیں۔ لیکن چند آدمی اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ جب برہمی لپی (رسم الخط) بائیں سے دائیں لکھی جاتی ہیں تو کروشٹی (لپی رسم الخط) دائیں سے بائیں۔ رسوم الخط کا ذکر کرتے ہوئے اِنسان حیران ہے کہ دیوناگری کے کیا معنی ہیں۔ ہم جانتے ہیں یہ کیا ہے لیکن ہمیں اس کا منبع معلوم نہیں۔ کیا کوئی اس بات پر روشنی ڈالے گا؟

ٹوپ اور خاوند

ایک انگریز دوست نے مجھے بتلایا کہ اس کی بیوی کا تعارف لیڈی ...... سے ہونا تھا جو وائسرائے کی بیوی تھی۔ قومی کام میں معروف عورتوں کے لئے یہ عزت کا نشان تھا۔ لیکن اُس نے کہا۔ میرے لئے یہ کافی زیادہ خرچ کی بات ہے، میں نے دریافت کیا 'کیوں؟' 'آہ! ایک نیا

پیٹی کوٹ اور ایک نئے ہیٹ پر ہر جگہ تقریباً ۵۰ روپے خرچ کی بات ہے؛ میں نے کہا، آپ کی عورتوں کے فیشینبل لباس میں ہیٹ کا کافی حصہ ہے؛ اُس نے کہا، ضرور ہے! اور ڈراموں اور ناولوں میں بہت سی چیزوں میں سے ایک چیز جو نوجوان عاشق اپنی محبوبہ کو پیش کرتا ہے وہ ہمیشہ ایک نیا ہیٹ ہوتا ہے! میں نے پُوچھا "آپ کی حالت میں بیوی دوکان سے چیزیں خریدتی ہے اور مرد اُن کا بل ادا کرتا ہے" "آہ، ٹھیک ہاں یہی بات ہے سوائے اس کے کہ کبھی کبھی خاوند بیوی کے ساتھ دوکان پر جاتا ہے۔ اور خالی نظر سے سامنے پارسل کو اُٹھا کر باہر کھڑی کار میں رکھ دیتا ہے!!!!"

لوئیس فشر

لوئیس فشر سے زیادہ ان دنوں کسی بدیشی کا نام مشہور نہیں ہے۔ جس نے ۱۹۴۲ء میں ہندوستان سے امریکہ واپس جا کر امریکن اخبارات میں کرپس مشن کے متعلق متعدد مضامین لکھے۔ اور کرپس اور اُس کے سیکرٹری سپرائٹ دونو کا کام ختم کر دیا۔ ان دونو حضرات نے امریکہ کے اخبارات میں کرپس نکتہ نگاہ کی حمایت کی تھی۔ لیکن فشر نے جب وہ ۱۹۴۲ء میں ہندوستان میں تھا تو ہندوستان کی بڑھتی ہوئی

سیاسی حالت یا کرپس کے "رو بہ تنزل" سیاسی مشن کے متعلق کسی قسم کا اظہار رائے نہیں کیا۔ بخلاف اس کے روانگی سے پہلے ایک ڈنر پہ اُس کی گفتگو سے لوگوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اُس نے جو کچھ بعد میں ظاہر کیا۔ پہلے اُس سے عین برخلاف رائے قائم کر رکھی ہے۔

"بڑے آدمی"

کہا جاتا ہے کہ "بڑے آدمی اکثر اکٹھے پیدا ہوتے ہیں" پروفیسر بلیکی نے ایک بار یہ بیان کیا اور کسر نفسی کے ساتھ اس کی تشریح یوں کی "مثلاً ۱۸۰۹ء میں تین بڑی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ملکہ وکٹوریا مسٹر گلیڈسٹون اور میں خود۔" بڑے آدمی بیمار بھی اکٹھے ہوتے دکھلائی دیتے ہیں۔ جب گاندھی جی برت رکھ رہے تھے تو خواہ یہ بیماری رضاکارانہ ہی ہو تاہم بیماری ضرور تھی۔ اور جو فروری ۱۹۴۳ء میں مہلک ثابت ہونے والی تھی۔ ٹھیک اُسی وقت وزیر اعظم چرچل اور پریذیڈنٹ روزویلٹ بیماری کے دور سے گزرے۔ ظاہر ہے چرچل کو پھیپھڑوں کا نمونیہ ہو گیا تھا۔ جس میں ٹمپریچر جیسا کہ ہم نے پیشتر ہی خیال کیا تھا نازک حالت پر جا کر نیچے آئی گرچہ صحتیابی نے جیسا کہ اس بیماری میں عموماً ہوتا ہے کافی عرصہ لیا۔ چرچل کے علاج کے لئے ایک مشیر بلایا گیا۔ جس کا نام

دلچسپی تھا۔ لیکن علاج کرنے والے ڈاکٹر ولسن اور مارشل تھے۔ ایسی عدالتوں میں مشیر عام طور پر رائل کالج آف سرجنز کا صدر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کنونشن کے بغیر کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ اُسے کیسے بلایا جا سکتا تھا۔

کرٹن۔ تب اور اَب

برنارڈ شا کے "پائیگمیلین (Pygmalion) میں ایک پھول بیچنے والی لڑکی کو دلچسپ بنانے کا کام پروفیسر ہگنز اور کرنل پکرنگ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ آخر اس میں ایک اچھے غسل خانے کے جس میں صابون، برش، شیشے اور تولئے ہوں اور ایک اچھے ڈریسنگ روم کے جس میں شیریں خوشبوئیں اور قیمتی لباس ہوں استعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں میز کے اطوار اور ڈرائنگ روم گفتگو میں مختصر سے ٹریننگ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اب بھی ایسٹ اینڈ کے بھدے پن باقی رہ جائیں تو انہیں نئے سٹائل سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ایک مزدور آدمی کو وزیر بنا دینا دونوں طرح سے زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ کیئر ہارڈی کا زمانہ ختم ہؤا۔ کیئر ہارڈی جو تاج کو پگھلتے ہوئے برتن میں پھینک دینے کی باتیں کیا کرتا تھا۔ اور جس نے ویسٹ منسٹر کے سارجنٹ سے پوچھے جانے پر، سائیں تمہارا کام کہاں ہے۔ "چھت پر" فوراً یہ جواب دیا۔

رہنہیں۔ فرش پر، ریمزے میکڈانلڈ اپنی زندگی میں دوبارہ مزدور وزیر اعظم بنا اور پھر قومی گورمنٹ کے ابراہیم کے سینہ میں جذب ہو گیا۔ کرٹن جنگ کی ایک پیداوار ہے۔ جس کی بابت ہندوستان میں مشرقی گروپ کونسل کے آسٹریلین نمایندہ نے بہت زیادہ تعریف آمیز کلمات نہیں کہے۔ لیکن جو جنگ میں نہ صرف یہ کہ اچانک ہی بطور وزیر اعظم آسٹریلیا سے اقتدار اور شہرت کی روشنی میں آجاتا ہے بلکہ اُس کے اندر یہ گستاخانہ ہمت بھی آجاتی ہے۔ کہ وہ چرچل اور روز ویلٹ کے سامنے آنے کا حوصلہ کرے۔ اور انہیں اس بات کے لئے ملزم گردانے کہ اُنہوں نے اس وقت آسٹریلیا کو کافی فوجی امداد بہم نہیں پہنچائی۔ جس وقت اسے جاپانی حملہ کا بڑا زبردست خطرہ ہو رہا ہے۔

ہندوستانی آرٹ!

تیس یا چالیس سال گذرے ہندوستان کے کالجوں اور سکولوں میں یہ بات مُسلمہ تھی کہ ہندوستان کی نہ ہی کوئی مُصوّری ہے اور نہ ہی شاعری تب اجنتا کی غاریں اور اُن پر تصویریں نمودار ہوئیں جو مہذب انگلستان اور جرمنی کے لئے معمہ ثابت ہوئیں۔ پُرانے زمانہ کے سنسکرت شاعر کالیداس اور بھوابھُوتی دوبارہ زندہ ہو گئے۔ جنہوں نے شیکسپیئر اور بن جانسن

کو مات کر دیا۔ ہندوستان کا ڈرامہ انگلستان کے ڈرامہ سے کم از کم پندرہ سو سال پہلے کا ہے۔ اور جب ہمیں یہ بتلایا جاتا ہے کہ "مرچا کا ٹکا" (کھلونا گاڑی) امریکہ میں دکھایا گیا۔ جس سے وہاں کے عالموں اور عقلمندوں کو بہت خوشی ہوئی تو ہمیں حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس کھیل نے کلچرڈ امریکن حاضرین کے سامنے اتنے پہلے کے یعنی ۲۶-۱۹۲۵ء کے ہندوستانی آرٹ کے دبے ہوئے جذباتی پن کی ایک جھانکی پیش کی ہے۔

۹ر اپریل ۱۹۴۳ء (ایک غمی کا دن)

ہم نے اب تک مہینہ کی نو تاریخ کو نو بار گنا ہے لیکن کسی موقعہ پر بھی ساکنانِ قلعہ کی بلند سپرٹ اور خوشی کسی موت کی غمناک خبر سے ماند نہیں پڑے۔ ۱۲ر مارچ کو یہاں ایک تار پہنچی کہ مولانا آزاد کی زوجہ بیگم آزاد سخت بیمار ہیں۔ پریس اس خبر کو دے رہا تھا اور غالباً ریڈیو روز بروز۔ لیکن ظالم بیماری مریضہ کی حالت لگاتار ابتر بناتی گئی۔ یہانتک کہ وہ آج صبح ۶ بجے کلکتہ میں وفات پا گئی اور ہمیں ایک بجے بعد دوپہر خبر ملی۔ مولانا نے ہمت کے ساتھ اس صدمہ کو برداشت کیا ہے۔ اس سے پہلے مولانا کا وزن ۲۵ پونڈ کم ہو گیا تھا اور اس ہفتہ ۶ پونڈ اور کم ہو گیا ہے۔

(نوٹ۔ اتنا لکھنے کے بعد مندرجہ ذیل نوٹ کا اضافہ ۱۸ ماہ کے بعد کیا جاتا ہے۔ ہمیں اطلاع ملی کہ مولانا آزاد کی بیگم نے وائسرائے سے درخواست کی جس پر ڈاکٹروں نے سفارش کی کہ وہ اپنے خاوند سے ملنا چاہتی ہیں اور وائسرائے نے ۵ اپریل ۱۹۴۳ء کو یہ حکم دیا کہ مولانا ہوائی جہاز میں کلکتہ لے جائے جائیں۔ لیکن ایسا نہیں ہونا تھا)

ایک اور موت

یہ بھاری جزیہ ہے جو کانگریس نے موت کو ادا کیا ہے۔ اس پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ قومی تحریک ایک لمبے عرصہ کے لئے ہے اور جو بیشتر ہی تقریباً چوتھائی صدی سے زیادہ عرصے چلی ہے۔ جس میں باپ اور بیٹا۔ بھائی اور بہن نیز خاوند اور بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا ہے۔ اور انہیں یہ سادہ تسکین بھی نہیں مل سکی کہ وہ اپنے کنبہ کے مرنیوالے افراد کے بستر مرگ کے پاس موجود ہوں۔ ستیہ مورتی کے پریوار کو یہ افسوسناک اطمینان حاصل تھا کہ وہ ان چند ہفتوں میں جو ستیہ مورتی کی رہائی کے بعد موت سے پہلے ہے۔ اس کے بستر کے پاس رہا۔ اس کی تیمارداری کی۔ الغرض جو کچھ ہو سکا اس کے لئے کیا۔ گورنمنٹ نے "بہت زیادہ دیر اور بہت تھوڑا" کے اصول پر عمل کیا جب انہوں نے ستیہ مورتی کو

امراؤتی سے مدراس تبدیل کر دیا اور اس وقت رہا کیا جب حکومت کے اس منصفانہ فعل کی آدھی خوبی لیکن ساری قیمت جاتی رہی۔ جو اعزاز ہندوستان کے اس لائق اور محبِّ وطن فرزند نے حاصل کیئے اُن کی فہرست لمبی ہے کیونکہ مرحوم کی سرگرمیاں صرف سیاسیات تک ہی محدود نہ تھیں بلکہ تعلیم، آرٹ، اقتصادیات اور قانون سازی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن سب کچھ کہنے اور کر چکنے کے بعد یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اپنے نصب العین اور اپنی اُمنگوں کو حاصل کئے بغیر ہی ستیہ مورتی جوانی میں چل بسا۔ جیسا کہ غالباً ہندوستان میں سوراجیہ کے لئے جد و جہد کرنے والوں کی کثیر تعداد کی قسمت میں لکھا ہے۔ ۱۹۲۰ء سے آگے جو بھی شکوک وہ کانگریس پروگرام کو قبول کرنے کے متعلق رکھتا تھا۔ اُس کے دائمی کریڈٹ کے لئے یہ ضرور کہا جائے گا کہ وزارتوں کے استعفےٰ سے لے کر اجتماعی سول نافرمانی کے پاس کرنے تک وہ کسی بھی سمجھوتہ کے خلاف ڈٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنی جان تک مادرِ وطن کی بھینٹ کر دی۔ کچھ عرصہ بعد میں نے سُنا کہ جب ستیہ مورتی تین نظربندوں کی پارٹی کے ساتھ ناگپور منتقل کر دیا گیا تو اُسے مینہ میں ہلتی ہوئی بس پر ۹۰ میل سے زیادہ فاصلہ پر امراؤتی لے جایا گیا۔ اور راستہ میں پینے کے لئے پانی بھی نہیں دیا گیا۔ اس کی بیماری ستمبر ۱۹۴۲ء میں جیل کے آنے کے چار دن بعد شروع ہوئی۔ اور مارچ ۱۹۴۳ء میں وہ کوچ کر گیا۔

"عجیب معلومات" (نوندھی)

آپ شام اُس بازار کو جائیں جہاں سیکنڈ ہینڈ کتب فروخت کی جاتی ہیں اور آپ ایک غیر مُروّج تصنیف کو دیکھتے ہو۔ ممکن ہے کہ وہ آپ کی ہی ہو یا جس پر آپ کے متعلق مخلوط حوالہ جات ہوں۔ میں ہندی میں کہانیوں کی ایک کتاب 'نوندھی' پڑھتا رہا ہوں جس میں ایک کہانی الہ آباد قلعہ سے چندرکماری کے بھاگ جانے کی ہے۔ وہ رنجیت سنگھ کی رانی تھی اور ۱۹۴۲ء میں اُس کی شکست کے بعد وہ قلعہ میں قید ہوگئی تھی۔ جہاں سے وہ آزادی کی ہوا میں سانس لینے کے لئے نیپال بھاگ گئی۔ اُس کے بیٹے دلیپ سنگھ کو انگلستان بھیج دیا گیا۔ جہاں اُس نے اپنی شکایات کا ایک میمورنڈم تیار کیا تاکہ پارلیمنٹ کے ممبروں میں پرائیویٹ طور پر اس کی اشاعت کی جائے۔ یہ کتاب اور ایک اور اتفاق سے ایک نیلامی میں بابو شو پرشاد گپتا کے ہاتھ میں آگئیں اور اس طرح ہندوستان کو انگلستان میں دلیپ سنگھ کی کوششوں کا پتہ لگا۔ لیکن دوسری کتاب اس سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ اسمیں آریہ سماج کی سرگرمیاں اور ۱۹۱۲ء میں اس کے سیاسی نکتہ نگاہ کا ذکر ہے۔ یہ ایک پرائیویٹ تصنیف ہے جس میں خاص آدمیوں کے نام ضلع وار درج تھے۔ یہ کتاب ریورینڈ مسٹر ہالینڈ کی لائبریری کی تھی اور بڑی حیرانی کی بات ہے کہ اس پر بابو شو پرشاد گپتا کا نام تھا جس نے اسے نیلامی میں خریدا۔

نیا سال (شمسی) اور وکرم ساکا!

قمری سال کا شروع بدلتا رہتا ہے۔ اور اس سے تیلیگو، مہاراشٹر اور صوبجات متحدہ (تین اضلاع کے سوا) کے نئے سال کا فیصلہ ہوتا ہے۔ بنگال تامل۔ نیڈو، صوبجات متحدہ کے تین پہاڑی اضلاع اور پنجاب میں شمسی سال رائج ہے اور یہ عام طور پر ۱۳ اپریل کو شروع ہوتا ہے۔ اس سال پنجاب (ٹربیون) نے اسے ۱۳ اپریل کو شروع کیا۔ بنگال (امرت بازار پترکا) ۱۵ اپریل کو اور ہم ساکنان قلعہ احمد نگر نے ۱۴ اپریل کو۔ لیکن اس سال کی دلچسپی اس بات میں ہے کہ یہ وکرمار کا ساکا کے دو ہزار سال پورے ہو جانے کو ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ ہم سبھی دور کے اس قدر عادی ہو چکے ہیں۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنی گذشتہ تاریخ کو بھی یاد کریں۔ اور اس لئے "ٹربیون" اخبار کا ایک اقتباس نیچے دیا جاتا ہے:۔

وکرمی سمت اور اس کا بانی

۱۳ اپریل وکرمادتیہ کے ہندوستانی سمت کے دو ہزار سال پورے ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ بڑے بھاری قومی جنگ کا فاتح۔ موجودہ سنسکرت ادب میں جو کچھ بہترین اور سب سے خوبصورت ہے اس کا مُربی اور ہشیار

کہانیوں کا مضمون یعنی وکرمادتیہ آف اُجین۔ ہندوؤں کے لئے ایسا ہے جیسا فرانسیسیوں کے لئے شارلیمگنے، انگریزوں کے لئے الفریڈ، بودھوں کے لئے اشوک اور مسلمانوں کے لئے ہارون الرشید۔ اس قومی ہیرو کی بابت ہندوستان کی تمام زبانوں میں بے شمار قصّے کہانیاں لکھی گئی ہیں۔ نہ ہی رولینڈ اور نہ ہی آرتھر ادب میں جان جوکھوں والے افسانہ کا اتنا مضمون بنتے ہیں جتنا کہ وکرمادتیہ والئے اُجین۔ تواریخی طور پر اُس نے غیر ملکی حملہ آوروں کو پسپا کیا۔ اور تمام شمالی ہندوستان اُس کی زبردست اور مہذب حکومت کے ماتحت آ گیا۔ امن وامان کے تمام فنون پھیل گئے۔ سائنس و ادب و ترو تازگی ملی۔ شاعری اور ڈرامہ نے اپنے جادو کے لیمپ جلائے۔ اور ہندو تواریخ کے اپنے مقدس عہد پر روشنی برسائی۔ خود مذہب نے طاقت اور زندگی حاصل کر لی۔ اور موجودہ ہندوازم اس کی پدرانہ نگرانی کے نیچے ترقی کرنے لگا۔ وکرمادتیہ کے بزرگ جو اصل میں سکھین تھے صدیاں گزریں ہندوستان میں وارد ہو کر آباد ہو گئے۔ کسی موزوں وقت پر گندھروسین نے اُجین کا درخت چھین لیا۔ اور قبل مسیح پہلی صدی وہاں حکومت کی۔ اُس کے بعد اُس کا سب سے بڑا بیٹا سلو کا جانشین ہوا۔ جس نے تھوڑی دیر وہاں حکومت کی اور تب اپنے بھائی وکرمادتیہ کے طمع و آز کا نشانہ بن گیا۔ جس نے کچھ فتوحات کیں اور ایک بڑی بھاری سلطنت کو مستحکم کیا۔ کچھ سالوں کے بعد عنانِ حکومت اپنے بھائی بھرتری ہری کے حوالہ کر کے جو مشہور شاعر تھا۔ خود سنیاسی کے بھیس میں باہر چلا گیا۔ تا کہ

ہندوستان اور ہندوستانی سیاسیات کا مطالعہ کرے۔ کئی سال بعد اپنی خاندانی مصیبت کے باعث دُنیا سے تنگ آ کر بھر تری نے راج کو وزیروں کے سپرد کیا اور خود کنارہ کش ہو گیا۔ یہ سُن کر وکرمادتیہ فوراً دارالخلافہ چلا آیا۔ اور ایک بڑی بھاری فوج کو مرتب کر کے اُس نے سھتین اور پارتھیان کو پیچھے دھکیل دیا۔ اور شمالی ہند میں کافی فتوحات حاصل کیں۔ چونکہ وہ ہندو علمیت اور مذہب کا ایک بڑا مُربی تھا۔ اس لئے عالم اس کے دربار میں بھاگے چلے آتے تھے۔ روایت یہاں تک ہے کہ نورتنوں کا مشہور دربار اُسی کا تھا جو زمانہ برہمنی کے دوبارہ زندہ ہو جانے کی خوشگوار پیداوار ہے۔ لوگ اُس کی پُوجا کرتے تھے۔ کیونکہ اس نے سھتین لوگوں کو کمال کی شکست دے کر ہندو قوم اور ہندو پن کو بچایا تھا۔ سھتین لوگوں کی سیاسی اہمیت اور غیر ملکی طرز و اطوار نے ہندوستانیوں کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ اس کا نام وکرم سین ہی وکرمادتیہ (طاقت کا آفتاب) کہلانے لگا۔ اور اُس کا شہرا دنتی اُجینتی (فاتح شہر) کہلانے لگا۔ لوگوں نے نہایت غلبہ سے اُس کے نام پر سمت شروع کر دیا۔ لیکن اس نے کسر نفسی کے ساتھ اس عزت سے انکار کر دیا۔ یہ خیال کرتے ہوئے کہ ساکاؤں کے مقابلہ میں اسے جو کامیابی ہوئی۔ وہ زیادہ تر مالوہ کے لوگوں کی وجہ سے تھی۔ پس سمت مالوہ بنا یعنی مالوہ کا سمت کے نام سے مشہور ہوا۔ اس سے غالباً وکرمادتیہ کو شاباش اور مبارکباد ملی۔ تاہم چند صدیاں یہ سمت بغیر کسی قسم کی تبدیلی کے چلتا رہا۔ تب نئے وکرمادتیہ کی تازہ فتوحات نے سمت کے اُس چلنے کو وکرما سموت میں تبدیل

کردیا۔ بہت سے بادشاہوں کو مختلف عہدوں میں اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایسا لقب دیا گیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے ایک سے زیادہ کارناموں کو اُن کہانیوں میں بھی جن کی کوئی تواریخی بنیاد خیال کی جاسکے خلط ملط کر دیا گیا اور وکرمادتیہ کے نام بلکہ خطاب کے ارد گرد کہانیوں کا جو بڑا پُلندا اکٹھا ہو گیا ہے۔ اُس سے تواریخی عناصر اور خالص فرضی کہانیوں میں تمیز کرنا ایک بیبود کوشش ہے۔

(ار جانکیداس ایم اے)

فصلی سال،

ستاروں کی گردشوں کی بنا پر انسان یہ پوچھنے پہ مائل ہوتا ہے کہ فصلی سال جو تمام ہندوستان میں یکم جولائی سے ۳۰ جولائی تک چلتا ہے اُس کا آغاز کیا ہے۔ مدراس میں یہ کو اپریٹو سال ہے اور دیہات میں مالی حسابات 'فصلی' سال کے مطابق رکھے جاتے ہیں۔ اور یہ سال ۱۹۴۲ء 'فصلی' کا ۱۳۵۰ واں سال ہے۔ ۱۳۵۱ واں 'فصلی' سال یکم جولائی ۱۹۴۳ء کو شروع ہوتا ہے۔ لفظ 'فصلی' سے مراد ہے 'فصل متعلقہ'۔ نئی کاشت جون یا جولائی میں شروع ہوتی ہے۔ اور اس لئے اس جملہ میں ایک خاص موزونیت ہے۔ لیکن عدد کا پتہ کیسے لگایا گیا اور کس نے اسے شروع کیا؟ کہا جاتا ہے

کہ 'فصلی' سال اختیار کیئے جانے کا پتہ اکبر کے عہد میں راجہ ٹوڈر مل کے کام تک ملتا ہے۔ اُنھوں نے ضرور اکبر کے عہد میں ہجرت یعنی بعد مسیح ۶۲۲ سے گن کر کے جب حضرت محمد پیغمبر نے مکّہ سے مدینہ ہجرت کی کسی خاص سال کو مقرر کیا ہوگا۔ اُس روز کو جاری کرنے کا مدعا واضح طور پر ایک شروع کرنے کا نقطہ حاصل کرنا تھا۔ ٹھیک جس طرح سانورہن سا کا ۷۸ سال بعد مسیح شروع ہوا اور وکرما ۵۷ سال قبل مسیح۔ ایک مسلمان حکمران قدرتی طور پر ان دونوں میں سے کسی کو بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ نہ ہی یہ اچھا تھا۔ کہ وہ ہندو اور مسلم سموتوں کو چھوڑ کر عیسائی سموت کو ترجیح دیتا۔ غالباً ایسٹ انڈیا کمپنی بھی اُس وقت کام نہیں کر رہی تھی۔ کیونکہ اکبر ۱۶۰۵ء میں وفات پا گیا۔ اس اساس پر ہجری سال ۱۳۶۱ = ۱۹۴۲ ہونا چاہیئے لیکن یہ ۱۳۵۰ ہے۔ تقریباً گیارہ سالوں کا فرق ہے۔ بظاہر 'فصلی' سال پورے ۳۶۵ دنوں کا ٹھیک صحیح سال ہونا تھا۔ کم از کم اس وقت سے جب یہ مقرر کیا گیا تھا۔ اس نقطہ سے ۳۶۵ دن کے صحیح شمسی سال کی گنتی کی گئی لیکن ۲۱ مارچ سے نہیں بلکہ زراعتی وجوہات کے باعث یکم جولائی سے۔ اُس حساب سے چونکہ 'فصلی' دور مقرر کیا گیا تھا۔ اور وُہ ضرور ۱۶۰۰ سال بعد مسیح کے پہلے مقرر کیا گیا ہوگا۔ اس لئے 'فصلی' کے شمسی سال اور ہجری کے قمری سال میں ہر سو سال میں تین سال اور کچھ زیادہ کا فرق ہے۔ لہذا ساڑھے تین سو سال سے $3\frac{1}{2} \times 3\frac{1}{2}$ یعنی ۱۱ سال کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

پرندوں کا مجامعت کرنا

میرے کمرہ میں جو چڑیوں کا جوڑہ رہتا ہے اُن میں سے ایک کے ساتھ ہم نے آج ایک افسوسناک حادثہ ہوتے دیکھا ہے۔ چڑی منحرک بجلی کے پنکھے کے پلیٹوں سے ٹکرائی۔ یکایک میں نے ٹکّر کی ایک آواز سُنی اور اس کے تھوڑی دیر بعد غریب پرندہ کو ولایتی ٹاٹ کی کرُسی میں دیکھا جہاں یہ اپنے کندھے کی ہڈیوں کے مقام اتصال تو چکنّہ میں اُلجھا کر گر پڑی۔ فوراً بعد ہی وہ فرش پر گر پڑی۔ اور ٹھیک جب ہم اس کے لئے پانی لے جارہے تھے وہ اُڑ گئی۔ یہ جوڑے غیر معمولی جنسی ظہورات کو پیش کرتے ہیں۔ جب مجامعت کا موسم آتا ہے تو چڑا کچھ وقت کے لئے نیم حلقہ میں اِدھر اُدھر ناچتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا منظر ہے جو ابھی تک میں نے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ کیا جبل نے انہیں نچوادیا ہے؟

ٹھنڈا برف

جب ہم غیر ملکی الفاظ بولتے ہیں یا غیر مُلکی اشیاء کو بیان کرتے ہیں۔ تو ہم خاص اصطلاحات گھڑ لینے کے مُستوجب بن جاتے ہیں۔ ٹیلیگو کے علاقہ میں مٹی کا تیل بطور مٹی کا تیل، لون، رتیل، سے جانا جاتا ہے۔ پس تیل کا نام

مٹی کا تیل نہیں۔ بلکہ مٹی کا تیل تیل ہے۔ اس طرح ایک سپاہی نے جس کی ڈیوٹی گیٹ پر تھی ۔ اپنی دروازہ کی کتاب میں یہ الفاظ درج کیے۔ فلاں فلاں اس اس وقت آئے اور "ٹھنڈا برف" ساتھ لائے۔ بظاہر "ٹھنڈا" کا لفظ ظاہر کرنے والا ہے۔ محدود کرنے والا نہیں کیونکہ برف، ہمیشہ ٹھنڈا، ہوتی ہے۔

خود بخود چلنے والی مشین میں سوراخ اور اس کی آمدنی!

آپ ایک بڑے ریلوے سٹیشن پر جاتے ہیں۔ سوراخ میں ایک آنہ ڈال دیتے ہیں۔ اور دراز کو کھینچ لیتے ہیں۔ اور ایک پلیٹ فارم ٹکٹ آپ کو مل جاتا ہے۔ اس طرح سے آپ کو دیا سلائی کی ڈبیاں، سگرٹوں کے پیکٹ، چوکولیٹ یا ریزگاری (نقرئی سکوں کے بدلے تانبے کے سکے) مل سکتے ہیں۔ ان سوراخ دار مشینوں کی آوارہ مزاجیوں کے عجیب قصے مشہور ہیں۔ ایک دفعہ ایک دوست نے آدھا شلنگ ڈال دیا اور چھ تانبے کے سکوں کی بجائے اُسے چھبیس مل گئے۔ وہ زائد سکوں کا کیا کرے؟ ریلوے دفتر کے لوگ اس کی بابت شکایت نہیں سنتے۔ کیونکہ اس سے لامتناہی خط و کتابت شروع

ہو جاتی ہے۔ اور کسی ایک کو بطور پہلو کے نتیجہ کے برخاست ہونا پڑتا ہے۔
ایک باضمیر انسان جو بیس تانبے کے سکے زیادہ کھینچ بیٹھا بہت گھبرا کر مجھ سے پوچھنے لگا کہ حالات کو مدِ نظر رکھتا ہؤا میں کیا کروں گا؟ میں نے جواب میں کہا۔ کہ میں اپنے چھ سکے رکھ لوں گا۔ اور باقی بیس فقیروں کو خیرات کر دوں گا۔ اُس نے کہا 'آہ! لیکن انگلستان میں فقیر نہیں ہیں'۔ اور اُس نے یہ خیال کر کے تسلی کر لی کہ کئی بار اس نے پینی کو سوراخ پر رکھا تھا۔ لیکن اسے کچھ بھی نہ ملا تھا۔ یہ قصہ اس بحث سے پیدا ہؤا جو ر(الیکزینڈر) وزن کرنے والی مشین کے متعلق شروع ہوئی۔ صحیح وزن بتلانے سے پہلے اس مشین کو کافی طور پر ٹھیک کرنا پڑا۔ لیکن ایسی حالت میں بھی اگر تم آگے کی طرف جھکو تو وزن ۱۵۴ پونڈ ہوتا ہے اور اگر پیچھے کی طرف جھکو تو ۱۵۰ پونڈ۔ لہذا تمہارا وزن ۱۵۲ پونڈ درج کر لیا جاتا ہے۔ بڑے سٹیشنوں پر سیدھے ڈائل والی مشینیں ہوتی ہیں۔ جن کے سوراخوں میں اگر آپ نکل کا ایک آنہ رکھ دیں تو وہ تمہارا وزن درج کر دیتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی تراکیب ہیں جن سے تم اُسی ایک آنہ کے ساتھ دو آدمیوں یا ایک آدمی اور ایک عورت یا دونو عورتیں یا ایک آدمی ایک بچّہ یا ایک عورت اور ایک بچّہ یا دونو بچّے تلو تلوا سکتے ہو۔ ایک آنہ کو سوراخ پر رکھ دو اور دونو ترازو پر کھڑے ہو جاؤ۔ اور وزن درج ہو جائے گا۔ اب اُن میں سے ایک اُتر جاتا ہے اور کم شدہ وزن نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ فرق پہلے آدمی کا وزن ہے۔ کیا ایسا نہیں ہے؟

پنڈت مالویہ اور اُن کی ضمیر

قابلِ تعظیم پنڈت مالویہ کی بابت یہ مشہور ہے کہ آپ گاڑی کو عین آخری وقت پر پکڑتے ہیں۔ اس میدان میں اُن کا مقابلہ کرنے والا صرف مرحوم سر آر وینکٹارم نائیڈو سابق وائس چانسلر مدراس یونیورسٹی تھا جو تقریباً ہمیشہ گاڑی سے رہ جاتا تھا۔ ایک موقعہ پنڈت مدن موہن مالویہ آخری لمحہ میں گاڑی پر سوار تو ہو گئے لیکن ٹکٹ نہ خرید سکے آپ نے منزلِ مقصود پر پہنچ کر اس کرایہ کی پیشکش کی جو کہ انہیں روانہ ہونے والے سٹیشن پر دینا چاہیئے تھا۔ لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے یا تو جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ باعزت مسافروں کو مفت جانے کی اجازت دیدی جاتی ہے۔ لیکن پنڈت جی کسی پر بھی رضامند نہ ہوئے کیونکہ اُنہوں نے روانہ ہونے والے سٹیشن پر ریل والوں یا گارڈ کو ضرور مطلع کر دیا ہوگا۔ پس وہ گھر چلے گئے۔ اور اپنے لڑکے سے کہا کہ وہ سٹیشن پر جا کر بنارس سے الہ آباد کا اوّل درجہ کا ٹکٹ خریدے اور واپس گھر آ کر اسے تلف کر دے! کہا جاتا ہے کہ ضمیر ہم سب کو بُزدل بنا دیتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ ہم سب کو مسخرے بھی بنا دیتی ہے۔

پوشیدہ

ہم نے ۸½ مہینے یہاں پوشیدہ رہ کر گزار لئے ہیں۔ لیکن صرف ہم ہی بے معلوم نہیں ہیں بلکہ ہمارے یہاں کے سپاہی بھی آدھے بے معلوم ہیں۔ ایک سپاہی کو بیماری کے باعث واپس پونا بھیجنا پڑا تھا۔ لیکن معلوم ہؤا ہے کہ اُسے یرودا مرکزی جیل میں آؤٹ ڈور ڈیوٹی دی گئی۔ اور اُسے جیل کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ کیا گورنمنٹ کو یقین ہے کہ عوام ابھی تک یہ نہیں جانتے ہیں کہ ہم احمد نگر قلعہ کے باشندے ہیں؟

نورتن

مارکنٹھا۔ مانکیہ، واجرا، وئی دھورا، گومیدھکا۔ پرم ارگا۔ اندرا نیلا، مکتھا، پراوالا مشہور نورتن ہیں۔ مَیں نے کئی قیمتی پتھر اکٹھے کئے ہیں۔ لیکن اُن میں سے کوئی بھی ان مشہور رتنوں میں سے نہیں ہے؟ وہ ادنےٰ قسموں کے ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ان کا کیا کروں۔

ہندی

میں ہی یہاں اکیلا ممبر ہوں جو صاف طور پر ہندی یا ہندوستانی میں گفتگو نہیں کر سکتا۔ بس تین تین گھنٹے ہر روز انہیں سیکھنے میں لگاتا ہوں۔ پہلے پہل تُلسی رامائن نے میرے اندر کوئی کشش پیدا نہیں کی۔ لیکن جب مجھے گھر سے ایک چٹھی ملی کہ میری عورت سندر کانڈ پر پہنچ گئی ہے تو مجھے شرم محسوس ہوئی اور مَیں نے بہت کمی پوری کر لی۔ جُوں جُوں آپ پڑھتے چلے جائیں۔ یہ رزمیہ نظم (تُلسی رامائن) آپ کی ساری دلچسپی کو جذب کر لیتی ہے اور انسان یہ دریافت کرنے کے لئے للچا جاتا ہے کہ یہ تلسی داس کون تھا اور اس نے رامائن کو کب لکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو وہ اپنے والدین سے گم ہو گیا تھا یا اُنہوں نے اُسے چھوٹی عمر میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ وہ 'مول نکشتر' میں پیدا ہوا تھا۔ تاہم اسے چند سادھو مل گئے۔ اور اس نے ایک 'گورو' نرا ہری داس کے زیر سایہ تعلیم حاصل کی۔ وہ بکرم سمت ۱۶۸۰ یا ۱۶۲۳ سال بعد مسیح میں مر گیا اور ظاہر ہے کہ اکبر اور اس کے بیٹے جہانگیر کے زمانہ میں پھلا پھُولا۔ وہ صوبجات متحدہ کے ضلع اٹاوہ میں سُو کے کشیتر میں پیدا ہوا تھا۔

سُرخ بال اَور بدمزاجی

کئی کہتے ہیں کہ سُرخ بال اور بدمزاجی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ کیا آپ نے اس کی بابت سُن رکھا ہے؟ جبلپور کے ایک بنک افسر کی بات کہا جاتا ہے کہ وہ اتنا بدمزاج تھا کہ کوئی اس کے نزدیک بھی نہیں جاتا تھا۔ لیکن ایک بلیکھیا ایک وکیل یا ایک ڈاکٹر یا ایک اُستاد کس طرح اپنا اپنا کام کر سکتے ہیں اگر لوگ ان کے پاس جانے سے ہی ڈر جائیں؟ میں حیران ہوں کہ کیا رنگ کا ٹھپہ لگانے سے مزاج اور رنگ دونوں کی ترقی ہو جائے گی؟

کُرّہ ہوائی کا درجہ حرارت

ہمارے پاس یہاں کرّہ ہوائی کا درجہ حرارت ماپنے کا ایک تھرمامیٹر ہے۔ لیکن یہ زیادہ سے زیادہ اور کم از کم ٹمپریچر کا تھرمامیٹر نہیں ہے۔ یہ دن کی گرمی کی ماپ سے ٹھیک ۱۲ ڈگری آگے ہوتا ہے۔ عرصہ سے ہمیں ایک کمانی دار تھرمامیٹر مل گیا ہے۔ جو اُس کلاک کی مانند دکھلائی دیتا ہے۔ جس کی سوئیاں اور ڈائل بھی ہوں۔ یہ ٹمپریچر کا

بہتر ریکارڈ دینا ہے۔ جس سے ہم اس سے پہلے کے بیترمامیٹر کی غلطی کی حد کا پتہ لگا لیتے ہیں۔

بیڈمنٹن ۔ جگہ یا کھیل

ہم تمام کافی عرصہ تک اس کھیل کو جانتے ہیں۔ ان دنوں ہم اپنے بچپن کے زمانے کے بلّوں سے زیادہ نازک بلّوں کے ساتھ شٹل کاک اور بیٹل ڈور (BATTLE DOOR) کھیلتے رہے ہیں۔ لیکن دلچسپی کی بات وہ نکتہ ہے جسے مجھے تسلیم کرنے میں کوئی شرم نہیں۔ جس کھیل کو ہم بیڈمنٹن کہتے ہیں وہ کھیل کا نام نہیں بلکہ جگہ کا نام ہے۔

مسٹر فلپس

پہلے کرنل جانسن امریکہ سے آیا۔ اُس نے کرپس کے متعلق اپنے بیان کی دھمکی دی۔ پھر مسٹر فلپس آیا جسے ہندوستانی پریس روز بروز ہندوستان میں صدر روزویلٹ کے ذاتی نمائندہ کے طور پر اتنا مشتہر کر رہا ہے کہ انسان محسوس کرتا ہے کہ خبریں شائع کرنے کی قلّت کے زمانہ میں اگر یہ لغو یعنی الفاظ

محذوف کردیئے جاتے تو کافی جگہ بچ جاتی۔ ٹھیک ایسے ہی اگر ہندستانی سیاستدانوں کی نقل و حرکت کی اشاعت کے ساتھ "اپنے پرائیویٹ سیکریٹری مسٹر .... کے ساتھ" کے الفاظ بھی کاٹ دئے جاتے۔ بہرحال دُنیا میں ہر چیز کا خاتمہ ہے اور اسی طرح ہندوستان میں فلپس کے دورہ کا بھی۔ ریاستہائے متحدہ کے کچھ ایک اخبار نویسوں نے اس کی مہم کو چائے کی میز کی گفتگو بیان کیا ہے۔ لیکن اپنی آخری پریس کانفرنس میں یہ ظاہر کرکے کہ "اُسے گاندھی جی سے ملنا چاہیئے تھا۔ لیکن اُسے اطلاع یہ ملی کہ اُسے ضروری سہولتیں بہم نہیں پہنچائی جائیں گی۔" اُس نے اپنی پوزیشن صاف کردی ہے۔ اس لئے اغلب یہ ٹھیرتا ہے کہ ہندوستان میں اس کی متوقع واپسی اُتنی ہی بے اُمید سمجھی جائے گی جتنی کہ کرنل جانسن کی۔

صرف ایک اصطلاحی غلطی

گذشتہ جنگ میں برطانیہ کے لئے ہمارے پاس ڈی۔ او۔ آر۔ اے کے الفاظ تھے اور ہندوستان کے لئے ڈی۔ او۔ آئی۔ اے۔ وہ تھے سلطنت کا تحفظ اور تحفظ آف انڈیا قوانین۔ اس دفعہ یہ ڈی۔ آئی۔ اے ہیں معہ بڑی لمبی چوڑی بناوٹ کے۔ نیز قاعدہ ۲۶ اس فیصلہ سے کسی قدر مشہور ہوگیا ہے۔ جو سر مورس گائر نے فیڈرل کورٹ میں اپنی ملازمت کے آخری

دن دیا۔ جس میں اُنہوں نے اس قاعدہ کو خلافِ قانون قرار دیا۔ کیونکہ اس کی زبان دفعہ ۲-۱۰ا کے مخالف ہے۔ جس کے ماتحت اس کا وضع کیا جانا بتلایا جاتا ہے۔ انڈیا آفس کے افسروں نے اس فیصلہ کی قیمت کو کم از کم کر دیا ہے اور بیان کیا ہے کہ ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے دیگر بہت سے فیصلہ جات تھے۔ جس کے ماتحت بہت سے نظر بند کانگرسی زیر حراست رکھے جاسکتے تھے۔ یہ بات مجھے مدراس کے ایک ایڈووکیٹ کی یاد دلاتی ہے۔ جس نے بغاوت کے ایک مقدمے میں بطور وکیل استغاثہ کام کرتے ہوئے ایک دستاویز کے داخلہ کے لئے التجا کی جس التجا کے لئے اب دفعہ چار ہے تب دفعہ ۷ تھی۔ اور اس کے بعد ہندوستانی قانون شہادت کی کوئی دفعہ ہو گی۔ انڈیا آفس نے اس نقص کو جس کی طرف فیڈرل کورٹ نے اشارہ کیا بالکل معمولی اور اصطلاحی قرار دیا۔ وہ بہت حد تک بوٹوں کی اس بڑی بھاری مراسلت کی مانند ہے جو جنگ کریمیا میں کیمپ بھیجے گئے تھے اور جس میں تمام بُوٹ صرف ایک ہی پاؤں (بائیں) کے تھے اور یہ بھی ایک "محض اصطلاحی" نقص تھا۔ کیا واقعی ایسا نہیں ہے؟

۲۵ مئی ۴۳

صدمہ کے درمیان شادی

یہ خبر کہ "ٹربیون" نے شری ستیہ مورتی کی لڑکی کی شادی کے لئے

۷۵۰ روپے کی رقم دقف کر رکھی ہے۔ کیسی قدر سازش پر مبنی تھی۔ کیا شادی نے فوراً ہونا تھا؟ واقعی ایسا ہی ہؤا اور شادی جلدی ہی ۲۳ تاریخ کو ہو گئی۔ بہت اغلب ہے کہ باپ کی زندگی میں ہی شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی تھی اور باوجود اس امرِ واقعہ کے کہ اُسے مرے ابھی ایک مہینہ ہی گذرا تھا اس کی یاد کا لحاظ کرتے ہوئے تاریخ شادی کو بدلا نہیں گیا۔ اور جنوبی ہندوستان میں یہ اعتقاد بھی پھیلا ہؤا ہے کہ اگر باپ کی موت کے ایک سال کے اندر اندر دُلہن کو دے دیا جائے تو کنیا دان کا ثواب متوفی باپ کو مِل جائے گا۔ صوبجات متحدہ۔ مہاراشٹر اور بنگال اس خیال کو نہیں مانتے۔ بلکہ بخلاف اس کے ایسی شادیوں کو ناموافق خیال کرتے ہیں۔

گرمی اور سردی

'امرِ واقعہ' سے موافقت پیدا کرنے کی قابلیت اور 'ڈر' میں گھبراہٹ کے لئے مخلوقات میں آدمی کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ آہ! گرمی کا موسم آ رہا ہے۔ ہم کیا کریں گے؟ کیا ہم برف لے سکتے ہیں؟ احمد نگر کا گزیٹیر کہتا ہے کہ ٹمپریچر ۱۱۴ ڈگری تک چلی جائے گی؟ جا سکتی ہے اور سوائے پہاڑوں کے یہ کہاں اتنی نہیں ہو جاتی۔ الہ آباد۔ کانپور، لکھنؤ، دہلی اور لاہور کیا۔

ان مقامات نے کبھی ٹمپریچر کو تین ہندسوں میں نہیں دیکھا ہے؛ مجھے مسٹر ایف۔ ڈبلیو۔ ڈی ٹائیلر آئی۔سی۔ایس نے بتلایا کہ میسوپوٹیمیا میں جہاں وہ اس ٹمپریچر میں رہ چکا تھا یہ ۱۳۲ ڈگری تک چلی جاتی ہے۔ یہ تھرمامیٹر ہے جو کہ ڈراتا ہے نہ کہ ٹمپریچر۔ اور اس سے دوئم درجہ پر مچھر اور سینڈفلائی اور اتفاق سے ہم بڑا اچھا تھرمامیٹر رکھتے ہیں اور جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ الہامی طرح کام کرتا ہے۔ بحیرۂ قلزم میں سٹیمر کے مسافروں کے لئے گرمی ناقابل برداشت ہے۔ اور عدن میں تمہارے لئے ایک خشک اور بنجر زمین کا ٹکڑا ہے۔ جو گرد آلودہ ہے اور جس میں ہریاول کا نام و نشان نہیں۔ لیکن یمن میں لوگوں کے پاس گرمی اور سردی دونو کا علاج ہے۔ ساحل پر بڑی گرمی ہے اور ٹمپریچر ۱۲۳ ڈگری یا ۱۲۵ ڈگری سے اوپر چلا جاتا ہے۔ لیکن اس کے دارالخلافہ میں جو سطح سمندر سے ۹۰۰۰ فٹ بلند ہے سخت سردی ہے۔ اور ان دونوں کے خلاف لوگوں کے پاس عجیب علاج ہیں۔ گرمی کو روکنے کے لئے وہ پانی سے بھرے ہوئے ایک پیپے میں سارا دن بیٹھے رہتے ہیں۔ اور پیپے میں ایک چھوٹا سا تختہ ہوتا ہے جس پر کاغذ۔ قلم، دوات اور سگریٹ مہیا کئے جاتے ہیں۔ ایک شخص پیپے کے اندر سٹول پر بیٹھا ہوا اپنا کام کرتا رہتا ہے اور جب اس کا دل کرے سگریٹ کے کش لگا لیتا ہے۔ نیز گرمی کو دور رکھنے کے لئے لوگ اپنے جسموں پر مہندی کا سفوف بھی لگا لیتے ہیں۔ بس وہ لال نظر آتے ہیں۔ دارالخلافہ میں تخ پر کہر اتنی سخت ہوتی ہے کہ سردی سے بچاؤ ضروری ہے۔ وہاں لوگ

اینٹل سے اپنے جسموں کو رگڑ لیتے ہیں۔ جو انہیں سردی کے خلاف ضروری بچاؤ مہیا کر دیتا ہے۔ اور وہ 'نیلے' نظر آتے ہیں۔ میں نے سنا کہ واردھا میں مسٹر فشر پانی کے ٹب میں بیٹھ کر اپنے مراسلات لکھتا رہا تھا۔ اوپر نشان کردہ تاریخ مجھے اس امر واقعہ کی یاد دلاتی ہے کہ ہم نے جیل میں اپنے حمل کے نو ماہ ختم کر لئے ہیں۔ پھر بھی پیدائش کے لئے کچھ نظر نہیں آتا۔ اندھرا اور گجرات میں یہ یقین عام ہے کہ کچھ عورتیں حمل کو نو ماہ سے دُگنا بلکہ تِگنا عرصہ بھی رکھتی ہیں۔ اگر پرماتما نے چاہا اور جنگ ترقی کرتا گیا۔ تو ان بعید از فہم اعتقادوں میں سے کسی ایک کے سچ ہونے کا اچھا موقعہ ہے۔ مذاقاً میں نے ۳۰ اپریل کو ہمارے بچہ دینے کا سب سے آخری دن مقرر کیا تھا۔ لیکن یہ اسقاط حمل ثابت ہوا۔ کیونکہ سر مورس کے فیصلہ نے قاعدہ نمبر ۲۶ کو رد کر کے عملی طور پر ہمیں ۲۲ تاریخ کو آزاد کر دیا۔ لیکن ۲۸ تاریخ کو ایک نئی آرڈیننس جاری ہو گئی۔ جس نے خلاف ضابطہ اور خلاف قانون 'قانون کو جائز قرار دے دیا۔ جس کے ماتحت ہم باندھے گئے تھے۔ اور آجنگ یہ مشکیہ بات ہے کہ کہاں تک ہماری نظر بندی قانونی ہے۔ کیونکہ گرچہ مدراس اور لاہور کی ہائیکورٹوں نے آرڈیننس کو برقرار رکھا ہے تو بھی فیڈرل کورٹ کے سامنے جس کا چیف جج سپینس ہو گا یا غالباً وارد چاری قائم مقام چیف جج اس نے اپنی آزمائش میں سے گذرنا ہے۔ لہذا میری پیش گوئی جو ایک معمولی آدمی کی تھی ایسی ناکام ثابت نہیں ہوئی ۔

چیتا سے ہرن کا شکار

ہم اردو میں تیمور کا حال پڑھ رہے ہیں جو ہیرلڈ لیمب کی تصنیف کا ترجمہ ہے۔ اس لئے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں اور غالباً اب بھی لوگ ہرنوں کا شکار چیتوں سے کیا کرتے تھے۔ چیتوں کو اندھا کر کے گھوڑوں پر بٹھلا دیا جاتا ہے۔ اور انہیں ہرنوں کے ریوڑ کے پاس لے جایا جاتا ہے۔ اُن کی آنکھیں کھول دی جاتی ہیں اور چیتا اپنے شکار پر جھپٹتا ہے اور انہیں مار دیتا ہے۔

شکرہ بازی

شکرہ بازی اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ پرندوں کو چیتوں کی مانند سکھلا لیا جاتا ہے۔ وہ ہوا میں ہرنوں کے ساتھ ساتھ دوپہر کے وقت اُن کے سروں کے اُوپر اُڑتے جاتے ہیں اور اپنا خوبصورت سایہ ڈالتے جاتے ہیں۔ جو آہستہ آہستہ ہرنوں سے ذرا آگے چلتا جاتا ہے۔ یہ معصوم جانور یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اُن کے آگے کیا کچھ حرکت کرتا جاتا ہے اور اُوپر دیکھنے کے لئے اپنا سر اُٹھاتے ہیں۔ اُسی وقت شکرہ اُن کے سروں پر اُتر آتا ہے۔ اور اپنے پنجوں سے ہرن کی دونوں آنکھوں کو پکڑ

پکڑ لیتا ہے۔ جس سے بیچارہ جانور ناقابل ہو جاتا ہے۔ ہم زندگی تباہ کرنے میں کتنے ہوشیار ہیں!

گنڈھا پوران

ہم نے اٹھارہ پُرانوں کی بابت سُن رکھا ہے۔ یعنی ۱۸ پوران۔ لیکن گجرات میں ایک اُنیسواں پوران بھی مشہور ہے۔ یہ گنڈھا پوران ہے۔ (سکنڈھ پوران نہیں) یا پیاز پوران جس کا نام دیوتاؤں کی اس مقدس پیداوار کے پیچھے رکھا گیا ہے۔ جسے پیاز کہتے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف حصوں میں پیاز کے مختلف نام ہیں۔ اُلی (تیلگو) ونگیام (تامل) ڈنگلی (گجراتی) کانڈر (مہاراشٹر) پیاز (ہندی) اور باصر یا گنڈھا (پنجاب) کہانی یوں چلتی ہے کہ کوئی بے غرض تپسوی (مرتاض) تھا۔ تپسیا (سخت ریاضت) کر رہا تھا تاکہ شوجی مہاراج درشن دیں (ظاہر ہوں) چنانچہ دیوتا اُس کے سامنے ظاہر ہوا۔ اور اس کی خواہش کی بابت پُوچھا۔ تپسوی نے جواب دیا "میں اپنے لئے کچھ نہیں چاہتا۔ لیکن کل یُگ آ رہا ہے اور یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آدمی کی بھی عمر بہت تھوڑی ہو جائے گی۔ میں التجا کرتا ہوں کہ کوئی ایسی ترکیب نکالی جائے جس سے عمر بڑھ جائے"۔ شوجی نے کہا "تم غلط جگہ آگئے ہو۔ میں تو صرف تباہ کر سکتا ہوں۔ برہما کے پاس جاؤ جو پیدا کرنے والا ہے"۔ اُس تپسوی

نے نصیحت کے مطابق برہما سے اِلتجا کی۔ جس پر برہما نمودار ہُوا۔ اور اس نے مقصد کو جان کر کہنے لگا۔" اوہ! نہیں۔ تم پھر اپنے نشانہ سے چُوک گئے۔ مَیں تو صرف پیدا ہی کر سکتا ہوں۔ تمہیں ضرور زندہ رکھنے والے کے پاس جانا پڑے گا۔ اگر آپ زندگی کو بڑھانا چاہتے ہیں"۔ تب اُس تپسوی نے وشنو سے درخواست کی۔ جس پر زندگی کو برقرار رکھنے والا وِشنو ظاہر ہُوا۔ اور اُس کے مُدعا سے واقفیّت حاصل کر کے کہنے لگا۔" ہاں۔ مگر کام پیچیدہ بھی ہے اور نازک بھی۔ دونو باتیں ہیں۔ ہم تینوں اکھٹے ہو کر کسی فارمولے کو نکالیں گے۔ چنانچہ وُہ تینوں اکٹھے ہوئے اور ایک فارمولا نکالا اور تب اُن تینوں نے اپنے ہاتھ کام کو لگائے اور ایک وجُود تیار کیا۔ جو تینوں دیوتاؤں کا مُرکّب تھا۔ اس کے سر پر چھوٹی سی چوٹی تھی۔ جو برہما کو ظاہر کرتی تھی۔ اِرد گرد ایک بھگوی سی اوڑھنی پتلی اور زعفرانی رنگ کی۔ جو شِوجی کی نمایندگی کرتی تھی۔ اور اخیر میں اس کی بناوٹ میں ایک 'شنکھ' اور ایک 'چکر' جو وشنو کو ظاہر کرتے تھے۔ شنکھ عمودی حالت میں تھا۔ اور چکر متوازی میں'۔ یہ 'پیاز' تھا۔ جسے کل یُگ میں انسان کی عمریں بڑھانے کے لئے تینوں دیوتاؤں نے پیدا کیا تھا۔ لیکن ہوُا کیا؟ لوگ لمبی عمریں بھو گتے تھے۔ اور نیک بن کر رہتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوُا کہ تمام سوَرگ (بہشت) میں چلے گئے جو جلدی ہی بھر گیا اور فرشتوں کا ایک قاصد باری باری تینوں دیوتاؤں کی خدمت میں اپنا مقصد لے کر حاضر ہوُا لیکن کچھ شنوائی نہ ہوئی۔ تینوں دیوتاؤں نے پھر صلاح کی اور پیاز میں اس

کی مخصوص بُو ڈال دی۔ اور چند وِدھی نشید ھم ابھی پیش کر دیئے یعنی کچھ فرائض اور کچھ ممانعتیں بھی۔ جلدی ہی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جس نے یہ یقین کر لیا کہ ایسی بُو کو ناپاک کرنے والا سمجھا جائے اور برہمنوں نے بطور جماعت کے (ہندوستان میں برطانیہ کی آمد کے بعد نہیں) پیازہ کا بائیکاٹ کر دیا۔ اور اس طرح اور بہت سے غیر معمولی کٹر لوگوں نے بھی جس سے بہشت میں بھیڑ کم ہوگئی۔

اللہ بخش کا قتل

۱۴ مئی کو شکار پور میں اللہ بخش کے قتل کی خبر نے ہم کو حیران کر دیا ہے۔ ابھی حال ہی سکندر حیات خاں کی یکایک مگر قدرتی موت سے رنجیدہ خاطر ہوئے تھے۔ کہ اب ہم نے ایک اور وزیر اعظم کی اپنے عہدہ کی باگ ڈور رکھنے کے بعد غیر قدرتی موت کی خبر سُنی ہے۔ ... ابھی تک کچھ پتہ نہیں چلا کہ کس نے اِس جُرم کا ارتکاب کیا ہے اور کیوں؟

بھونچال

کسی نے اس سال جاپان میں بھونچال آنے کی پیشین گوئی کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بھونچال کا آنا لازم ہے۔ جاپان کے دُشمن جنگ

ہیں اپنی طاقتوں کو کم از کم حالت میں پاکر یہ توقع رکھتے ہیں کہ قدرت کے طوفان ان کے بدلہ میں نمودار ہوں گے۔ قدرت اتنی ہی بے رحم ہے جتنی کہ مہربان۔ اور اتنی ہی ڈر پیدا کرنے والی ہے جتنی کہ محبت۔ ڈکسن "انسانی صورتِ حالات" میں کہتا ہے کہ "اس کی غیر معقولیتوں کے سامنے عقل بھی کانپتی ہے۔"۔ "۱۸۸۳ء میں کراکاٹو کی دھدک نے چالیس ہزار جانیں تلف کر دیں۔ کوالش نے بھی ۱۷۹۲ء میں چالیس ہزار اور لزبن کے بحرِ نجال نے ۱۷۵۵ء میں اسّی ہزار نفوس موت کے گھاٹ اُتار دئے۔" کیا انسانی زندگی ایک بُلبُلا ہے؟ موجودہ صدی کدھر جا رہی ہے؟ ۱۹۰۸ء اور پھر ۱۹۲۰ء میں اسی قسم کے قدرتی حوادث نے سسلی اور چین میں پانچ لاکھ جانوں کو ۶۰ سیکنڈوں میں ختم کر ڈالا۔ ماونٹ پیب کی پھپکار نے ۱۵ منٹوں سے کم عرصہ میں مارٹینیق کے دارالخلافہ کو کھنڈرات بنا دیا اور تیس ہزار جانیں بھی ضائع ہو گئیں۔ ۱۹۳۱ء میں ینگ سی کی طغانیوں میں دس لاکھ سے زیادہ انسان ڈوب کر مر گئے۔ گویا کہ ایٹنا جاگتا ہے اور میسین برباد ہوتا ہے۔ جس طرح سمندر جہازوں سے اٹ جاتے ہیں ویسے ہی جزائر انسانوں سے دب جاتے ہیں۔ ۱۹۲۹ء میں بحرالکاہل میں میرو فارم (MIRO FORM) اپنے سارے باشندوں سمیت سمندر کی گہرائیوں میں بالکل غائب ہو گئی۔ اگر کائنات کا مالک ہمارا دوست ہوتا تو کیا ایسی باتیں ہو سکتی ہیں؟

کوئل اور کوّا

"آہ! کوّوں میں ایک کوئل"۔ یہ ایک کہاوت ہے۔ اس کہاوت کو اُلٹ کر یوں بھی کہا جا سکتا ہے "آہ! کوئلوں میں ایک کوّا" انگریزی میں کوئل کو کیا کہتے ہیں ابھی اچھی طرح پتہ نہیں لگ سکا۔ کل تک میں اس خیال میں تھا کہ انگریزی میں کوئل کے لئے ککّو (cuckoo) کا لفظ ہے۔ لیکن میری اصلاح کی گئی ہے اور اب میں اصلاح شدہ ہوں۔ میری پھر اصلاح ہوئی ہے اور مجھے کہا گیا ہے کہ کوئل اور کُکّو ایک ہی بات ہیں۔ ہمیں کُکّو کو کوئل ہی کہہ لینا چاہیئے۔ مگر آپ کسی نام سے کوئل کو بلائیں یہ مشہور و ممتاز ہی رہے گی۔ بس یہ نہیں کہنا کہ "برابر کی خوبصورت بھی" کیونکہ اور یہ کچھ بھی کیوں نہ ہو کم ازکم یہ خوبصورت نہیں ہے۔ اس کا رنگ کوّے سے بھی زیادہ کالا ہے گرچہ چمکدار ہے۔ آخر سیاہ رنگ کا کچھ مضائقہ نہیں۔ ہندوستان میں تمام وکیلوں (ایڈووکیٹ صاحبان) کو سیاہ ریشم کے گاؤن پہننے پڑتے ہیں خواہ اُن کا اپنا رنگ کچھ ہی ہو۔ ہائی کورٹوں میں قدرے احساسِ فن کی کمی ہے۔ صرف رنگ کے نکتہ نگاہ سے کوئل نہ ہی تعریف اور نہ ہی مذمت کے قابل ہے۔ جب یہ اُڑتی ہے تو اس کی شکل و صورت اور بناوٹ میں وہ شان نظر نہیں آتی جو عقاب میں آتی ہے۔ بلکہ وہ چپٹی نظر آتی ہے جس میں کوئی ٹیڑھا پن نہیں ہوتا۔ نیز یہ سیدھی تیر کی مانند کرۂ ہوائی

میں چلی جاتی ہے۔ تب کیا چیز کوئل کی بابت خوبصورت ہے؟ اس کی آواز بیشک شیریں اور مست کر دینے والی ہے لیکن جب تم جیل میں ہوتے ہو اور کوئل وہاں ایک بڑے درخت کی باشندہ ہوتی ہے جو تمام جیلوں میں پائے جاتے ہیں۔ تو سارا دن اور دن بھر کوئل کا کُوکُو کرتے رہنا ہمارے کانوں کو دوبھر معلوم ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ ہم خود بھی اس کے ساتھ کُوکُو کرنے لگ جائیں اور اس طرح اس کے پیچھے ہولیں۔ میں نے کوئلوں کو چیلوں، طوطوں اور چڑیوں کی مانند اُڑتے وقت بھی کبھی جوڑوں کی صورت میں نہیں دیکھا ہے۔ نیز نہ ہی ایک کی آواز کے جواب میں اس کا ساتھی کسی قسم کی کوئی آواز نکالتا ہے۔ مزید تحقیقات پر مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ ٹیڑھی لکیر کی سی شکل بنا کر جو پرندہ کُوکُو کرتا ہے وہ نر کوئل ہے مادہ کوئل کی آواز نچلی مدھم سی ہوتی ہے جو مشکل سے سنائی دیتی ہے۔ ایسا لکھتے ہوئے میں نے مادہ کوئل کی آواز بھی سُن لی ہے۔

کوئل کے انڈے

اب ایک لفظ اس کے متعلق کہ کوئل اپنے انڈے کس طرح دیتی ہے یہ بخوبی معلوم ہے۔ بہرحال ایک عالمگیر خیال ہے کہ کوئل اپنے انڈے کوّے کے گھونسلے میں دیتی ہے۔ اور کوّا انہیں سہتا ہے۔ نیز جب بچے انڈوں سے

باہر نکلتے ہیں تو انہیں کھلاتا ہے۔ حتےٰ کہ وہ اُڑنے لگتے ہیں۔ یہ کس طرح واقعہ ہوتا ہے؟ کوئل کس طرح کوّے کے گھونسلہ میں گھس سکتی ہے؟ ناقابل عبور ہے اور اسی طرح پرندے بھی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب کوئل انڈے دینے کی توقع ہے تو وہ نر کوئل کو اس بات کا اشارہ کر دیتی ہے۔ نر کوئل کسی کوّے کے گھونسلہ کے پاس جاتا ہے اور اس کے مالکوں سے لڑائی شروع کر دیتا ہے جس پر وہ اسے بھگا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ نر کوئل کوّے سے زیادہ تیز اُڑتا ہے۔ اور اسی لئے گھونسلہ کے مالکوں کو گھونسلہ سے دُور لے آتا ہے۔ اس وقت مادہ کوئل گھونسلہ کے اندر داخل ہو جاتی ہے۔ اور اپنے انڈے دینے شروع کر دیتی ہے اور جب دے چکتی ہے تو نر کوئل کو اشارہ کرتی ہے۔ اور پھر وہ ان بیچارے بیوقوف اور سست کوّوں کو واپس گھونسلہ میں لے آتا ہے۔ ایک اور ضروری بات یہ ہے کہ کوّی اچھی حساب دان نہیں ہے اور اپنے انڈوں کی تعداد نہیں جانتی۔ وہ خلط ملط ہو جاتے ہیں اور کوّی تمام کو سیتی ہے۔ پرندے بڑے اچھے وقت میں نکل آتے ہیں۔ اور روایت ہے کہ کوّی اپنے بچوّں کی نسبت کوئل کے بچوّں کو زیادہ پیار کرتی ہے۔ وہ انہیں اچھّی طرح کھاتی پلاتی ہے۔ اور جب کُو کُو کرنے کا وقت آتا ہے تو انہیں پتہ لگتا ہے کہ کچھ خاص بچےّ کُو کُو کر رہے ہیں اور کچھ کائیں کائیں! پھر وہ کائیں کائیں کرنے والوں کو رہنے دیتے ہیں اور کُو کُو کرنے والوں کو نکال دیتے ہیں۔ اس تمام کا مطلب یہ ہے کہ یہ فصلی پرندہ کوئل خالی موسم بسنت کے موسم میں آنے والا ہی

نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ایک دفعہ اس موسم میں آنے کے بعد یہ کم از کم چار سے چھ ماہ تک رہتا ہے۔ اور اُوپر بیان کردہ کہانی اس خیال سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس سے آگے وہ کہاں جاتے ہیں ہمیں کچھ علم نہیں۔

ہندو نام

گرامر کے قاعدہ کے مطابق جب ایک عورت اور اس کے خاوند کے ناموں کو ملانا ہوتا ہے تو عورت کا نام پہلے آتا ہے اور پھر مرد کا۔ جیسے سیتارام۔ پاربتی پرمیشور، گوری شنکر، لکشمی نارائن، اوما شنکر اور جانکی رام وغیرہ وغیرہ، لیکن رادھا کرشن کی بابت کیسے؟ کیونکہ رادھا نہ تو کرشن کی آٹھ استریوں اور نہ ہی سولہ ہزار گوپیوں میں سے ہے۔ یہ مُسلمہ بات ہے کہ اُس کا ذکر کہیں بھی سوائے بھگتنی، عقیدت مند اور محبت کرنے والی کے اور کسی طرح نہیں آتا۔ نہ ہی اس کی کہانی بھاگوت میں آتی ہے۔ بلکہ صرف ودِرتھ پُوران میں آتی ہے۔

جانکی مت (فرقہ)

سارے ہندوستان میں جانکی لفظ کا استعمال ایسی ہندو عورت کے لئے ہوتا ہے جو پاکیزہ اور جانفشاں ہو۔ شادی کے دعوت ناموں میں ایک شلوک کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ جو (جنک مہاراج کی لڑکی) جانکی سے سری رام کے بیاہ کے متعلق ہوتا ہے۔ (اندھرا میں بیاہ کے گیتوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ "ہماری جانکی" نے "رام" سے میل کر لیا۔ لیکن میں نے پہلی بار یہ سُنا ہے کہ جانکی نام کا ایک "جانکی" مت (فرقہ) بھی ہے۔ اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں جس سے جانکی کی پُوجا پر خاص زور دیا گیا ہو۔ جس طرح کہ رومن کیتھولک مریم کی عبادت پر دیا کرتے ہیں۔ لیکن کہا جاتا ہے۔ کہ جانکی مت کے ماننے والے عورتوں کا لباس پہنتے ہیں۔ اور اپنی مذہبی مستی میں ناچتے ہیں۔ اور عورت کے فطری کاموں 'عادتوں اور دستوروں کو اختیار کرتے ہیں۔ جن میں "ماہواری" بھی شامل ہوتی ہے۔ بہار کا ہمارا ایک مشہور دوست اس فرقہ کا پیرو ہے۔

زیموِرن

زیموِرن کا نام مالابار میں ایک ایسا نام ہے جس کی قسم کھائی جاتی ہے۔ حال ہی میں یہ نام علاقہ کے بہت بڑے زمیندار کے طور پر زیادہ شہرت پذیر ہوا ہے۔ جو بڑا ہی کٹر اور ترقی کا مخالف ہے اور جس نے لگاتار چھوت چھات دور کرنے کی مخالفت کی ہے۔ لیکن لفظ سے مراد کیا ہے؟ مالا بار میں میں اس کا مطلب نہیں سمجھ سکا تھا مجھے پتہ لگا ہے کہ یہ "سمندر" لفظ سے نکلا ہے۔ جسے عرب والے سیموریں کہا کرتے تھے۔ اور اہل پرتگیز زیموتی یعنی زیموریں ساحلی رقبہ کا مالک۔

پرنام (سلام) یعنی آداب بجالانا

ہر ملک کا پرنام (سلام) کا طریق جدا ہے۔ انگریز لوگ 'گڈ مارننگ' اور 'گڈ ایوننگ' 'گڈ آفٹرنون' اور 'گڈ نائیٹ' 'گڈ ڈے' اور 'گڈ بائی' کہہ کر پرنام کرتے ہیں۔ گرچہ ہمارے لئے ہندوستان میں موزوں طور پر ان کا استعمال اتنا ہی مشکل ہے جتنا بریک فاسٹ۔ لنچ۔ 'ٹفن یا ٹی' 'اور ڈنر' اور سپر' یہ سر پر سے ہیٹ کا صرف اٹھا لینا ان سب کی اُن ہندوستانیوں میں اُلٹی نقل ہوتی ہے جو انگریزی

طرز و اطوار کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس حد تک کہ بزرگ ہندوستانی دونو ہاتھوں کو اٹھا لیتے ہیں۔ اور اپنی پیشانی کے قریب دونو طرف لے جاتے ہیں۔ کچھ آدمی اپنا سر جھکا لیتے ہیں۔ مسلمانوں کا آداب کسی طرح سے بھی مغربی طریق کی طرح سخت اور نہ جھکنے والا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی کمر خفیف سی جھکاتے ہیں۔ اور اپنی انگلیوں کو پیشانی تک لے جاتے ہیں اپنا سر بھی۔ لیکن کنپٹی تک نہیں جیسے صحیح برطانوی فیشن میں۔ اسے آداب بجا لانا، کہتے ہیں۔ دو اور بھی طریقے ہیں جو بتدریج زیادہ مؤدبانہ ڈھنگ میں ہیں یعنی کورنش اس میں پیٹھ کو آدھا جھکانا ہوتا ہے۔ اور "فرشی سلام" جس میں پیٹھ کو پورا جھکانا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ انگلیاں دری یا فرش کو چھو لیتی ہیں۔ پھر وہ شخص ہاتھ اٹھا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اُس سے اپنی پیشانی کو چھوتا ہے۔ بادشاہ یا ایک گورنر کا آداب بجا لاتے وقت لوگ 'قدم بوسی' یا 'تخت بوسی' بجا لاتے ہیں۔ جس میں پاؤں یا تخت کو اطاعت کے طور پر بوسہ دیتے ہیں۔ میں نے مدراس کے ایک مسلمان وزیر کو علاقہ میں دورہ کرتے ہوئے مسلمان وزیٹروں کے دونوں ہاتھوں کو تھام کر اُن کے 'دو رستم' پر بوسہ دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اور یہ گرمجوشی کا نشان ہے۔ ہندوؤں میں دونو ہاتھ نزدیک رکھ کر اکٹھے سینہ تک اٹھائے جاتے ہیں۔ کئی لوگ اور طلبہ کے پہلے وزیر اعظم کی مانند دونوں ہاتھوں کو ایک ہی بہیٹ میں بیچ کی دونو طرف کی ہوا کو اکٹھا کرتے ایک دوسرے کے پاس رکھتے ہیں۔ اور سینہ سے ۸ یا ۱۰ انچ کے فاصلہ پر انہیں 'پرنام' کی حالت میں رکھتے ہیں۔ یہ بلاشبہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

رناچنے' والی پارٹی میں ناچنے والی لڑکیاں حسب معمول اپنے ہاتھوں کو اُٹھا کر پرنام کرتی ہیں۔ لیکن جونہی حاضرین کے مرکز سے اُن کی ایک یا دوسری طرف ایک چکر کاٹنے والے پنکھے کی بہت مانند مُڑتی ہیں تو دونوں ہاتھوں کو مِلا کر اُوپر نیچے لے جاتی ہیں۔ کئی آدمی اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے کے نزدیک لا کر اپنے سروں تک اُٹھاتے ہیں اور انہیں کھوپری پر رکھ دیتے ہیں۔ جبکہ دوسرے انہیں ایک کندھے سے دوسرے کندھے کی طرف لے جاتے ہیں۔ ایک اور طریق بھی ہے جسے 'ساشٹانگ ڈنڈ پرنام' کہتے ہیں۔ اور جسے جنوبی ہند کے 'ویشنو فرقہ کے پیرو اس وقت بجا لاتے ہیں۔ جب وہ رسمی مواقع یا سفر جاتے وقت یا اُس سے واپسی پر اپنے بزرگوں سے ملتے ہیں۔ بنگال میں یہ عام دستور ہے کہ بغیر کسی خاص موقعہ کے ایک کُنبہ کا چھوٹا آدمی اپنے کُنبہ کے بڑے آدمیوں اور کنبہ کے علاوہ دوسرے ممتاز بزرگوں کو بھی اس طرح کا ساشٹانگ پرنام کرنا ہے۔ مہاراشٹر میں بھی یہ رائج ہے۔ اس میں دونو ہاتھوں کی تلیوں پر سارے جسم کو جھکا کر اسے زمین پر رکھنا ہوتا ہے۔ اور جسم کے آٹھ حصّے زمین کو چھوتے ہیں۔ یعنی پاؤں کی اُنگلیاں، گھٹنے، پیٹ، سینہ، پیشانی، کُہنیاں۔ ناک اور آنکھیں، یہ آٹھ عضو ہیں اور اسی لئے اسے 'اشٹ انگا' کہتے ہیں۔ ایک 'دوادسنگا پرنام' بھی ہوتا ہے جسمیں بارہ عضو زمین کو چھوتے ہیں، ایک مخفف طریقہ وہ عام پرنام ہے جسمیں جھک کر دائیں ہاتھ سے بزرگ کے دونو ہاتھوں کو چھُو آجاتا ہے اور پھر اُسی ہاتھ سے اپنی دونوں آنکھوں کو جس سے مُراد یہ ہے کہ بزرگوں کے پاؤں کی آنکھ چھوٹوں کی آنکھوں تک لے جائی جاتی ہے۔

مخاطب کرنے کا طریقہ

بہ قدرتی طور پر ہمیں بزرگوں کو مخاطب کرنے کے مختلف طریقوں کے سوال کی طرف لے جاتا ہے۔ بنگال میں پرانے زمانہ میں یعنی انگریزی تعلیم کے پھیلنے سے پہلے اور دیہات میں اب بھی مزارعان اپنے بزرگوں، بڑوں اور مالکانِ اراضی کو 'مہاشہ' لفظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ اوڑیسہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ اندھرا میں 'ایا' لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو لفظ 'آریہ' کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ اور یہی پراکرت میں 'اجّا' بن جاتا ہے۔ تامل نیڈو میں آئریا سوامی جبکہ کناڈا کے علاقہ میں 'دیورا' اور بمبئی میں 'شیٹھ' الفاظ استعمال میں لائے جاتے ہیں۔

جانوروں پر آدمی کی بیرحمی

کئی سال گذرے کلکتہ میں انگلستان بھیجنے کے لئے چھپکلیوں کی کھالوں کی قیمت میں تیزی آگئی تھی۔ کیونکہ وہاں کی عورتیں ان کی بڑی مشتاق تھیں۔ وہ اُن سے کئی قسم کی چیزیں تیار کرتی تھیں۔ مثلاً بٹوے ہاتھ کی تھیلیاں اور جوتیاں وغیرہ۔ کلکتہ اس تجارت برآمد کا مرکز

تھا اور کہا جاتا ہے کہ کئی آدمیوں نے وکالت کے معزز پیشہ کو چھوڑ کر دوکان ہی اختیار کر لی اور ان کی تجارت سے خوب روپیہ کمایا۔ بنگال میں اتنی چھپ کلیاں ماری جاتی تھیں کہ یہ فعل عشق کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ گھروں اور کھیتوں میں ان کی ایک سی تلاش کی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ ہؤا کہ چوہے بڑھ گئے اور مزروعہ کھیتوں کو اُجاڑنے لگے۔ لیکن خوش قسمتی سے کھالوں کی مانگ جلدی گر گئی اور نارمل حالات پیدا ہو گئے۔

ناپیدا ہوئے بکری کے بچّے

یہ ایک اور خطرہ کی طرف لے جاتا ہے۔ جو کچھ وقت گذرا پھیلا ہؤا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہ پیدا ہوئے بکری کے بچّوں کی کھالوں سے نہایت عمدہ اور نہایت ہی قیمتی چمڑا تیار کیا جا سکتا ہے۔ لہذا بچّہ جننے کے قریب گُتیوں اور بکریوں کو فروخت کر دینے کی گندی چال اختیار کی گئی۔ بکریاں اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتی تھیں۔ اور تعاقب کئے جانے پر مُردہ میمنہ دے دیتی تھیں۔ اور ان میلوں کی کھالیں تجارت کی ایک شئے بن گئی تھیں

ناشپاتی کی شکل کی کانٹے دار جھاڑی اور قرمزِ فرنگ

غیر متوقع کیفیات سے عجب نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ کسی نے "قرمزِ فرنگی
انٹروڈیوس کر دیا" یہ ایک چھوٹا سا کیڑا ہے۔ جو اُڑ کر ہندوستان آ گیا۔ او
اس نے راس کماری سے ہمالیہ تک اس کانٹے دار جھاڑی کو تباہ کر دیا
لوگ خوش تھے کہ آخر اس ناقابل تسخیر جھاڑی کا ستیاناس ہو گیا۔ لیکن تما
کوچے اور گھروں کے صحن ایک دوسرے سے ناقابل تمیز ہو گئے۔ اور جو بات
اس سے بھی خراب تھی وہ یہ کہ بہت زیادہ نباتات یعنی بڑے درخت جو گھر
کے صحنوں کی ان کانٹے دار جھاڑیوں کی باڑوں میں نشو و نما پاتے تھے
فوراً غائب ہو گئے۔ کیونکہ باڑ سے جو ٹھنڈا ماحول پیدا کیا گیا تھا وہ نہ رہا۔
قدرت کی ایک بھلائی کے ساتھ ایک بُرائی بھی آ موجود ہوتی ہے۔ اور بُرائی کے
ساتھ بھلائی۔

بارش پر جوا۔ سٹہ یعنی تجارت بہ اُمید منفعت

آدمی کو معلوم کی بجائے نامعلوم سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے۔ سٹہ
بازی اس گول مول بیان کا دوسرا نام ہے۔ ورنہ لوگ کیوں روئی پر سٹہ کریں

کھیلوں پر شرط لگائیں۔ اور بارش پر جوا کھیلیں؛ کلکتہ کے خوشحال سوداگر بارش پر شرط لگا کر بڑا بھاری کاروبار چلاتے ہیں۔ جب ذرا بادل آتے ہیں۔ تو لوگ اپنی اپنی کاریں اُس خاص آدمی کی رہائش کے ارد گرد اکٹھے ہو جاتے ہیں جو اس کام کو کر رہا ہوتا ہے۔ شرط ایک روپیہ سے لے کر نو تک اور ایک سے لے کر پندرہ تک ہوتی ہے۔ اور اگر بادلوں سے بارش نہیں ہوتی تو پارٹی دفتر کو ایک روپیہ دے دیتی ہے۔ لیکن اگر بارش ہو جائے تو اس آدمی کا دفتر نو سے پندرہ تک شرط لگانے والے کو ادا کرتا ہے

ہمارے وزیٹر صاحبان

پارلیمنٹ میں یہ کہا گیا تھا کہ ہمارے دو نو وزیٹر صاحبان کلکٹر اور سول سرجن ہندوستانی ہیں۔ اور ہر ہفتہ قلعے میں ہمارے پاس آتے ہیں۔ ڈاکٹر ہرچینٹ سول سرجن ہے۔ کلکٹر کے بدلے ہمیں تین آدمی ملے۔ ایک مسٹر کھاٹکے (ریٹائرڈ انڈین سول سروس) جسے بطور سول ریکروٹنگ افسر بھیجا گیا۔ اور جس کی رنگروٹ بھرتی کرنے والی تقریریں ہم اخبارات میں پڑھتے رہے۔ دوسرا مسٹر پاٹل ایک آئی۔ سی۔ ایس۔ جو چند ہفتوں کے بعد رتنا گری بھیجا گیا۔ اور تیسرا ملرڈ جو خاندیش کے گرم ضلع سے بدل کر احمد نگر کے ٹھنڈے ضلع میں آ گیا ہے۔ مسٹر ملرڈ کی ملازمت میں صرف دو سال باقی ہیں۔ اور ایسے ریٹائرڈ ہونے والے

افسروں کا خاص حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی تبدیلی جہاں چاہیں کرالیں ۔ مسٹر ملرڈ مہاراشٹر کی زبان جانتا ہے ۔ اس لیئے میں نے حسب معمول اپنا نکتہ کمفرٹ کر دیا وہ یہ کہ صریح وجوہات کی بنا پر آئندہ کے لیئے اینگلو انڈین اصحاب کو اپنی مادری زبان کے طور پر ضرور کسی صوبجاتی زبان کو منتخب کرنا ہوگا۔ صاف کہہ دوں سیاسی وجوہ کی بنا پر ۔ کیونکہ ان کی قسمت میں بھی اس ملک کے لیئے جینا اور مرنا ۔ عوام کے ساتھ ملنا اور دفاتر میں صوبجاتی زبان کے ساتھ کام کرنا جسے سیکھے بغیر وہ نہیں رہ سکتے ، لکھا ہے ۔ پھر میں نے کہا ۔ کہ ریٹائرڈ ہونے کے بعد مرحوم سر ایچ رگڈ نی آئی ۔ ایم ۔ ایس کی مانند وہ بھی سیاسیات میں دلچسپی لینا شروع کر دیں ۔ اور کون جانتا ہے کہ وہ وزیر ہی بن جائیں ۔ اس نے میرے خیال کو ہنس کر ٹال دیا ۔ شاید اس نے میرے نکتے پر یہ محسوس کیا کہ سیاسیات ہوائی جہاز میں سوار ہونا ہے جبکہ ملازمت جہاز میں سفر کرنا ۔ قبل الذکر خطرناک ہے مگر اونچے درجے کا اور مؤخر الذکر محفوظ ہے مگر کند دبے جس لوٹے میں نمک پاڈا ہندستانی اور مہاراشٹر میں ایک عام محاورہ ہے ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے لوٹے میں نمک ڈالنا اُسے کسی بات کے لئے قسم کھلانا ہے ۔ پس جب انتخابات میں ووٹوں کے لئے پراپیگنڈہ کیا جاتا ہے تو یہ مشق بہت زیادہ مروج ہو جاتی ہے ۔

زبانوں میں اختلافات

تذکرہ وتانیث زندگی کی تکلیف دہ پیچیدگی ہے۔ اور زبان دان کے لئے یہ ایک مسئلہ ہے۔ مرد کے لئے اس کے آخری دم تک یہ مایوسی ہے۔ جرمن اور فرانسیسی زبان میں صفت اور فعل کا تو کہنا ہی کیا حروف تنکیر (معروف تعریفی و غیر معروف تعریفی) کی تذکرہ و تانیث بھی ہوتی ہے۔ فارسی میں ملیالم کی مانند فعلوں کے لئے بھی کوئی مذکر و مؤنث نہیں ہوتا۔ سنسکرت میں اسم کے لئے سات فاعلی و مفعولی وغیرہ حیثیتیں ہیں۔ لیکن جرمن زبان میں صرف چار۔ سنسکرت، عربی اور یونانی میں صیغہ تثنیہ ہے۔ تیلگو، تامل اور کناریز میں اسموں کا مذکر مؤنث ہوتا ہے۔ لیکن زیادہ تر امتیاز معنوں کے پیچھے ہوتا ہے تیلگو میں سورج مذکر ہے اور چاند مؤنث اور اشتقاقی نہیں ہے۔ اور تیلگو میں دونو مذکر و مونث ہوتے ہیں۔ ہندی میں تذکیر و تانیث سیکھنے والے کے لئے ایک ہوّا ہے ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیوں روئے زمین پر "مکان" مذکر ہے اور 'کوٹھی' مونث؟ نہ ہی کیوں گھی، پانی، ہاتھی اور دہی مذکر ہیں۔ گرچہ ان کا خاتمہ بھی "ی" پر ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ پولیس کیوں مونث ہے۔ یہ ایک معمہ ہے۔ حالانکہ ہم پر لاٹھی چارج بھی کرتی ہے اور ہم پر گولی بھی چلاتی ہے۔

ایک ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی آوارہ مزاجیاں

بعض حالتوں میں ایک برطانوی بطور سویلین ہندوستان میں ایسی موجیں (پریشان خیالیاں) پیش کرتا ہے۔ جو حیران کرنے والی ہوتی ہیں۔ چنانچہ ایک صوبہ میں ایک مجسٹریٹ نے اس بارہ میں کمال کر دیا تھا جس دفتر میں وہ کام کرتا تھا اس میں صرف ایک ہی کرسی تھی۔ جو اس کے اپنے لئے تھی۔ ایک موقعہ پر ایک تعلقدار اُسے ملنے کے لیئے آیا۔ جسے دفتر کے اندر لیا گیا۔ ادب آداب اور چند الفاظ کے بعد یہ پتہ چلا کہ وہ تعلقدار ہے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے فوراً اس سے معافی مانگی اور حکم دیا کہ اُس کے لئے بیٹھنے کے لیئے ایک مُوڑھا لایا جائے۔ یہ مُوڑھا صرف ۹ انچ اونچا تھا۔ بیچارے غریب کو اپنی تمام شان و شوکت کے ساتھ اُس پر پلتھی مار کر بیٹھنا پڑا۔ جس طرح زمین پر بیٹھا جاتا ہے۔ جلدی ہی گفتگو سے یہ پتہ چلا کہ وہ خطاب یافتہ امیر ہے۔ "سبیل" نے فوراً اردلی کو بلایا اور بڑے موڑھے کے لئے حکم دیا۔ اس کے بعد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو پتہ چلا کہ بیٹی ہند نائیٹ ہے۔ اس پر صاحب نے اور زیادہ معافیاں مانگیں اور زیادہ اونچا موڑھا آ گیا۔ گویا کہ موڑھے کی اونچائی قدم بہ قدم اتنی اونچی ہو گئی کہ بیچارے تعلقدار کے لئے وہاں تک پہنچنا مشکل ہو گیا موڑھے کی آخری اونچائی پہلی اونچائی کے مقابلہ میں دوسری انتہا تھی۔

عدالت میں حجامت

ایک دن اسی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے دیکھا کہ کچھ وکیل حجامت کے بغیر عدالت میں آگئے ہیں۔ اُس نے حجّام کو بُلا بھیجا اور انہیں عدالت میں سیلون کی مانند حجامت کرانے پر مجبور کیا۔

مدراس سویلین

۱۹۰۶ء میں ایک سویلین مسٹر سکاٹ آئی۔سی۔ایس ضلع کرشنا میں کلکٹر تھا۔ کرنول میں وہ ایک مُعتمر مسلمان جنٹلمین کے ماتحت اسسٹنٹ کلکٹر رہ چکا تھا۔ گورنر کا استقبال کرنے کے لئے جس نے بذریعہ ریل وہاں پہنچنا تھا۔ تمام افسران ریلوے سٹیشن پر جمع تھے۔ ٹھیک گورنر کی آمد کے وقت نوجوان اسسٹنٹ کلکٹر نے قینچی کا ایک جوڑہ لیا۔ اور کلکٹر کی لمبی ریش دانی کی تمام لمبائی کو کاٹ ڈالا۔

کھیلا یا کرشنا؟

ورکنگ کمیٹی کی بہت سی پوشیدہ باتوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کی مالی حالت کیا ہے۔ ممبروں میں سے بھی چند ایک کو ہی پتہ ہے کہ ایک دوسرے کے پاس کتنی جائداد ہے اور اُس نے کیا کچھ دینا ہے۔ لیکن کبھی کبھی اور کسی کسی حلقہ میں بالخصوص کچھ کمیونسٹ دوستوں کے درمیان کچھ ممبروں کی فرضی دولت کے متعلق عجیب افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک دوست شنکر راؤ دیو ہیں۔ جو کسی وقت مہاراشٹر صوبہ کانگریس کمیٹی کے صدر تھے۔ اور جو ۱۹۱۹ء میں اپنی وکالت کی پڑھائی چھوڑ کر تحریک 'ستیہ آگرہ' میں شامل ہو گئے تھے۔ وہ کنوارے ہیں اور انہوں نے ایک آشرم چلایا ہے۔ وہ فیض پور کانگرس کے اجلاس ۱۹۳۶ء کے وقت سے کانگرس ورکنگ کمیٹی کے ممبر چلے آتے ہیں۔ وہ ننگے بدن رہتے ہیں۔ اور اُن کے مُنہ پر چھوٹی سی داڑھی ہے۔ تا کہ روزانہ کنگھی پٹی سے بچا رہے۔ وہ اپنے صوبہ میں بڑے معزز ہیں اور مشہور کانگرسی لیڈر ہیں۔ اوڑیسہ میں دیو ایک ایسی علامت ہے جو مالدار راجے اور زمیندار اپنے ناموں کے پیچھے لگاتے ہیں۔ اوڑیسہ میں مہاراجہ جے پور (ایک ریاست جس کی سالانہ آمدنی ۴۰ لاکھ ہے) کا نام وکرم دیو درما ہے۔ پس اوڑیسہ کے کچھ کمیونسٹوں نے شنکر دیو راؤ کو مہاراشٹر کا مالدار راجہ خیال کر لیا۔ یہ

شنکر دیوراؤ کی بدقسمتی ہے کہ ایک طرف سر عثمان نے اُنہیں شرارت آمیز تقریر کرنے کے لئے غلط طور پر ظاہر کیا ہے۔ دوسری طرف کمیونسٹوں نے اُنہیں بڑا بھاری مالدار بتلایا ہے۔ کیا اس طرح کبھی بھی ایک چیلا غلطی سے کرشن سمجھا گیا ہے؟

مُلاقات اور بدلہ میں مُلاقات

ہر کسی کے لئے جوانی کے دِنوں اور اس وقت کی سرگرمیوں کا خیال کرنا ایک مزیدار تجربہ ہے۔ جب جواہر لال انگلستان سے واپس آئے۔ اور بطور بیرسٹر پریکٹس شروع کرنے لگے۔ تو انہیں مشورہ دیا گیا کہ وہ کمشنر الہ آباد سے مُلاقات کریں۔ ان دنوں (۱۹۱۲ء) جب صوبجات متحدہ کو آگرہ و اودھ کا شمال مغربی صوبہ کہتے تھے، جبکہ صوبہ کا افسر اعلیٰ لفٹننٹ گورنر تھا اور کوئی ایگزیکٹو کونسل نہ تھی (۱۹۲۱ء سے ایگزیکٹو کونسل گورنر کے ساتھ لگائی گئی) تو کمشنر جو صوبہ میں سب سے بڑی کمشنری کا افسر اعلیٰ ہوتا تھا وہ اہمیت کے لحاظ سے صرف لفٹننٹ گورنر سے نیچے سمجھا جاتا تھا۔ جب خاطر تواضع مناسب طریق پر ہو چکی تو لفٹننٹ گورنر نے بدلہ میں جواہر لال سے مُلاقات کی اور انہیں صاف کہا کہ "میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔ آپ کے باپ سے نہیں جو کبھی مجھے ملنے نہیں آتے"۔

وارڈر اور اس کی گنوار بولی

ایک دن ایک وارڈر (سزا یافتہ وارڈر) جیسا کہ ہم انہیں جنوبی ہندوستان میں کہتے ہیں۔ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بازار سے جو پھل آیا ہے اُسے گِن لو۔ کیونکہ پھل کا انچارج جس کا کمرہ میرے کمرہ سے متصل ہے۔ اپنے کمرے میں موجود نہ تھا۔ "۲۲ سنگترے جن میں سے ایک ٹکارام (سپاہی یا وارڈر) نے لیا ہے۔ ۲ ٹوماٹر، ۱۲ لیموں اور کل ۳۹" ایسا کہتے ہوئے اس کی چلاہٹ نے جو اچانک اور خاص طرز کی تھی۔ مجھے جیلخانوں میں رات کے چوکیدار اور سزا یافتہ وارڈر کی چلاہٹوں کی یاد دلا دی۔ اور میں نے اُسے کہا کہ وہ کوئی ایک کو دوہرائے۔ وہ گجراتی ہے۔ جو سابرمتی اور یروودا جیل میں رہ چکا ہے اور جو احمدنگر فورٹ میں ہمارے پاس سزا یافتگان کی نگرانی اور ہماری امداد کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اُس نے سابرمتی جیل کے متعلق یوں گایا :-

سابرمتا	لال ٹوپی تین
سنٹرل جیل	پیلا ٹوپی سات
بادن چکی	قیدی
تھین رائے	ہاتھ کڑی۔ بارہ بار
دھاری پاک پاکڈو	بنگال
چالو فلے	پچاس قیدی

موتی لال جی اور اُن کا بستره

موتی لال جی بڑے آدمی تھے، قد میں بڑے، مُونچھوں میں بڑے۔ عقل میں بڑے، دل میں بڑے۔ علم، نکتہ نگاہ اور بنا بنایا تصور (آدرش) میں بڑے اور وضع قطع اور رُتبہ میں بڑے تھے۔ گورنروں کو ان سب باتوں کا پتہ تھا۔ بدقسمتی سے ایک بار موتی لال جی کو مذکورہ بالا کمشنر کے ساتھ ایک رات گاڑی کے ایک کمپارٹمنٹ میں اکٹھے سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ موتی لال جی نے اپنا بستره بچھوایا اور آرام سے اُس پر لیٹ گئے۔ لیکن کمشنر نے نہ ہی بستره بچھایا اور نہ ہی اپنے آپ کو پھیلایا۔ گرچہ شاید وہ ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ تو بھی وہ بالکل ایک دوسرے کے ساتھ نہیں بولے۔ کچھ عرصہ بعد کمشنر نے تمام ماجرا ایک تیسری پارٹی کو کہہ سُنایا۔ اور کہا کہ جب اُس نے موتی لال جی کا شاندار بستره دیکھا تو اُسے اپنا بستره کھولنے کا حوصلہ ہی نہیں پڑا۔ اور اسی لئے اُس نے سارا وقت اپنے بندھے ہوئے بستر پر بیٹھے رہنے یا اُس سے آدھا تکیہ لگانے میں گذار دیا۔

ایک سو قیدی	اکیا دن تھال
میزان	بائی
بارہ بار ساب	دروازہ و کھڑکی
ہتھکڑی بارہ بار	ساب بارہ بار

سندھ

سندھ کے ایک جیل خانہ میں ۱۳ مرد وارڈرز اور ایک عورت وارڈر ہے چیف وارڈر نے جیلر کو گنتی دیتے ہوئے کہا۔

۱۳ مرد
اعورت } مل کر [میزان چودہ
اُسے باقاعدہ درست کیا گیا۔

تیمور یا تمرلنگ

ہم اُردو میں تیمور کی تواریخ پڑھ رہے ہیں۔ جو چودھویں صدی کے پہلے حصہ میں پھلا پھُولا۔ اور سراسر بے سرد سامانی کی حالت میں شروع کر کے اُس نے ایک بڑی سلطنت بنالی۔ ہندوستان اور دہلی میں اُس کے بہادرانہ کارنامے مشہور ہیں۔ مؤرخ اُس کی پن گھڑیاں۔ پانی کے چلنے کے سکہ کے پائپ اور ناچنے والی بکریوں کا ذکر کرتا ہے۔

نیز اپنے سفر کے دوران میں وُہ بکری کے سینگوں کے خول میں شراب اور دودھ بھر کر لے جایا کرتا تھا۔

دوسروں کے بدلے سزا

ہمارے پاس چند بڑی اعلےٰ کہاوتیں ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح لوگ اور چیزیں میل ملاپ کے باعث تکلیف اُٹھاتی ہیں۔ لوہار کے ہتھوڑے کا لکڑی کا دستہ اس لئے تکلیف اُٹھاتا ہے۔ کیونکہ اس کی لوہے کے پھل سے دبستگی ہوتی ہے

کھٹمل اور جوُں

کھٹمل نے جوُں کا رشک کیا اس لئے کہ وہ آدمی کا خوُن چوُس لیتی ہے۔ اس نے بھی جوُں کی اجازت سے آدمی کا خوُن چوُسنا شروع کر دیا۔ لیکن جوُں تو چُپکے سے خوُن چوُس لیتی ہے لیکن کھٹمل تکلیف دیتا ہے۔ انسان تکلیف دینے والے جانور کی تلاش کرتا ہے (یہ اصلی دھوکا باز تو بھاگ جاتا ہے)، مگر جوُں بیچاری پکڑی جاتی ہے اور اسے مار دیا جاتا ہے۔ اسی طرح

سے ایک بلی چیل کے گھونسلہ کے نزدیک گئی۔ چیل نے فوراً اس پر جھپٹا مارا لیکن بلی نے اُسے یقین دلادیا کہ وُہ بے ضرر ہے۔ اس لئے انڈے دیتے تک بلی وہاں رہتی رہی۔ اور انڈوں کو ایک ایک کرکے کھاتی رہی۔ جب چیل نے صدائے احتجاج بلند کی تو اُسے بھی ختم کرڈالا

کس طرح گدھے کا بوجھ کم کر دیا جائے

یہ ایک پیچیدہ سوال ہے۔ ہم تمام نے وہ کہانی سُن رکھی ہے جس میں گدھے نے بوڑھے باپ اور اس کے لڑکے کو نہیں اُٹھایا تھا بلکہ بوڑھے باپ اور لڑکے نے گدھے کو اُٹھار کھا تھا۔ دونو تھک گئے اور دونوں پر دیکھنے والوں نے آوازے کسے۔ گویا کہ سب کو خوش کرنے کی کوشش میں وہ کسی کو بھی خوش نہ کر سکے۔ لیکن یہ وہ کہانی نہیں ہے جسے بیان کرنے کا ارادہ تھا۔ ہمیں تبلایا گیا ہے کہ مہاراجہ بیکانیر نے ایک کمیٹی مقرر کی جو پیاری رعایا کی غریبی کے اسباب کی تحقیقات کرے۔ اس سے وہ کہانی یاد آجاتی ہے۔ جس میں ایک شخص گدھے پر سوار ہو کر پہاڑ کی اونچائی کی طرف جارہا تھا۔ گدھا بوجھ کے نیچے تقریباً دبا جاتا تھا۔ تب اُس شخص نے اپنی پگڑی اُتار ڈالی۔ اور پھر اپنے جُوتوں اور کوٹ کو اُتار کر اپنے نوکر کو دے دئے۔ لیکن گدھے نے پوچھا " آپ یہ سب کُچھ کیوں کرتے ہو؟" جواب

ملاکہ" تمہارا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے۔" "تب تُم خود ہی کیوں نہیں میری پیٹھ سے اُتر جاتے؟" عقلمند گدھا بولا۔

ہاتھی کبھی نہیں بھُولتا

نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایک درزی ہر روز اپنی دوکان کے پاس سے گزرنے والے ہاتھی کو گُڑ دے دیا کرتا تھا۔ شکر گذار ہاتھی ہر روز اُس کی دوکان پر ٹھیر جاتا اور اپنا سُونڈ پھیلا کر گُڑ کی ڈلی کی تلاش کیا کرتا۔ ایک دن درزی کے پاس گُڑ کا ڈھیلا نہ تھا۔ اس لئے اس نے خالی پچکار اور دلاسے اور بات چیت اور اشاروں سے بھیج دینا چاہا لیکن اُس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ آخرکار درزی نے اپنی سوئی کے ساتھ اُس کے سُونڈ کے نرم سرے کو معمولی سا چبھو دیا۔ ہاتھی ہر روز درزی کو اپنے اصطبلوں کے پاس سے گزرتے ہوئے تاڑا کرتا تھا۔ ایک دن جبکہ ہاتھی حسب معمول تالاب سے واپس آیا۔ تو اس نے درزی کو دیکھ لیا۔ اور اپنی سونڈ اُٹھا کر گدلے پانی کو جو وہ خاص طور پر تالاب سے لایا تھا۔ درزی کے چہرہ پر پھینک دیا۔

لیکن مذاق نہیں

یہ صرف ایک مذاق تھا۔ اور ہاتھی کو اس کی مذاق کی حس پر ضرور مبارکباد دینی چاہیئے۔ کانجی ورم میں مندر کے ہاتھی کی ایک اور کہانی سُنائی جاتی ہے۔ جسے جلوس کے دنوں ہجوم میں سے یاتری (زیارت کرنے والے) پھل۔ ناریل اور گُڑ وغیرہ پیش کرتے ہیں اور ہاتھی اُن تمام کو لے کر خوب مزے سے کھاتا ہے۔ ایک دن ایک لڑکے نے اسے کانٹوں کی گیند دیدی۔ بیچارے نے اُسے لے لیا اور ضرور دُکھی ہوا ہو گا۔ اگلے دن سینکڑوں آدمیوں میں سے ہاتھی نے لڑکے کو چھانٹ لیا۔ اور اُسے اپنے سونڈ سے اُٹھا کر پاؤں کے نیچے دبا لیا۔ اور دو ٹکڑے کر ڈالا۔ اونٹ کی بابت مشہور ہے کہ وہ ہاتھی سے بھی زیادہ کینہ ور ہے۔ جبکہ کوبرا (سانپ) کا انتقام تو زمان اور مکان دونو کی حدود سے بھی پرے جاتا ہے۔

برطانوی انجینئرز اور انجینئرنگ

اہل برطانیہ اپنی انجنیئری کی فتوحات پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ لندن میں اُن کی ٹیوب ریلیں ایک شاندار کام ہیں۔ لیکن کیا وہ اُن بہت بڑی بدر روؤں سے زیادہ شاندار ہیں جو اہلِ روم نے اس وقت بنائی تھیں جب برطانیہ اُنکے ماتحت تھا؟

اُنہیں اپنی ہنر سوزی پر فخر ہے۔ لیکن اس کام میں اپنے حصص پر ہے نہ کہ چینی فنِ انجنیئری پر۔ اس کا کریڈٹ تو فرانس کے انجنیئر لیسیپ کو ہے۔ کیا وہ کوئی چیز ایسی دکھا سکتے ہیں جو میناروں یا فرضی جانور (جس کا جسم شیر کا اور چہرہ عورت کا ہوتا ہے) تازی استرکاری کی تصاویر والی اجنتا کی غاروں۔ ایلورا کا کیلاسش مندر۔ ایلیفنٹا کے چٹان سے کٹی ہوئی غار کے مندر، سانچی اور بھیلسا کے ستوپا اور توران، فتح پور سیکری کا وہ جواہر روضۂ تاج محل۔ آگرہ اور دہلی کے محلات۔ اشوک کے ستون۔ قطب مینار، دہلی۔ جے پور اور اُجین کے جنتر منتر، لاہور کے شالامار باغات، امرتسر کا سنہری مندر، صوبجات متحدہ کا کھجراؤ مندر۔ بھوونیشور مندر اور اوڑیسہ کے کنرک (KAARAK) مندر، میسور میں وہ خوبصورت جواہرات یعنی ہالی بیڈ اور بیلور کے مندر، تنجور، مدورا، شری رنگم، چدامبرم اور ٹریونیڈم میں پتھر اور چونہ کی شکل میں شاندار یادگاریں، احمد آباد کا گنبدِ لرزاں جس کے دونوں بُرج چھ انچ کی وسعت پر سے اندر سے ہاتھ مارنے پر ہلنے لگ جاتے ہیں۔ یا مینارِ تاعنی جو جھکے ہوئے ستون ہیں اور جنہیں گذشتہ زمانہ کے مسلم انجنیئروں نے بنایا ہے۔ یا فتح پور سیکری اور آگرہ فورٹ کے بالمقابل کے حماموں (جنہیں گیلانی نے بنایا تھا اور جو اپنے آپ جلنے والے اور کبھی نہ بجھنے والے لیمپ سے گرم شدہ پانی کے کونڈے تھے) کے مشابہ ہو۔

برطانوی بربریت

ان لیمپوں اور احمد آباد کے اُن چھوٹے برجوں کے پوشیدہ رازوں کی تہ تک پہونچنے کے لئے برطانوی انجنیئروں نے ایک برج کو مسمار کر دیا۔ لیکن اس کے نیچے سے کوئی طلسم یا تعویذ نہیں ملی۔ مگر دوبارہ پتھروں کے وہیں رکھنے سے یہ ہوُا کہ وہ گنبد "گنبدِ لرزاں" نہ رہا۔ خوش قسمتی سے دوسرا برُج جوُں کا توُں موجود ہے۔ لیکن اسی طرح کی تحقیقات نے دوحماموں کو تباہ کر دیا ہے۔ برطانوی فنِ انجنیئری کا بہترین ثبوت دہلی کی سنٹرل سیکرٹری ایٹ سے ملتا ہے۔ جس کی اندرونی چھت کی ٹائلیں ممبر خزانہ سر باسل بلیکیٹ کے سر پر گرِ پڑی تھیں، اور یہ مُسلمہ امر خیال کرتے ہوئے کہ اور بھی گریں گی۔ چھت کے لئے جالی لگا دینے کا مشورہ دیا گیا۔

نام میں کیا پڑا ہے؟

ہندوستانیوں میں یہ عام دستور ہے کہ وہ عناصر یا اُن کی بناوٹی اولاد یا پُرانے بہادروں، شہیدوں اور سنتوں کے نام اختیار کرتے ہیں۔ تاہم اکثر نام سارتھک ثابت نہیں ہوتے یعنی نام رکھنے والے شخص کے کیریکٹر میں ان کے معانی پوُرے نہیں اُترتے۔ اس بارے میں ایک عمدہ

کہاوت ہے۔ جو یُوں ہے :-

امرناتھ مر گیا۔ لکشمی گوبر بیچتی، دھن پال بھیک مانگتا ہے اور میرا نام ٹھن ٹھن پال ہے۔ وہ آدمی جس کا نام امر (نہ مرنے والا) تھا، مر گیا۔ جس عورت کا نام لکشمی (دولت کی دیوی) تھا۔ وہ گوبر کی تھاپیاں بیچ رہی ہے۔ دھن پال (دولت کا مالک) نام والا شخص بھیک مانگ رہا ہے۔ لیکن میرا نام ایک کہتا ہے ٹھن ٹھن پال ہے۔ اس بیچارے کے لئے نام سے نفع یا گھاٹا اُٹھانے کا سوال ہی نہیں

ترک وطن

ہندوستان کی ساحلی لمبائی ۴۸۰۰ میل ہے اور رقبہ ۱۸ لاکھ مربع میل ۱۹۴۳ء میں ہندوستان کی آبادی ۳۸ کروڑ ۹۰ لاکھ تھی۔ کسی وقت ہندوستان ایک بڑا جہاز راں ملک تھا۔ اس لئے وطن سے باہر جانے کے لئے حالات بالکل مُوافق ہیں۔ رنگروٹ بھرتی کرنے کے لئے گجرات بڑا اچھا علاقہ ہے۔ اس بات کا علم اُس وقت ہوُا تھا۔ جب کہ ۱۹۲۱ء میں گجرات کے علاقہ میں اجتماعی سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا خیال تھا (جو بعد میں ترک کر دیا گیا تھا) اُس وقت یہ کہا جاتا تھا۔ کہ گجراتی لوگ جو جنوبی افریقہ میں رہ چکے تھے وہ جانتے تھے تحریک کیا ہے۔ اور اسی لئے گاندھی جی اسے انندا اور

باردولی کی تحصیلات میں آزمانا چاہتے تھے۔ نیز اُن کی یہ بھی خواہش تھی کہ ہندوستان گجرات کا سا حوصلہ اور طاقت اپنے اندر بھرلے۔ گجرات سے لوگ جنوبی افریقہ جایا کرتے تھے۔ جنگ عالم نمبر ایک کے بعد انہوں نے شمالی افریقہ جانا شروع کر دیا۔ یہ حیرانی ہے کہ مہاراشٹر والے ترک وطن کے عادی نہیں ہیں۔ بنگالی، اوڑیا اور اندھرا کے لوگ افریقہ کے علاوہ بڑی بھاری تعداد میں برما چلے گئے۔ جبکہ تامل اور ملیالی ان کے علاوہ ملایا، سنگاپور اور لنکا تک جا پہونچے۔

خونی رشتہ داروں سے شادیاں

بہت سے ممالک کی رسومات شادی ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں۔ جنوبی ہندوستان میں اور کسی حد تک مہاراشٹر میں مُنّو لا کنبا یعنی ماموں کی لڑکی سے بیاہ کرنا قابلِ اعتراض خیال نہیں کیا جاتا۔ یا خاص جگہوں پہ قابل تعریف سمجھا جاتا ہے۔ خاص ذاتوں میں یہ لازمی ہے۔ اپنی بہن کی لڑکی سے شادی کر لینے کا بھی رواج ہے۔ غایت درجہ کی دولت اور غایت درجہ کی غریبی اس قسم کی شادی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں تاکہ اس سے وہ دولت کو بچا کر رکھ سکیں۔ اور سوسائٹی میں اس کے نہ ہونے سے تکلیف نہ اُٹھائیں۔ مصر کے پُرانے بادشاہوں میں بہن بھائی کی شادی کا رواج

تھا۔ اور "باغ و بہار" یا "چہار دانش" میں ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ کس طرح ایک بادشاہ کی لڑکی گھر سے بھاگ گئی۔ اس لئے کہ باپ اور بھائی دونوں اس پر ڈورے ڈال رہے تھے جس بات کی ابراہیم اور برہما اور مصر کے پرانے بادشاہوں کو اجازت تھی۔ وہ بعد کی نسلوں کے لئے قابل نفرت بنی رہی۔

موسم

احمد نگر کا موسم غضب کا اچھا ہے۔ جون کے شروع میں ہی یہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا۔ اور بادل تو ۲۰ مئی سے ہی نیچے آنے شروع ہو گئے تھے ہماری ٹمپریچر کبھی ۱۰۰ ڈگری سے زیادہ نہیں ہوئی۔ جون اور جولائی میں ۱۲ انچ اوسط بارش ہیں سے احمد نگر میں ۱۱.۵ انچ سے زیادہ بارش ہوئی۔ لیکن پچھلے سال بارش ۳۰ انچ تک پہنچ گئی۔ اور اس سال اگر کاتب موسم دغاباز نہ ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ پچھلے سال کا پیمانہ ہی برقرار رہے۔ اب موسم ہم تمام کے لئے ایک عام مضمون ہے۔ یہاں تک کہ تمام پُر لطف صحبتوں میں گفتگو کا آغاز اس سے ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم نے رتوں (موسموں) کے نام رکھنے شروع کر دیئے تھے مجھے اس وقت حیرانی ہوئی جب میں نے یہ سنا کہ بنگال میں سال گرمیشم رتو (موسم گرما) سے شروع

ہوتا ہے۔ بلا شبہ اُن کا سال شمسی ہے اور اُن کے نئے سال شروع ہوتے
ہیں اور قمری نئے سال میں عام طور پر دو یا تین ہفتوں کا فرق ہے
قمری سال بسنت رِتو (موسم بسنت) سے شروع ہوتا ہے۔ لیکن دونو صوبجات
میں چھ رِتو (موسم) مشترکہ ہیں۔ یعنی بسنت۔ گریشم، ورشا (بارش) شرد
(سرما) ہیمنتا (برفانی) اور ششِرا (خشک)۔ صرف اُن کے آغاز اور انجام
ہیں اختلاف ہے۔

دو سندھی اردلی

ایک معمولی قتل کے مقدمہ میں جو مجرم پھانسی سے بچ جائے اُسے
عمر قید کی سزا دی جاتی ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اُسے قانون
کی رُو سے ۱۴ سال کاٹنے پڑتے ہیں۔ چھ سال ملکہ وکٹوریہ کی عنایت عمومی
(تمام کے لئے عنایت) کے باعث کٹ جاتے ہیں۔ پس بغاوت سرکار کی عمر
قید کو چھوڑ کر باقی عمر قید سے مُراد عرصہ ۱۴ سال کی قید ہے۔ اس میں سے
بھی عام طور پر ایک قیدی ہر ماہ چار دن کی معافی حاصل کر لیتا ہے۔
گویا کہ ہر سال ۴۸ دن اور ۱۴ سالوں میں ۱۴ × ۴۸ = ۶۷۲ دن لیکن
جس مہینہ میں جیل داخل ہوتا ہے اور جس مہینہ رہا ہوتا ہے اُن مہینوں
میں معافی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے ان دو ماہ کے ۸ دن وضع

کرنے سے کُل ۶۷۲ - ۸ = ۶۶۴ بنتے ہیں۔ جن کے ۲۲ مہینے بنتے ہیں۔ یعنی موٹے طور پر دو سال۔ باقی بارہ سال رہ جاتے ہیں۔ لیکن عمر قیدی یا چار سال سے زیادہ عرصہ کے قیدی کو ڈیڑھ سال سزا کاٹنے کے بعد مستری بنا دیا جاتا ہے۔ جب اسے ہر ماہ ایک دن اور ملنے لگ جاتا ہے اور ایک سال مزید کاٹنے کے بعد قیدی اوورسیئر بن جاتا ہے۔ اور اُسے ہر ماہ دو دن اور ملنے لگ جاتے ہیں۔ اور ایک سال یا چھ ماہ اور کاٹنے کے بعد وہ وارڈر بن جاتا ہے۔ اور اُسے ہر سال چار دن مہینہ میں اور زیادہ ملتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ بطور مستری ایک سال میں بارہ دن اور زیادہ لیتا ہے۔ بطور اوورسیئر ایک سال میں ۲۴ دن اور بطور وارڈر سات یا آٹھ سالوں میں ۴ × ۱۲ × ۷ = ۳۳۶ دن اور۔ کُل دن اور ۳۳۶ + ۲۴ + ۱۲ = ۳۷۲ دن ہوتے ہیں۔ ان کو بارہ سالوں میں سے گھٹا دینے سے قید کا کُل عرصہ دس اور گیارہ سال کے درمیان رہ جاتا ہے۔ ایک اور بھی طریقہ ہے۔ جس سے انسپکٹر جنرل۔ ڈسٹرکٹ جج اور سپرنٹنڈنٹ پر مشتمل ایک بورڈ شریف قیدیوں کا انتخاب کرتا ہے اور جو منتخب ہو جائیں وہ اپنی چودہ سال کی اصلی قید کی دو تہائی کاٹ کر رہا ہو جاتے ہیں۔ پونہ (یروادا) جیل میں دو سندھی قیدی تھے، جو قیدی وارڈروں کے درجہ تک پہونچے۔ اس پوزیشن میں انہیں ذمہ دارانہ اور ہلکا کام دیا جاتا ہے۔ مثلاً سپرنٹنڈنٹ یا داروغہ کے اردلی یا انہیں کھانے پینے کے گودام کا انچارج بنا دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دو سندھی قیدی سپرنٹنڈنٹ کے اردلی بن گئے۔ جسے دن میں کئی بار لباس

بدلنے کی عادت تھی۔ جنہیں وہ اپنے دفتر میں رکھا کرتا تھا۔ ایک وہ لباس، جس میں وہ دفتر داخل ہوتا تھا اور باہر جاتا تھا۔ ایک سوم وار کے معائنہ کے لیئے اور ایک راؤنڈز (دوروں) کے لیئے۔ دفتر اوپر مرکزی برج میں ہے۔ جس پر لکڑی کی سیڑھیوں کے ذریعہ جانا ہوتا ہے۔ عام طور لکڑی کی سیڑھیاں ہوتی ہیں۔ ایک سپرنٹنڈنٹ کے لیئے اور دوسری باقی تمام کے لیئے۔ ہر روز سپرنٹنڈنٹ کے آنے اور جانے کا پتہ اُن سیڑھیوں پر اُس کے قدموں کی خاص آواز سے لگ جاتا تھا۔ ایک شام وہ نہیں آیا۔ لیکن چند آدمی ہی اس بات کا خیال رکھا کرتے تھے۔ کہ وہ کب آیا یا آیا یا نہ آیا۔ یہ مسلمہ بات تھی کہ وہ شام کو آئے گا اور ضرور دفتر کا کام کرے گا۔ جب سپرنٹنڈنٹ جیل میں داخل ہوتا ہے۔ تو بین دروازہ کی گارد اسے ہتھیار پیش کرتی ہے۔ ڈیوٹی پر قیدی وارڈر دروازہ کھولتا ہے۔ اُسے داخل کرتا ہے اور اس کے پیچھے دروازہ بند کرتا ہے۔ تب وہ اندرونی دروازہ کی طرف جاتا ہے اور ڈیوٹی پر قیدی وارڈر اندرونی دروازہ کھولتا ہے اور اُس کے پیچھے دروازہ بند کر دیتا ہے۔ پھر وہ دفتر کی طرف چل دیتا ہے جو برج پر واقعہ ہوتا ہے۔ یہ آٹھ پہلوؤں والی بلڈنگ ہوتی ہے۔ جس کی ہر طرف جیل چکر کے آٹھ ٹکڑوں میں بنے ہوئے آٹھ بلاکوں میں سے ایک کے مقابل ہوتی ہے۔ یہ ہے جیل کی بناوٹ۔ بلاکوں کے چاروں طرف ایک اندرونی حلقہ دار سڑک ہوتی ہے۔ جس کے متوازی میں جیل کی اُونچی دیواریں ارد گرد کو جاتی ہیں۔ اُس خاص شام کو سپرنٹنڈنٹ حسب معمول

اپنے باہر جانے والے لباس کے ساتھ چلا گیا۔ اور اردلی سپرنٹنڈنٹ کی سیڑھیوں سے سپرنٹنڈنٹ کے پاؤں کی روزمرہ کی آواز کے ساتھ نیچے اُترا سیدھا اندرونی دروازہ کی طرف چلا گیا۔ ڈیوٹی پر قیدی وارڈر نے دروازہ کھول دیا۔ اپنے اردلی سمیت دو دروازوں کے بیچ کے برآمدہ کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ دربان نے اُسے سلام کیا۔ بیرونی دروازہ پر تعینات قیدی وارڈر نے دروازہ کھولا۔ گارد نے سیلیوٹ دی اور دونو لنوار چلدیئے۔ اور چھ سال کے لئے غائب ہو گئے۔ پڑھنے والا حیران ہو گا کہ کس طرح دو سندھی قیدی سپرنٹنڈنٹ اور اس کا اردلی بن گئے اور بھاگ نکلے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اُنہوں نے دفتر میں رکھی ہوئی سپرنٹنڈنٹ کی دو لباسوں کو زیب تن کیا۔ اُس کی رفتار کی نقل اُتاری، اُس کا ہیٹ پہنا، اُس کے بید پکڑے اور چل دیئے۔ کسی نے اُن پر شبہ نہیں کیا۔ عرصہ بعد .... گرفتار ہو گئے جبکہ ایک بار پھر اُنہیں وہی ممتاز جگہ دی گئی۔ اور وہ حسب معمول جیل کا کام چلانے لگ پڑے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستانی جیلخانوں کو نہ ہی سپرنٹنڈنٹ چلاتا ہے اور نہ ہی داروغہ اور نہ ہی وارڈر۔ بلکہ اُنہیں تو قیدی اور وارڈرز چلاتے ہیں۔ جب سیاسی قیدی پھر جیل میں گئے تو انہوں نے دونو سندھی قیدیوں کو ٹھیک وہیں پایا۔ اور جب نئے سپرنٹنڈنٹ کو ان کی تمام کہانی سُنائی گئی، تو اس نے کہا کہ ان کے بغیر یقیناً جیل خانے نہیں چلیں گے۔

بیڑیاں

ایک بڑی تجارت جو جیلوں میں چلتی ہے۔ وہ بیڑیوں کی تجارت ہے بلاشبہ اور چیزیں بھی اندر چلی جاتی ہیں۔ لیکن ایک قیدی ایک سیگرٹ یا ایک بیڑی کی خاطر بڑی آسانی سے اپنے چھ اونس چاول دینے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اور یہ بیڑیاں کس طرح اندر آتی ہیں؟ عام طور پر وارڈروں کے ذریعے جوان کے بنڈلوں کو رات میں جیل کی اونچی دیواروں کے اوپر سے اندر پھینک دیتے ہیں۔ اور قیدی وارڈرز انہیں اٹھا لیتے ہیں۔ اور اندر قیدیوں کو بیچ دیتے ہیں۔ روپیہ کی بابت قیدیوں کے رشتہ داروں سے خط و کتابت کی جاتی ہے۔ اور قیدی رقم کی تین چوتھائی جنس کی صورت میں حاصل کرتا ہے جس سے وارڈر کو بہر زائد منافع ہوتا ہے جو اس سارے معاملہ کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن ان بنڈلوں کو رکھا کہاں جاتا ہے؟ کس جگہ ساٹھ ایکڑ کے اندرونی صحن میں جس میں کھانے پینے کے سامان کے گودام۔ دری سازی کے کمرے، ورکشاپ۔ درزی شاپ، زرہ بکتر کا کمرہ وغیرہ وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن اس خاص کیس میں جو سند ہی قیدی وارڈر ن تھا ہے بیڑیاں کم سے کم مشتبہ جگہ میں تھیں، ایک دن جب ہمارا ایک سیاسی قیدی برج پہ گیا۔ اور سپرنٹنڈنٹ پوچھنے لگا کہ بیڑیاں کہاں ہونگی تو اس نے کہا' ہر جگہ' لیکن اسکی حیرانی نسقدر تھی جب اس قیدی نے سپرنٹنڈنٹ کی میزوں کی تہ دالی درازوں کو کھینچا۔ اور اسے بیڑیوں کا ذخیرہ دکھلایا۔ یہ ایک جیل ہے۔

سلفونامائیڈ اور نیپالو

آج کل ایک عام آدمی پاس شدہ ڈاکٹروں کی نسبت دوائیوں کو زیادہ جانتا ہے۔ اُن پُرانی دوائیوں کو نہیں بلکہ موجودہ دوائیوں کو جن کا اشتہار اخبارات میں دیا جاتا ہے۔ پاس شدہ ڈاکٹر تو جلدی ہی بڑھاپے کے باعث پنشن پا جاتا ہے۔ جبکہ دائمی مریض ہمیشہ دوائیوں کے بارہ میں اپ ٹو ڈیٹ رہتا ہے۔ ہمیشہ زمانہ کے ساتھ رہتا ہے۔ خیر۔ ہم عرصہ چار پانچ سال سے سلفونامائیڈ اور اس کے مرکبات کی بابت کافی سُنتے رہے ہیں۔ مختلف کوسیل (COCEAL) اجراثیم کی چھوت چھات میں انہیں لازمی طور پر دیا جاتا ہے کوکل جراثیم نقطے ایسے مائیکروبز ہیں جو ایک ایک، دو دو یا گر دہوں میں مرتب ہیں۔

ایک دن ایک دوست نے کہا۔ کہ وہ اپنی جگہ کے سول ہسپتال میں گیا تھا۔ جبکہ سول سرجن تقریباً ہر حالت کے لئے سلفونامائیڈ مرکبات میں سے کسی ایک یا دوسرے کا نسخہ تجویز کر رہا تھا۔ حال ہی میں جب چرچل کو نمونیا ہوا تو کہا جاتا ہے کہ اس کا علاج بھی ان مرکبات میں سے کسی ایک کے ساتھ کیا گیا۔ خیر۔ موجودہ زمانہ نئی اکسیرات کا زمانہ ہے اور تمام بیماریوں کے لئے ایک ہی دوا ایک للچانے والی تجویز ہے۔ اور ان دنوں کی یاد دلاتی ہے جبکہ اس روائتی اکسیر اعظم کا چرچا تھا۔ جو کسی انگریزی یا ہومیوپیتھی ہندوستانی ڈاکٹر

کے پاس نہیں ہوتا بلکہ اپنی لائن میں ماہر ہندوستانی ڈاکٹر کے قبضہ میں ہوتا ہے۔ یہ نیپالو ہے۔ جسکے عام نام کو جمال گوٹہ کے پودے سے لیا گیا ہے۔ جو قصبوں اور دیہات میں بکثرت پیدا ہوتا ہے اور جو بڑے احاطوں کی باڑ کے طور پر کام آتا ہے۔ جس سے جمال گوٹہ کا تیل یعنی ایک بڑا سخت مسہل تیار کیا جاتا ہے۔ جسے نکسیر اور اچانک لقوہ کی حالتوں میں سخت جلاب دینے کے لئے دیا جاتا ہے۔ اس ڈاکٹر نے تمام بیماریوں کے علاج کے لئے جمال گوٹہ تیل کی ان گولیوں میں رکھ لیا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک وقت کے لئے اس کی دو گولیوں کا استعمال بتاتا ہے۔

ا۔ نیپالو اور ایک گدھا

ایک بوڑھی عورت کے پاس ایک گدھا تھا۔ جس پر وہ دُور سے کہیں چکنی مٹی لا کر دو آنہ کے حساب سے ایک کمہار کو بیچا کرتی تھی۔ یہی اس کے گذارے کا واحد ذریعہ تھا۔ اُس کا گدھا گم ہو گیا۔ اُس نے ہر جگہ تلاش کی لیکن کہیں نہ ملا۔ اُسے مشورہ دیا گیا کہ وہ اُس ڈاکٹر کے پاس جائے۔ جس نے فوراً اپنی دو گولیوں کا نسخہ بتلایا۔ ان سے اُسے خوب زبردست جلاب لگا۔ چونکہ ہر بار رفع حاجت کے لئے اُسے گاؤں کی حد پر جانا پڑتا تھا۔ اس لئے اپنے ایک راؤنڈ میں اُس نے گدھے کو پالیا۔

اس سے ڈاکٹر کی شہرت بڑھ گئی ۔ کیونکہ وہ صرف جسم کا ڈاکٹر ہی نہیں تھا۔ بلکہ ہر ایک چیز کا۔ اس لئے اس کی بڑی مانگ تھی ۔

۲۔ بادشاہ اور ملکہ اور نیپالو

ایک جگہ کے ایک بادشاہ نے کسی وجہ سے اپنی ملکہ کو چھوڑ دیا اور دوسری شادی کر لی۔ پہلی کے لئے شہر سے باہر اس نے ایک محل بنوایا۔ اور اس کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا۔ ایک دن اپنی تنہائی کے باعث ملکہ بیمار ہو گئی۔ اور ہمارے ڈاکٹر کو بلا بھیجا۔ جسے اس نے اپنی مصیبتوں اور خود رائے بادشاہ کا سارا حال کہہ سنایا۔ ڈاکٹر نے حسب معمول اپنی وہی دو گولیاں بتلائیں بیچاری ملکہ کو بہت سخت جلاب لگے اور زندگی کے خاتمہ تک پہونچنے والی تھی جبکہ ڈاکٹر کو دوبارہ بلایا گیا۔ اس بار اس نے نئے برتن میں رکھے ہوئے ٹھنڈے پانی کا نسخہ بتلایا اور ملکہ بچ گئی۔ اسی دن بادشاہ شکار کے لئے باہر گیا۔ دن گرم تھا وہ تھک گیا۔ پانی کہیں نہیں ملتا تھا۔ اس لئے وہ اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔ لیکن راستہ میں پیاس برداشت نہ کر سکنے کے باعث وہ اپنی پہلی ملکہ کے محل میں ٹھیرا اور پانی مانگا۔ بہرے نے نئے برتن سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس دیا۔ جس سے بادشاہ بہت ہی خوش ہوا۔ اور بہرہ سے پوچھا کہ اس نے ایسا ٹھنڈا پانی کیسے دے لیا۔ اس نے کہا یہ وہ پانی ہے جسے ملکہ ہمیشہ پیتی ہے، بادشاہ کا دل تبدیل ہو گیا اور وہ اندر چلا گیا جہاں اس نے ایسا زندگی بخش ٹھنڈا پانی پینے والی اور بدیں وجہ ہمیشہ خوشی محسوس کرنے والی ملکہ سے ہاتھ ملائے ۔

۳- حملہ اور نیپالو

اس سلسلہ کی تیسری کہانی غالباً اتنی شاندار نہیں۔ بادشاہ نے جس کی پہلی عورت سے اس کی صلح ہو گئی تھی۔ دشمن سے محاصرہ کا خطرہ محسوس کیا۔ ایسی مایوس صورتِ حالات کا علاج تلاش کرنا سہل نہ تھا۔ اس لئے تمام نے اسی ڈاکٹر کے پاس جانے کا مشورہ دیا۔ جس نے اس کی ملکہ کا علاج کیا تھا۔ اور جس علاج کے باعث وہ اسے واپس ملی تھی۔ اسے باقاعدہ بلایا گیا اور وہ فوراً اپنے اس تواریخی نسخہ کے ساتھ آگیا۔ یعنی وہ تمام بیماریوں کا عالمگیر نسخہ جو خواہ آوارہ گدھے کے متعلق ہوں۔ خواہ چھوڑی ہوئی ملکہ کے متعلق اور خواہ سامنے آنے والے حملہ کے متعلق ہی ہوں۔ ڈاکٹر نے نیپالو یعنی جمال گوٹہ کی بہت بڑی مقدار طلب کی جس سے اس نے تیل نکالا۔ اور ہر مرد، عورت اور بچہ کو دیدیا۔ اگلے دن جب دشمن شہر کے نزدیک پہنچا۔ تو اس کی حدیں اتنی قابل نفرت تھیں کہ وہ اپنی فوج کو لیکر واپس چلا گیا۔ اور یہ ڈر اپنے دل میں لے گیا کہ اس شہر کی آبادی بہت ہی زیادہ ہو گی

درویش اور پالک

آج کل وٹامینز (جوہر حیات) ہر متلاشی صحت کا شغل اور ہر ڈاکٹر کا دلپسند

مسئلہ بن گئی ہیں ۔ روٹی سے پہلے یا روٹی کے ساتھ سلاد کو شوق سے کھانا فیشن بن گیا ہے ۔ لیکن سلاد کیا ہے ؟ یہ ہماری پتے دار سبزیوں سے زیادہ کچھ چیز نہیں ہے مثلاً کھوٹا گورا (تیلیگو کی سبزی) کیرائی (تامل کی) اور پالک (شمالی ہند کی) ۔ کسی زمانہ میں ایک عورت ہر روز صبح پالک، سویا اور چوکا کی آواز لگا کر بیچا کرتی تھی ۔ نزدیک کے ایک فقیر نے اس کی آواز کو سنا تو غش کھا گیا ۔ جب وہ ہوش میں آیا تو کہنے لگا کہ جب اس نے پالک (حافظ) سویا (سو گیا) اور چوکا (چوک گیا) کا شور سنا تو اس کے ہوش و حواس بالکل جاتے رہے ۔

ایک کہاوت کا غلط استعمال

ہم اکثر " دیہہ یونا رائنو ہر بیہ " کی کہاوت کا حوالہ دیا کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ پرماتما ہی ڈاکٹر ہے ۔ لیکن پورے شلوک سے مطلب اور ہی نظر آتا ہے ۔ " اوشد ھم کنٹھا چرم چا دتیہ یونا رائنو ہر بیہ " یہ ظاہر کرتا ہے کہ دوائی صرف لکڑی (چھڑیوں) کا ایک بوجھ ہے ۔ پرماتما ہی صرف ڈاکٹر ہے ۔

طبّی رجسٹریشن

کانگرس وزارت کے زمانہ میں بمبئی میں ڈاکٹر گلڈر نے طبّی رجسٹریشن کے

لئے ایک بل تجویز کیا۔ دیسی دوائیوں کے ہندوستانی ڈاکٹروں نے اسے پسند نہ کیا۔ اور شعر کی شکل میں ایک بد دُعا کو گھڑا۔

میٹیریا میڈیکا کی بڑا دفا
بھامی سنج کھلائے صبح جفا

دو چڑیاں

مسٹر چڑا اور مسز چڑی ہمیشہ ہمارے کمروں میں تشریف لاتے ہیں۔ وہ بڑے بیباک ہیں۔ ہماری دیواروں پر اور اندرونی چھت سے اُن کے اشغال پر چونچیں مارتے ہیں اور وقتاً فوقتاً ہم پر سُوکھے ہوئے چُونہ کے چھوٹے چھوٹے گول ڈھیلے مارتے ہیں۔ اس طرح سے وُہ ایک کُنج بنا لیتے ہیں۔ جس میں وہ اپنے انڈے دیتے ہیں۔ اور اُن سے بچے پیدا ہوتے ہیں وُہ ہماری میزوں کے پاس آتے ہیں۔ بجلی کے آویزاں لیمپوں پر ڈیرا جما لیتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے چڑ چڑ کرتے ہیں۔ نزدیک سے ایک دوسرے کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔ یا دُور سے ایک دُوسرے کو بُلاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے نزدیک آجاتے ہیں۔ اور چڑا چڑی کے سر پر چونچ مارتا ہے اور پھر اُس کے پاس اپنی جگہ لے لیتا ہے۔ وہ اپنی پیٹھوں اور پیٹوں کو کو نوچتے ہیں اور اپنی چونچوں کو تیز کرتے ہیں اور اپنے مذاقی خطوط کو

چھوڑنا نہیں بھولتے' (جیسا کہ ٹولر Toller نے جیل میں سے اپنے خطوط میں لکھا تھا) "جنہیں ہماری تمنا ہیں، ہمارے میز یا کبھی کبھی ہمارے پینے کے برتن بڑے ادب کے ساتھ حاصل کرتے ہیں!"

دھاتوں کا پرکھنا

گورنمنٹ ہند کے نظام کی اس شاخ کی تفاصیل کے متعلق لازمی طور پر صرف چند آدمیوں کو ہی پتہ ہوگا کہ یہ ٹکسال کے متعلق ہے۔ تمام سکوں کی دھاتوں کو جاری کرنے سے پہلے جانچا جاتا ہے۔ روپیہ، ساورن اور چھوٹے سکہ کے لئے آمیزش کو ان کے جاری کرنے سے پہلے پاس کرنا ضروری ہے۔ سکہ کو بیچ میں سے چھیدا جاتا ہے۔ اور چھیدے ہوئے کو جانچا جاتا ہے۔ جانچنے کے کئی طریقے ہیں اور اُن میں سے دو یہ ہیں ایک بلحاظ وزن کا اور دوسرا کیمیاوی جانچ کا طریقہ۔ ایک روپیہ میں جس کا وزن ۱۸۰ گرین ہوتا ہے چاندی کا تناسب لازمی طور پر ۱۰۰ میں سے ۹۱.۶ کے حساب سے ہوگا۔ ایک لاکھ روپیہ کے ڈھیر میں سے یونہی پچاس سکے اس طرح جانچ لئے جاتے ہیں۔ اور اگر یہ جانچ مذکورہ بالا نتائج کو ظاہر کرتی ہے۔ تو ان تمام کو پاس کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ انہیں پگھلا دیا جاتا ہے۔ دو فی صدی کمی کی اجازت ہے۔

چھوٹا سکّہ

نِکل کے ایک آنہ کا وزن ۶۰ گرین ہوتا ہے۔ نکل کے دو آنہ کا وزن ۹۰ گرین ہوتا ہے۔ نکل کے آٹھ آنے کا وزن ۱۲۰ گرین ہوتا ہے۔

پھر کیوں نہ ایک سُنار ایک آنہ کے دو سکوں کو پگھلا کر ایک آٹھ آنہ کا سکہ بنا لے ؟ اُنہوں نے واقعی ایسا کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آٹھ آنہ کا سکہ واپس لے لیا گیا۔ لیکن ابھی بھی ایک ایک آنہ کے تین سکے پگھلا کر اُن کے دو آنہ کے دو سکے بنائے جا سکتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنا مفید نہیں۔ اس لئے دو آنہ کے نِکل کے سکہ کو رہنے دیا گیا۔

مسلمانوں کی شادیاں

ہندوستان میں مختلف جماعتیں ایک دوسرے کی مجلسی رسومات سے متعلق کتنا تھوڑا جانتی ہیں! اکبر نے پنڈتوں اور مولویوں کو بُلا کر نہ صرف مشترکہ مذہب پیدا کرنے کی کوشش کی بلکہ مجلسی اطوار اور رسومات کو جذب کرنے کے لئے بھی زور لگایا۔ ایک مسلمان شادی بہت حد تک ہندو شادی کے طریقہ پر ہی مقرر کی جاتی ہے۔ ایک میں صرف دُولہا کی پارٹی ہی دُلہن کی تلاش میں نکلتی ہے۔ مگر ہندوؤں میں دو نو طریقے ہی رائج ہیں گو کہ دُلہن کی جماعت عام طور

پر دُلہا کی تلاش کرتی ہے۔ کُنبوں کے بھی خواہ ایک دولہن کی خبر لاتے ہیں۔ جن سے اشارہ لے لیا جاتا ہے۔ اور دُلھن کی پارٹی سے پتہ لگایا جاتا ہے۔ کہ وُہ شادی کی تجویز پر سوچنے کے لئے تیار ہے؟ اگر وہ تیار ہو تب دولہن کے خاندان کی تاریخ، مجلسی درجہ اور اس کی اپنی خوبیوں کے متعلق تحقیقاتیں کی جاتی ہیں۔ اگر تسلی بخش ہوں تو دولہا کی بہن اور ماں دُلہن کو دیکھ لیتے ہیں۔ اگر سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے تو دُولھا کو اپنے آپ کو دکھانے کے لئے دولہن کے گھر مدعو کیا جاتا ہے۔ اور دُولہن کی ماں کسی دروازہ کے سوراخ یا پردہ کے پیچھے سے بغیر ظاہر ہوئے دولھا کو جھانک لیتی ہے۔ اس کے بعد حق مہر، دہیز اور رسم شادی کے مقرر کرنے کا مرحلہ آتا ہے۔ پھر ضیافتوں اور خُوشیوں کا دَور چلتا ہے۔ نکاح کے بعد دُلہن چند دنوں کے لئے دولھا کے گھر چلی جاتی ہے۔ اور پھر واپس آکر چند ماہ اپنی ماں کے پاس رہنے کے بعد قطعی طور پر دولھا کے گھر بھیج دی جاتی ہے۔ جب اُسے حمل ہو جاتا ہے تو تقریباً ہر ماہ بچہ کی پیدائش کے وقت تک خوشی منائی جاتی ہے۔ جب شادی کی تاریخ مقرر ہو جاتی ہے تو دُلہن کو ایک خاص رسم منانی پڑتی ہے جسمیں وہ اپنی شادی سے پہلے ہفتوں تک کے لئے اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ یہ آنکھیں بند کرنا مہینوں تک بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ کسی انسان کو نہیں دیکھے گی۔ لیکن اب یہ رواج جانے لگا ہے۔ گرچہ نچلے درجہ کے درمیانی طبقہ اور غریبوں کے درمیان یہ ابھی تک جاری ہے۔

مرحوم سر پربھاشنکر پٹّانی

مرحوم سر پربھاشنکر پٹانی شاندار انسان تھا۔ سفید رنگ اس کا دلپسند رنگ تھا۔ سفید رنگ کا لباس، سفید ہلتی ہوئی داڑھی اور اس کے چہرہ کا رنگ بھی سفید تھا۔ جب اسّی سال سے زیادہ عمر پاکر وہ فوت ہُوا تو اس وقت وُہ بڑا قابلِ تعظیم، شریف اور رِشی (صاحبِ تمیز) جیسا انسان تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ۱۹۳۸ء میں ہری پورہ کانگریس کے اجلاس کے دوران میں وُہ کچھ وقت (باپو) کے ساتھ گذارے۔ چنانچہ اُس نے اپنے ہوائی جہاز کے اُترنے کے لئے کچھ جگہ بھی مانگی۔ ولبھ بھائی نے یہ جگہ تیار کر دی۔ سر پربھاشنکر کا سیکرٹری آیا اور اُس نے جگہ کا معائنہ کرکے باقی انتظامات مکمل کر دیئے۔ واپس جانے سے پہلے اُس نے گاندھی جی سے ملنا چاہا۔ اور جب مِلا تو گاندھی جی نے اس تجویز کو ایک سے زیادہ وجوہ کے باعث ردّ کر دیا کیونکہ اُن کا خیال تھا کہ شدّت کی سردی اور سر پربھاشنکر کا بڑھاپا دونو ٹھیک نہیں بیٹھیں گے۔ چنانچہ گاندھی جی نے اس مطلب کا خط سر پربھاشنکر کے نام لکھ کر اس کے سیکرٹری کو دے دیا جس نے واپس جاکر یہ چھٹی اُسے دے دی۔ سر پربھاشنکر گاندھی جی کے مشورہ پر خوش ہُوا۔ اُسے قبول کر لیا۔ اور خط کا جواب بھی دے دیا۔ لیکن خط پہنچنے سے پہلے گاندھی جی کے پاس تار پہنچ گیا۔ کہ سر پٹانی فوت ہو چکا تھا۔

بادشاہ کا جنم دن!

ایک دن ایک یوروپین پروفیسر جون کی گرمی میں اپنی سائنس کی لیبارٹری میں کام کر رہا تھا۔ جب ایک بڑا افسر اُس کے پاس آیا اور اُس سے مصافحہ کر کے کہنے لگا: "اوہ! آپ چھٹی کے دن بھی کام کر رہے ہو"۔ "کیا چھٹی؟" فکرمند پروفیسر نے پوچھا۔ اور فوراً جواب ملا "بادشاہ کا جنم دن!"

"بادشاہ کا جنم دن"۔ انگلستان میں اس دن کوئی چھٹی نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ سکول تین چار گھنٹوں کے لئے بند کر دئے جاتے ہیں۔ اور ہم پروفیسر لوگ ضرور اپنی لیاقت کے مطابق کام کرتے رہتے ہیں۔

---

۹ - ۸ - ۴۳

سال گذر گیا ہے۔ آج نیا سال شروع ہوتا ہے۔ ہم میں سے بارہ کے بارہ ہی چل رہے ہیں۔ لیکن کئی بہت اچھے نہیں ہیں۔ ولبھ بھائی کی تکلیف فکر بڑھانے والی ہے۔ ڈاکٹر سید محمود کی صحت شروع سے ہی گھٹیا رہی ہے۔ آصف علی وقتاً فوقتاً بیمار ہوتے رہے ہیں۔ اور ابھی انفلوئنزا کے نرم حملے سے بچ کر نکلے ہیں۔ نریندر دیو نے باقیوں کی طرح سال ختم کر لیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں کی آب و ہوا اُن کے لئے اور اُن کے دمہ کے لئے راس نہیں آئی۔

انہوں نے اپنا سال بیمار پڑنے اور صحت یاب ہونے میں ہی گذارہ ہے۔ مولانا نے نہایت سخت خود ضبطی کی زندگی گذاری ہے۔ اور اپنی بیگم کی موت کا صدمہ انہیں کبھی نہیں بھول سکا۔ پنت جی اپنی بیماریوں سے اُوپر پرواز کرتے رہے ہیں۔ اور محض اپنی راضی رہنے کی قوتِ ارادی سے انہیں قابو کرتے رہے ہیں شنکر دیو راؤ اپنے جسم اور اس کی بناوٹ کے لحاظ سے زیادہ صحتور اور زیادہ خوش رہے ہوں گے۔ پرپھلا گھوش نے اپنے سائنٹیفک علم اور مشق سے تمام تکالیف کو اپنے سے دور ہٹائے رکھا ہے۔ مہتاب کو یہ ڈر لگا رہا ہے کہ کہیں اس کا وزن پھر وہی نہ ہو جائے۔ اور اسے لئے اسے کم رکھنے کی خاطر انہیں بڑی مشکل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کرپلانی جی نے دن رات اپنی تکالیف کا مقابلہ کیا ہے۔ اور انہیں روکے رکھا ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ جواہر کو کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ ہم تمام نے اپنا وقت کبھی پڑھ لکھ کر، کبھی دلیل بازی سے اور کبھی چھان بین سے، کبھی بات چیت میں بہت تیز ہو کر اور پھر اُسی وقت لازمی طور پر ٹھنڈا ہو کر لیکن خوشی خوشی گذارا ہے۔

نر حاملہ

ہمیں ایک غیر جنسی حالت کا بھی علم ہے جیسی کہ امیبا کی، جو محض منقسم ہو جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں یہ بھی پتہ ہے کہ کلیانے سے بھی پیدائش

ہو جاتی ہے جیسے کیلے کی حالت میں۔ ہم جانتے ہیں کہ پھولوں میں نر اور مادہ دونو کے عناصر ہوتے ہیں۔ دونو جنسیں ہی ایک میں۔ لیکن نر عناصر کو پرندے اور ہوائیں اُٹھا لے جاتی ہیں۔ اور اسی قسم کے دوسرے پھولوں کے مادہ عناصر پر دھر دیتی ہیں تاکہ پھل آور ہی اور بیج کی بناوٹ وجود میں لائی جا سکے۔ حیوانی دُنیا میں گو مخنّث موجود ہیں تو بھی قاعدہ جنسی امتیاز ہے جس میں مادہ حاملہ ہوتی ہے اور اولاد پالنے کا بوجھ اُٹھاتی ہے پرندوں میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد سے جب تک وہ اُڑنے کے قابل نہ ہو جائے کتنی محبت کرتے ہیں۔ مینڈکوں میں اختلاف ہے۔ جس میں مادہ نر کے پیٹ کی ایک تھیلی میں اپنے انڈے دیتی ہے۔ اور اس کے بعد انڈے نر میں ہی نشو و نما پانے لگتے ہیں۔ سمندری دُنیا میں ایک جانور ہوتا ہے۔ جسے سمندری گھوڑا کہتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک سمندری مچھلی ہے۔ جس کا سر گھوڑے جیسا اور دُم بندر کی دُم کی مانند گرفت کرنے والی ہوتی ہے۔ یہ ریڑھ دار ہے۔ لیکن اس کا دوسرا بیرونی پنجر بھی ہوتا ہے۔ جو ہڈی کی تختی والا ہے۔ اسے ہیپوکیمپس (دریائی گھوڑا) کہتے ہیں۔ جب ہم نے اپنے جراحی تھیٹروں میں انسانی دماغ کی چیر پھاڑ کی تو ہم نے ہپوکیمپس بالغ اور ہپوکیمپس نابالغ دونو دیکھے۔ لیکن ہمیں اس بات کا علم برائے نام تھا۔ کہ ہپوکیمپس ایک سمندری مچھلی ہے۔ جس کا سر گھوڑے کا اور دُم بندر کی ہے۔ ان عجیب و غریب جانوروں میں پیدا کرنے کا ڈھنگ ریاستہائے متحدہ کے اخبار "لائیف" کے پرچہ میں یوں بیان کیا گیا ہے:۔

"ان کی کورٹ شپ ایک بڑا لمبا چوڑا معاملہ ہے۔ جس میں نر اور مادہ دونوں عمودی حالت میں ایک دوسرے کے ارد گرد نازک حلقے بنا کر تیرتے ہیں۔ مادہ کے بچے نہیں ہوتے بلکہ نر کے ہوتے ہیں۔ مادہ حسب معمول مادی طریقہ میں انڈوں کو بناتی ہے۔ تب کورٹ شپ کے بعد وہ ان انڈوں کو نر کی انڈوں کی تھیلی میں رکھ دیتی ہے۔ نر ۴۵ دن تک انڈوں کو اِدھر اُدھر اُٹھائے پھرتا ہے اور اس تمام عرصہ میں اُس کی تکلیف بڑھتی ہی جاتی ہے وہ اپنے حمل کے آخری چند دن بچوں کو جلدی پیدا کرنے کی کوشش میں اپنی پھولی ہوئی تھیلی کو دوسری چیزوں سے ٹکرا کر گذارتا ہے۔ بالآخر ۲۰۰ دریائی گھوڑے نکل آتے ہیں۔ لیکن نر اپنے پدری پن کی زحمت سے گذرنے کے باعث چور ہو جاتا ہے۔

ملوکیت پرست برباد کنندہ

جب لارڈ کرزن وائسرائے تھا تو ایک سیکرٹری نے وائسرائے کے پرائیویٹ سیکرٹری کو فون پر بُلایا۔ اور اس سے دریافت کیا کہ 'کیا ملوکیت پرست برباد کنندہ موجود ہے؟' 'ہاں' جواب ملا۔ "ملوکیت پرست برباد کنندہ ہی بول رہا ہے" کیونکہ خود لارڈ کرزن اُس وقت اتفاق سے فون پر موجود تھا۔

ملوکیت پرست

اس کہانی کا دوسرا بیان جو ایک شخص نے اپنی نوجوانی میں سُنی یہ ہے کہ لارڈ کرزن کا ایک ایڈی کانگ جو نواب دارل) خاندان کا نوجوان نمایندہ تھا (یاد رکھئے کہ لارڈ ویول کا ایک ایڈی کانگ ایک نواب ارل آنسٹن نامی ہے) ایک ہال میں داخل ہؤا اور اپنے ساتھی ایڈی کانگ سے پُوچھنے لگا کہ "ملوکیت پرست کہاں ہے؟" لارڈ کرزن جو ایک کونہ میں بیٹھا تھا۔ نوجوان کے پاس آکر کہنے لگا۔ "میرے پیارے ساتھی! بہتر ہے کہ آپ اپنا بستره گھر جانے کے لئے فوراً باندھ لیں۔" میں ضرور کہونگا کہ مجھے پہلی کہانی زیادہ پسند ہے لیکن زیادہ سچی دوسری ہے۔

تیغ آبرو

یاد ہوگا کہ مسٹر چرچل نے (شاہ برطانیہ کی طرف سے) مسٹر سٹالن کو ایک تیغ آبرو پیش کی ہے۔ اسّی سال گذرے اس تلوار کو ٹام بیسلی نے بنایا تھا۔ جس کا خاندان گزشتہ اڑھائی سو سال سے یہی کام کرتا تھا۔ اس تیغ آبرو کا لطف اس بات میں ہے کہ یہ شفیلڈ میں ہاتھ کی بنی ہوئی ہے۔ جس میں ملائم کرنے کا کام احتیاط سے کرنا پڑتا ہے۔ اگر اسے

انسانی جسم کے خلاف استعمال کیا جائے تو یہ سر کاٹ کر رکھ دیتی ہے۔ اگر لکڑی کے ٹکڑے کے خلاف تو یہ بہ بجنے والے کھانے کی میز کے کانٹے کی مانند آواز نکالتی ہے۔ یہ اپنے آپ کو دوہرا کر لیتی ہے۔ اور سیدھی ہو کر پیچھے چلی جاتی ہے۔ یہ حقیقی تلوار ہے۔ کوئی رسمی ہتھیار نہیں۔

دارالعوام

مسٹر چرچل کے قول کے مطابق برطانوی دارالعوام کی ضروری بیٹھکوں میں مستطیل شکل اور بھیڑ ناگزیر ہیں۔ جس چیمبر کو جرمن بم نے تباہ کیا اُس میں ۳۴۶ آدمیوں کے لئے نیچے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ اور ۸۲ کے لئے گیلریوں میں۔ اور یہ اُس دارالعوام کے لئے جس کے ممبروں کی تعداد ۶۱۵ ہے۔ مسٹر چرچل کا خیال ہے کہ دارالعوام کو اس کی پرانی بنیادوں پر ہی دوبارہ بنایا جائے۔ جب پارلیمنٹ کے پہلے ہاؤس بننے والے تھے۔ تو ولیم چہارم نے بکنگھم محل اور گرین پارک کو بطور سفید زمین پیش کیا۔ لیکن دریائی کنارہ چھوڑنے کے باعث مخالفت کی گئی۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے کہا کہ دونوں ہاؤس اس طرح واقع ہوں کہ ہجوم ان کے گرد گھیرا نہ ڈال سکے۔ اور دریائے ٹیمز بطور "ایک دیوار حفاظت" کام دے۔ ۱۸۳۷ء میں سر چارلس بیری نے پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤسوں کا کام شروع کر دیا۔

۱۸۴۷ء میں دارالامرا استعمال کے لئے تیار ہو گیا۔ ۱۸۵۰ء میں "وفادار عوام" نے آزمائشی بیٹھک لگائی۔ ۱۸۵۷ء تک کل عمارت مکمل ہو گئی۔ مسٹر چرچل غالباً اپنی عین حیات میں نئے پُرانے چیمبر کو ختم کرنے میں 'بلٹز' ڈھنگوں کا استعمال کرے گا۔

'تین'

کئی اعداد مبارک ہوتے ہیں اور کئی منحوس۔ تیرہ کا ہندسہ عیسائیوں میں اس قدر منحوس ہے کہ وہ کھانے کی میز پر ۱۳ تھالیاں کبھی نہیں رکھتے۔ ٹھیک جس طرح ہندوستان میں سات نہیں رکھتے۔ اگر کھانے والے سات ہوں تو آٹھواں پتہ رکھ دیا جاتا ہے۔ اور اُس کے لئے کھانا چُنا جاتا ہے۔ لیکن 'تین' ہمارا دل پسند عدد ہے۔ برہما۔ وِشنو اور مہیش تینوں ہندوؤں کی تثلیث بناتے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے پانچ یعنی نبی' اُن کی بیوی' لڑکی' داماد اور چچا۔ ہندو تثلیث پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا اور مارنے والا کو ظاہر کرتی ہے۔ زندگی کے عمل بھی تین ہیں اور اس کی سرگرمیاں بھی عام طور پر تین ہیں۔ چھاپہ خانہ میں ایک فرما کمپوز ہو رہا ہوتا ہے۔ ایک چڑھایا جا رہا ہوتا ہے۔ اور ایک اتارا یا تقسیم کیا جا رہا ہوتا ہے۔ جُلاہے کے گھر میں ایک ہاتھ تانا بُن رہا ہوتا ہے۔ ایک تانا بُنا جا رہا ہوتا

ہے۔ اور ایک بُنا ہؤا کپڑا بیچا جا رہا ہوتا ہے۔ زراعت میں تین مرحلے ہیں۔ یعنی بیج بونا، کاٹنا اور غلّہ نکالنا۔ مطالعہ میں تم پڑھتے ہو، سوچتے ہو اور پھر دوہراتے ہو۔ فزیالوجی (علم متعلقہ اجسام حیوانات) میں بدہضمی، ہاضمی اور قے یا دست، طعام، کام اور آرام (نیند)۔ منطقی قضیہ میں کبرے بیان مقدمہ، صغرے بیان مقدمہ اور نتیجہ۔ علم منطق میں مضمون دعوے، مقابلہ اور ترکیب۔ خط وکتابت میں خط کا موصول ہونا، لکھنا اور بھیجنا، عام طور پر تین موسم ہوتے ہیں۔ گرما، برسات اور سرما۔ گرچہ کئی مقامات پر صرف دو ہی ہوتے ہیں یعنی گرم اور بہت گرم۔ ایک ہندو اپنی سالانہ تقاریب میں تین بزرگوں کے ہی نام لیتا ہے "سبُرا ہمنیشورا، کامیشورا اور نائینیشورا سرمانم"۔ بچے ہمیشہ اپنی دوڑیں ایک۔ دو۔ تین کے ساتھ شروع کرتے ہیں نیلامی کنندہ ایک۔ دو۔ تین کہہ کر چلّاتا ہے گیا، گیا اور چلا گیا۔ دیہات میں قسم کھانے کی عام شکل یہ ہے کہ "مُماتیکی" کے الفاظ کو ادا کیا جاتا ہے۔ جن کے معنی تیلیگو میں تینوں الفاظ یا تینوں اوقات کے ہیں۔ اور دن کے تین ہی وقت ہوتے ہیں۔ صبح، دوپہر اور شام، دوائی عام طور پر دن میں تین بار ہی دی جاتی ہے۔ نسخوں میں ٹی۔ ایس کا مطلب دن میں تین بار دینے سے ہوتا ہے۔ ہندو تین وقت سندھیا کرتے ہیں اور کٹر ہندو تین وقت دن میں غسل کرتے ہیں۔ بچے دن میں تین بار کھانا کھاتے ہیں۔

دایہ خانہ کا گیت

One, two, three,	ایک۔ دو۔ تین
Mother caught a flee,	اماں نے پکڑی مکھی
Put it in a Tea-pot,	چائے کے برتن میں ڈالی
And made a cup of tea,	اور بنائی چائے کی پیالی
One, two, three.	ایک۔ دو۔ تین

پھر کوئل

آج میں نے کوئل کی کُوکُو ایک بار پھر سُنی ہے۔ تین مہینے ہوئے کہ اس پرندہ نے ہمارے اِرد گرد کے جنگلات کو اپنی تشریف آوری سے رونق بخشی ہے۔ اور پو پھٹ سے پہلے ہی اپنے بلند آواز گیتوں سے کرۂ ہوائی کو شیریں بنایا ہے۔ پچھلے چند دنوں سے میں نرم آواز کو سُنتا رہا ہوں جو کوئل کے چھوٹے بچّہ کی آواز سے غیر مشابہ نہیں ہے۔ لیکن دوست اس تشخیص میں اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ابھی تک ایک معمّہ ہی ہے کہ اُن بچّوں کا کیا بنا جو اُن انڈوں سے نکلے تھے۔ جنہیں ایک کوّے نے سہا

تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جُونہی وُہ کُوکُو اور کائیں کائیں کرنا شروع کرتے ہیں۔ کوّے اُنہیں دھکّے مار مار کر نکال دیتے ہیں۔ یہ ضرور سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن کا تباہ کُن کُوکُو کرنا اُسی وقت شروع ہوتا ہے۔ جب وُہ اُڑنے کی ہمّت حاصل کر لیتے ہیں۔ لیکن اس اثناء میں والدین کوئل کہاں ہیں؟ کیا وُہ اپنے بچّوں کے اُڑنے کے وقت تک اُن کی نگرانی کرتے رہتے ہیں؟ کوئل روایتاً سبزی خور ہے۔ اور موسم بہار میں آم کی بیلوں پر گذارہ کرتی ہے لیکن چھوٹے بچے کس طرح ان بیلوں کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ وُہ اُڑنا ہی شروع کرتے ہیں تو ان کے پالنے والے ماں باپ انہیں گھونسلہ سے باہر نکال دیتے ہیں۔ یہ سب قدرت کا مُعمّہ ہے جس پر مزید روشنی ضرور ڈالنی چاہیئے

بڑوں سے لڑائی نہ کرو

بالا موکھیال، بڑا سو ورودھ
اگو چر ناری کو نائی ہسنا!
کہے کوی گنگ، سنو شاہ اکبر
اگو چر نیر میں ناہی دھسنا

"چھوٹوں سے صلاح مشورہ نہ کرو۔ نہ ہی بڑوں کی مخالفت کرو۔ نہ دیکھی ہوئی عورت کو دیکھ کر نہ مسکراؤ اور نہ ہی نہ جانے ہوئے

پانی میں غوطہ لگاؤ۔" ایسا گنگ شاعر نے بادشاہ اکبر سے کہا۔ شاعر گنگ اور مسخرہ بیربل مغل دربار میں ظرافت آمیز فہم کے دوز بور تھے

حلال خور اور ہریجن

اکبر کے دوروں کے لئے وسیع پیمانہ پر تیاریاں کی جاتی تھیں۔ جب وہ دورہ پر جاتا تو اس کے لئے اعلے ٹاٹ (کنوبیس) کا ایک وسیع شہر تیار کر دیا جاتا تھا۔ دھوبی خانہ نہیں جیسا کہ مغربی خیموں سے ظاہر ہوتا ہے۔ بلکہ مختلف رنگوں کے بنے ہوئے خیمے جو چھپے ہوئے اور رنگ کے ٹھپول والے ہوتے تھے۔ جن پر پھولوں کے ڈیزائن اور سونا چاندی کی گوٹا کناری کی قیمتی زر دوزی کی ہوتی تھی۔ بڑے بڑے دیوان خانے۔ پرائیویٹ کمرے۔ سونے کے کمرے اور بیگموں کے لئے جُدا جُدا کمرے۔ ایلچیوں، امیروں اور ایلچیوں کے ذاتی مصاحبوں، نوکروں مرد اور عورت دونو، عبادت خانے۔ تمام افسروں کے لئے علیحدہ انتظامات دروازے اور کھڑکیاں، بالاخانے گنبدیں اور چھوٹے گنبد اور چالیس گز اونچے ستونوں پر روشن دان جنہیں چودہ رسیوں نے تھامے رکھا تھا۔ اخیر میں صحت خانے جو پاخانوں کا نام تھا۔ اور بھنگی یا خاکروب حلال خور کہلاتے تھے گویا کہ اس طرح سترھویں صدی کے آخری نصف میں ہریجن تحریک کا آغاز کر دیا گیا تھا۔ صرف اس وقت وہ حلال خور کہلاتے تھے نہ کہ ہریجن۔

باغِ فردوس

یہ مجھے احمد آباد کے ایک محاورہ کی یاد دلاتا ہے۔ جہاں گندگی کے ڈھیر کو باغِ فردوس یا بہشت کا باغ کہا جاتا ہے۔ یہ نام میونسپلٹی کے ریکارڈوں اور تواریخ میں مُدت سے چلا آرہا ہے۔ لیکن حال ہی میں کئی جوشیلے مسلمانوں نے اسے بدلنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

چیل اور حجامت بنانے کا بُرش

بچّے ہمارے ساتھ نہیں ہیں لیکن اس کمی کو کسی حد تک پرندوں کی چہلبازیوں نے پُورا کر دیا ہے۔ ایک چیل کو سفید دہنے والا بُرش بہت پسند آیا۔ یہ بُرش دھُوپ میں سُکھایا جا رہا تھا۔ یہ پرندہ تین بار بُرش کے بہت نزدیک آیا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ یہ اسے چرُالے۔ اور اسے بے جان دیکھ کر دستِ حسرت مل لے کیونکہ یہ چڑیا کا جاندار بچّہ نہیں۔ لیکن اقتصادی نکتہ کو اس مذاق پر ترجیح دی گئی۔ ایسی حالت میں بھی بیچارہ جانور ایک بار پھر آیا۔ لیکن اسے اپنے متوقع شکار کا نام و نشان بھی کہیں نہ ملا۔

ہاتھی اور بلّی کا بچّہ

اکبر نے ایک بار اپنے درباری مسخرے بیربل سے پوچھا (بیربل اندھرا کا رہنے والا تھا) کہ خطرہ کے وقت انسان کا بہترین محافظ کون ہے؟ بیربل نے جواب دیا "عقل - جہاں پناہ" "اوہ! کیا ایسا ہی ہے؟" اکبر نے کہا اور یہ کہتے ہوئے ایک ہاتھی کو بیربل کے مقابل کوچ کرا دیا۔ بیربل نے نزدیک ہی بلّی کا ایک بچّہ دیکھا۔ اور اسے ہاتھ میں لے کر ہاتھی کے سُونڈ پر دے مارا۔ جس سے طاقتور جانور بھاگ نکلا۔

"کپڑا اُتار دو"

کل رات جب میں سونے والا تھا۔ تو میں نے اپنے منشّی سے "کپڑا اُتار دو" یعنی سبز پردہ کو نیچے گرانے کے لئے کہا۔ ان الفاظ سے اس حقیقت کا پتہ چلا کہ گجرات میں جب کوئی شخص مرتا ہے۔ تو ماتمی خط کا ابتدائی فقرہ یہ تنبیہہ ہوتی ہے کہ "کپڑا اُتار دو"۔ تاکہ پوری لباس پہن کر دفتر جانے والے اصحاب چٹھی موصول کرنے والے شخص سے اپنے کپڑے ناپاک نہ کرلیں۔ کیونکہ وہ شخص ماتمی خط سے ناپاک ہو جاتا ہے۔

۲۷ - ۱۰ - ۴۴

گمراہ کن تاریں

ایک مارواڑی کسی جگہ گیا۔ اور اس نے اپنے کلرک سے کہا کہ وہ چند چیزوں کے لئے گھر تار دیدے۔ تار حسب ذیل تھا:۔

"بابوجی اج مار گئے، بڑی بہو کو بھیج دو۔" قدرتی طور پر اس کا ترجمہ یوں کیا گیا:۔ "بابوجی آج مر گئے، بڑی بہو کو یہاں بھیج دو۔" لیکن تار ہونا یوں چاہیئے تھا۔ "بابوجی اجمیر گئے۔ بڑی بہی کو بھیج دو"

قادرِ مطلق 'سی۔ آئی۔ ڈی'

بنگال میں خفیہ پولیس کی طاقت مندرجہ ذیل کہانی سے بخوبی واضح ہو جاتی ہے:۔

"ایک نظر بند بیمار تھا۔ اور اس نے اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کرنی چاہی۔ جبکہ ملاقاتوں کی اجازت نہ تھی وہ ایک سیاسی خفیہ پولیس کے انسپکٹر کا دوست تھا۔ خفیہ پولیس والوں کا یہ خاصہ ہے کہ وہ ہندوستان کے سیاستدانوں سے دوستی گانٹھ لیتے ہیں۔ اور انہیں اپنے چند بھید بھی بتلا دیتے ہیں۔ وہ

ایک انگلی دے کر سارا پنجہ پکڑنے میں ماہر ہوتے ہیں۔ ایک بار جب یہ انسپکٹر خفیہ پولیس اپنے اس سیاسی دوست کے پاس گیا۔ تو اس نے کہا کہ وہ ملاقات کے بارہ میں اس بیمار نظر بند کی امداد کرے۔ وہ نظر بند کے رشتہ داروں سے ملاقات کی درخواست لے کر سیدھا اپنے دفتر گیا۔ اور اس پر ملاقات کی اجازت کا حکم لکھوا لایا۔ جسے جیل جا کر دکھلانے سے ہی نظر بند کی ملاقات ہو جانی تھی۔ چنانچہ ملاقات ہو گئی۔ خیال کیجئے کہ ملاقات ہو چکنے کے بعد نظر بند کو گورنمنٹ کی طرف سے اس کی درخواست ملاقات کے متعلق باضابطہ حکم یہ پہنچا کہ سرکار ملاقات کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میرے سر پر چڑیا

آج شام جب میں کھلے میدان میں بیٹھ کر بیڈمنٹن کا کھیل دیکھ رہا تھا تو میں نے اپنے عین پیچھے اپنی کرسی کی چوٹی پر ایک چڑی کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سنی۔ میں نے اپنے دوستوں سے اس کی بابت کہا کہ وہ اس امر واقعہ کی تصدیق کر لیں۔ فوراً ہی پرندہ چھ انچ آگے اڑا۔ اور میرے سر پر جو سفید کپڑے سے ڈھانپا ہؤا تھا بیٹھ گیا۔ کیا کوئی یہ بتلانے کی تکلیف گوارا کرے گا۔ کہ اس کا مطلب کیا ہے؟

میرے گھٹنے پر نوجوان چڑیا

آج دوپہر جب میں اپنے گھٹنے کھڑے کرکے اور اپنی ٹانگیں بالمقابل کرسی پر پھیلا کر لکھ رہا تھا۔ تو یکایک ایک نازک چھوٹی سی چیز میرے گھٹنے کی طرف اُڑی اور اس بلندی سے جگہ کو کچھ منٹوں میں ملاحظہ کرکے اپنی سکیم کے مطابق اگلی منزل پر پہنچ گئی۔ پرندوں کے متعلق علم رکھنے والوں کے لئے یہ ایک اور مسئلہ ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہما پرندہ کسی کے سر پر سے گذر جائے تو وہ بادشاہ بن جاتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ چڑیا کا سر پر بیٹھنا کانٹوں کا تخت ظاہر کرتا ہے۔ ۲/۲ ہہ

فصل کے تخمینہ جات

خوراک کے مسئلہ نے بنگال میں اتفاقیہ طور پر صوبہ کے دیہاتی نظام کے بارہ میں ایک زبردست نقص کو ظاہر کیا ہے۔ صوبہ بنگال بھی صوبہ بہار کے ساتھ دوامی بندوبست' کا صوبہ ہے۔ زمیندار اپنا پیش کو نیا خراج سرکار کو ادا کرتا ہے۔ اور مزارعان سے لگان وصول کرتا ہے۔ نہ کوئی پٹواری یعنی کارنام رکھا ہے اور نہ ہی پٹیل یعنی دیہاتی منصف یا ادھیکاری ہوتے ہیں۔ چنانچہ بنگال

ہیں کوئی انسان فصلوں کا بالکل صحیح یا قریب قریب صحیح تخمینہ نہیں لگا سکتا۔ اور صوبہ کے اناج کے قحط میں یہ اب ایک سنجیدہ نقص دسمبر ۱۹۴۳ء بن گیا ہے۔ جنوبی ہند میں جبکہ پٹہ دوامی بندوبست کا ہے۔ زمینداری کا نام اور سرکاری کا نام دونوں ہی اسی گاؤں میں ہوتے ہیں تاکہ ان کے اپنے اپنے مفاد کی نگہداشت کی جا سکے۔

کھانا پکانا

جیل کی پورے ایک سال کی زندگی قیدیوں کو ہر اس ہنر میں جس کے لئے اُن کے دل میں شوق ہو ماہر بنانے کے لئے کافی ہے اور کھانا پکانے میں تو بڑی آسانی سے ماہر بنا دیتی ہے۔ اگر علاوہ ازیں کھانے پکانے کا سامان کھلے بندوں ملتا رہے، نکتہ چیں عیب جُو نہ ہوں اور کنٹرول کا نام و نشاں نہ ہو تب کھانا پکانے کا کام لازمی طور پر اچھی طرح سے چلے گا۔ اور اگر اس کے ساتھ ہی آپ کے پاس ایک نہیں، دو نہیں، تین نہیں بلکہ چار کتابیں بھی کھانا پکانے کے موضوع پر ہوں جن میں سے ایک گجراتی، ایک اردو، اور دو انگریزی میں ہوں۔ اور پھر بھی آپ کھانا پکانے کا ہنر نہ سیکھ سکیں تو پھر سوائے آپ کے اور کون قابلِ الزام ہے؟ جب ہم کھانا پکانا تیار کرتے تھے تو ہم حیران ہوتے تھے کہ کس طرح نل جب وہ ٹھگنا ہو گیا اور بھیم جب

وہ راجہ وراٹ کے دربار میں بھیس بدل کر زندگی بسر کرتا تھا۔ دونوں کے دونوں بڑے اعلیٰ باورچی بن گئے تھے۔ اب قلعہ میں ایک سال کی نظر بندی نے اس زندگی بھر کے معمّہ کا راز ظاہر کر دیا۔

اُترا کُمارا پرجنا

آج صلح نامہ پر دستخط ہوئے پورے پچیس سال ہو گئے ہیں۔ ۹ نومبر ۱۹۱۸ء کو قیصر جو اپنے جرنیلوں سے اپنے تفریح خانہ میں ملنے کا عادی تھا۔ تمام سے ملا لیکن کوئی بھی اس کے ساتھ نہیں بولا۔ اس نے پوچھا کہ کیوں کسی نے بھی لب کشائی نہیں کی؟ اس پر بھی خاموشی ہی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "قیصر تم کو بولنے کا حکم دیتا ہے۔ ان میں سے ایک نے قفلِ خاموشی توڑا۔ اور اس کے بعد اور اور پھر اس کے بعد اور نے۔ اور کہا "جہاں پناہ فوج نے بغاوت کر لی ہے اور لڑنے سے انکاری ہے" لیکن قیصر کو یقین نہ آیا۔ مگر وہ بھی اپنی بات پہ ڈٹے رہے۔ اور اُسے سرحد کے پار ہالینڈ بھاگ جانے کا مشورہ دیا۔ اُنہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ "صرف چوبیس گھنٹے باقی ہیں"۔ اس پر تخت کے وارث شہزادہ نے جو ہمیشہ تیز اور جوشیلا رہتا تھا۔ کہا "مَیں فوجوں کی رہنمائی کروں گا اور وہ لڑیں گی" لیکن یہ "اُترا کمارا پرجنا" کسی کام کا ثابت نہ ہُوا اور قیصر بھاگ گیا۔ لیکن ہم تمام کے لئے یہاں یہ

سب کچھ کسی بھی کام کا نہیں ہے۔ ہماری حقیقی دلچسپی تو کارتک پورنما دِن کی روشن چاندنی رات سے ہے۔ جیسے گجرات، مہاراشٹر اور صوبجات متحدہ میں راس پُورنِما کہتے ہیں۔ جس دن تمام رات ناچ ہوتا رہتا ہے۔ جیساکہ اس سے پہلے آسوِی تیج پوَرنما کے سلسلہ میں بتلایا گیا ہے۔ ان دونو کو باقاعدہ منایا جاتا ہے۔ کیونکہ دونو شرد رِتو (موسم سرما) میں آتے ہیں

باقی پانچ

جہاں تک مچھلی کھانے کا تعلق ہے۔ آنے والے پانچ دنوں میں اور بیسہ میں برت رکھا جاتا ہے۔ ان پانچ دنوں میں کوئی بھی مچھلی نہیں کھاتا۔ اور صبح ہی بہتی ہوئی گھاس پھوس پر روشنیاں کردی جاتی ہیں۔ اور انہیں تالابوں، نہروں اور دریاؤں پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

شکار کی رات

پچھلی رات ایک واقعہ رُونما ہوُا۔ سردی کا موسم پورے جوش کے ساتھ شروع ہو گیا ہے۔ ہمارے کلاک تھرمامیٹر نے پیشتر ہی ۶۲ ڈگری

رکم از کم) ریکارڈ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور پچھلے سال جبکہ ہمارے پاس
کوئی تھرمامیٹر نہ تھا تو ہمیں بتایا گیا تھا کہ کم از کم ٹمپریچر ۴۸ ڈگری تھی۔
لیکن ہم یقین نہ کرتے تھے۔ مگر اب ہمارے سامنے ہے۔ موسم کے متعلق تو
اتنا ہی ہے۔ موسم سرما کے شروع ہو جانے سے موسم گرما کا باغ ہم سے جدا
ہو رہا ہے۔ اور موسم سرما کے پھول ہماری توجہ کو مبذول کر رہے ہیں۔ ہم
تمام لطف لیتے ہیں۔ لیکن باغبان دُھی پرانا جواہر ہے جو دن رات کام کرتا
ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ رات کو کیا کام ہوتا ہے۔ جس طرح آدمی کے اپنے
اور گھر کے دونو کے دشمن ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے اس کے باغ کے بھی
ہوتے ہیں۔ دن میں پرندے غنچوں اور نازک پتّوں کو کھا جاتے ہیں۔ مینا
اس بارہ میں سب سے زیادہ خراب مجرم ہے۔ اور اس سے دوسرے نمبر پر
چڑیا۔ لیکن رات کو گھونس اُن ننھے پودوں کو جو ابھی پھوٹے ہیں۔ اُکھاڑ
ڈالتی ہے۔ جواہر لال کو اس بدصورت اور غیر مہذب جانور کی بربریت سے
بہت پریشانی ہوئی۔ اس کی شکل اور قد بلکہ اس کا نام ہی کئی ایک کے لئے
یہاں عجوبہ ہے۔ اُنہوں نے کبھی اس رات کے شیطان کو نہیں دیکھا تھا۔
وہ پوچھتے ہیں کہ یہ کوئی چوہا۔ چوہیا یا کوئی بنولا ہے۔ ان میں سے یہ کوئی
بھی نہیں ہے۔ یہ گھونس ہے جو نیولے جتنی لمبی مگر اُس سے زیادہ مضبوط
ہے۔ اور جس کی تھوتھنی گو لمبائی میں کم ہے لیکن اپنی سرگرمیوں میں جو بہت
زیادہ شرارتی ہے۔ ٹھیک ایسے ہی جس طرح یہ شکل و صورت میں زیادہ مکروہ
ہے۔ یہ فیصلہ ہوا کہ اسے پھانسا جائے۔ اور ملٹری والوں نے ایک ایسا

لکڑی کا صندوق بھی دے دیا جس کے ساتھ پھانس دروازہ لگا ہوا تھا۔ اور سابقہ تجربات میں دروازہ کو نیچے کرنے پر جانور کانٹے کو نگل جاتا تھا۔ اور صندوق کھولنے پر کوئی مجرم نظر نہیں آتا تھا۔ ہم تمام نے اکھٹے ہو کر یہ نتیجہ نکالا کہ کوئی چوہا ضرور اندر داخل ہو گیا ہو گا۔ اور کانٹے کو کھا گیا ہو گا۔ لیکن جب دروازہ دھماکے کے ساتھ نیچے پڑا۔ ہم نے نیچے اوپر، پیچھے اور آگے جگہ کو غور سے دیکھا تو اپنے سامنے اُن لوہے کی سلاخوں کو پایا۔ جن کے درمیان اتنی جگہیں تھیں جس سے جانور نکل گیا۔ پچھلی رات شکار محفوظ تھا۔ صبح سویرے ہی پو پھٹنے سے پہلے لوگ شکار کو دیکھنے کے لئے دوڑے۔ درد دشن آنکھوں کا ایک جوڑا دیکھا۔ جو نیلم کی مانند چمک رہا تھا۔ ہاں یہ ایک بلی تھی۔ گھونس نہ تھی۔ جس نے کانٹے کو نگلا تھا۔ اور پھنس گئی تھی۔ شکار کی قدر و قیمت کانٹے کے برابر بھی نہ تھی۔ لیکن غریب شکار کا کیا کیا جائے؟ ایک رات بھر کی رضا کارانہ قید کے بعد شکار کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ سچ ہے شکاریوں کو اپنی مہموں میں ہر قسم کے غیر متوقع شکار کے لئے تیار رہنا چاہیئے

گھونس کے بارے میں اپنی مہمات کو جاری رکھتے ہوئے اگلے دن پھندے کو صرف رکھا ہی گیا لیکن اس دفعہ اُس نے اسے چھوا ہی نہیں یہ اپنا نتیجہ یہ ہے کہ گھونس اس سے پہلی رات ضرور بلی کے پکڑے جانے کے بعد پھندے کی جگہ کے پاس آیا ہو گا۔ اور اپنے جانی دُشمن کی گرفتاری اور قید پر ضرور خوش ہوا ہو گا۔ چنانچہ اس لئے گھونس نے صندوق میں ردّی کے چھوٹے ٹکڑے کی پرواہ نہ کی۔ اور خاموشی سے جگہ چھوڑ کر چلا گیا۔

فائنا فائل

آئرلینڈ کے تازہ انتخابات نے پارٹی ناموں (Labels) کی طرف توجہ کھینچی ہے۔ یعنی ڈی دلیرا کا فائنا فائل (Fiana Fail) جس کا مطلب ہے "انجمن نصیب" اور کاسگریو کی فائن گائیل (FINE GAEL) جس سے مراد ہے "متحدہ آئرلینڈ"۔

جیسا آپ کو دوسرے دیکھتے ہیں ویسا آپ اپنے آپ کو دیکھو

ہم میں سے کثیر تعداد نے اپنے چہروں کے عکس کو شیشہ میں دیکھا ہے۔ لیکن آپ اس جنگل کی رہنے والی کا خیال کیجئے جس نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ آپ اسے اس کی تصویر دیجئے یا ایک عمدہ شیشہ اس کے سامنے پیش کیجئے۔ ایسا پالش شدہ شیشہ جس میں اسے عکس ہی دکھلائی دے اور شیشہ کا خیال ہی نہ آئے۔ وہ اپنے سامنے تصویر دیکھ کر کیا رائے ظاہر کرے گی؟ وہ یہ سمجھ کر شاید اس سے لڑنا ہی شروع کر دے کہ وہ اس کے مالک کی محبت کو جیتنے آئی ہے۔ بہت حد تک اسی طرح جیسے کہ ایک چڑیا شیشہ پر بیٹھ کر اُس پر چونچ مارتی ہے۔ اور کئی گھنٹے لگاتار مارتی رہتی ہے۔ ایک شخص شاید آپ کو بالکل ہی ناپسند کرے۔ یا اپنا عکس دیکھ کر اُسے شیطان

سمجھے اور نکتہ چینی کرے۔" اس مکروہ جانور کو مار ڈالو۔ ایک جنگلی اپنا عکس دیکھ کر کہہ اٹھتا ہے": اخبار "ٹائم" ۱۹ جون ۱۹۴۳ء کے اپنے پرچہ میں لکھتا ہے:-

اپنی آواز سنو

ہم اپنے آپ کو شیشہ میں دیکھ تو سکتے ہیں گو چہ اُلٹے طور پر۔ لیکن ہم اپنی آواز کو کیسے سُنیں؟ ہم ضرور سنتے ہیں لیکن ہم اس آواز کے انفرادی اور مخصوص علامات کے متعلق کوئی رائے نہیں بنا سکتے۔ آپ دیوار کے پیچھے سے اپنے باپ یا ماں، عورت یا خاوند، بیٹے یا لڑکی کی آواز سُنتے ہو اور فوراً سمجھ لیتے ہو کہ یہ کس کی ہے۔ لیکن آپ اپنی آواز کے متعلق ایسا خیال نہیں جما سکتے۔ ایک دفعہ ایک نوجوان دوست نے مجھے یہ ترغیب دی کہ میں گاندھی جی کے اکترّ دیں جنم دن پر ریڈیو پر مختصر سی تقریر کردوں۔ مَیں نے بادلِ ناخواستہ ایسا کیا لیکن جب فلم دکھلائی گئی تو مَیں نے اپنی شکل تو پہچان لی لیکن آواز کو نہیں پہچان سکا۔

اپنی نوشت دیکھو

اس طرح سے جب عدالت میں گواہی دیتے ہوئے مجھے میری تحریر دکھلائی

گئی تو میرے دل میں یہ شُبہ پیدا ہو گیا۔ کہ واقعی یہ تحریر میری ہے۔ پس اکثر تیس چالیس سال کی دیرینہ اپنی نوشتوں اور خطوط کو دیکھ کر انسان اپنی تحریر کے متعلق شک سے دب کر گھبرا جاتا ہے۔

جیکائل اور ہائیڈ

(JEKYLL AND HYDE)

لیکن نہایت ہی حیران و ششدر کرنے والی جو تصویر آپ کبھی دیکھو گے وہ آپ کے اپنے چہرہ کی بناوٹ کی ہو گی۔ "ٹائم" کے ایک ہی پرچہ میں سٹالن کے چہرہ کی تین تصاویر شائع ہوئی ہیں۔ لیکن ہر ایک دوسری سے لطیف پیرایہ میں مختلف ہے۔ ایک چار زاویوں والی نظر آتی ہے۔ دوسری ذرا کم ایسی، تیسری مستطیل کی بجائے زیادہ بیضوی۔ کیوں؟ اس لئے کہ تصویریں بناوٹی ہیں۔ مرکزی میں سٹالن کا چہرہ ویسا ہی ہے جیسا کہ یہ ہے۔ اور جو دو تصویریں دو اطراف میں ہیں اُن میں سے ہر ایک ایسے چہرہ کی تصویر ہے۔ جس کے دونو آدھے ایک ہی آدھے کی دو تصویریں ہوں۔ دائیں آدھے کی یا بائیں آدھے کی۔ گویا کہ ایک پورے چہرہ والی تصویر کو درمیان میں سے دو آدھوں میں کیا گیا ہے۔ یعنی دائیاں آدھا اور بایاں آدھا۔ کسی آدھے کو اُلٹ دو۔ اور پھر اُسی سے اُس کا مقابلہ کر لو۔ پس ایک طرف کی تصویر ایسی بنتی ہے جو سٹالن کے دائیں اور بائیں آدھے کی نہیں۔

بلکہ دونوں طرفوں پر سٹالن کے دائیں آدھے کی۔ اور دوسری طرف کی تصویر جو بنتی ہے وہ سٹالن کے دونو اطراف پر بائیں آدھے کی ہے۔ پھر جا کر، داہیاں دابئیں طرف، مرکز (قدرتی) اور بائیاں بائیں طرف بنتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دائیں طرف زبردست ہے اور چہرہ کو اس کے مخصوص انداز میں ظاہر کرتی ہے۔

نوروز

ہم تمام نے نئے سال کا دن منایا۔ اکبر بھی اسے منایا کرتا تھا۔ ہم میں سے کئی اپنا اپنا جنم دن مناتے ہیں۔ اکبر بھی ایسا کیا کرتا تھا۔ ان دونو مواقع پر وہ بڑی لمبی چوڑی تقریب میں سے گذرا کرتا تھا۔ ایک بی بی پنڈتوں کی مقرر کردہ مبارک گھڑی پر کچھ ڈال لے کر اُسے بیں دیا کرتی تھی اور اُسے مصالحہ سے ملا دیتی تھی۔ پھر نوبت بجنے لگتی تھی۔ برہمن آگ کو روشن کر کے ہون میں امداد کیا کرتے تھے۔ اور اکبر کو نئے کپڑے پہنا کر اور ماتھے پر تلک لگا کر اُس سے ہون میں تیل اور گھی ڈلوایا کرتے تھے۔ منتروں کا اُچارن کیا جاتا تھا۔ شیریں خوشبودار پھول ہر جگہ ہوتے تھے اور خوشبودار بتیاں جلائی جاتی تھیں۔ سونے کے بادام۔ پستہ، پھول اور پھل اولوں کی مانند برسائے جاتے تھے اور برہمنوں اور غریبوں کو دئیے جاتے تھے۔

اس کے بعد تُلا دان کی مشہور رسم ادا کی جاتی تھی۔ جس میں اکبر کو سونا، چاندی، تانبا، سلفیٹ، لوہا، کانسی، چاول، سات قسم کے اناج، دُودھ گھی اور وغیرہ وغیرہ بارہ چیزوں کے مقابل میں تولا جاتا تھا اور پھر اُنہیں غریبوں میں بانٹ دیا جاتا تھا۔

تاریخہائے پیدائش

۱ - ایچ ۔ کے مہتاب	جنوری ۱۹۰۰ء
۲ - پربھلا بابو	۱۸۹۱ - ۱۲ - ۲۴
۳ - شنکر راؤ دیو	۱۸۹۵ - ۱ - ۴
۴ - جواہر لال	۱۸۸۹ - ۱۱ - ۱۴
۵ - سردار وی پٹیل	۱۸۷۵ - ۱۰ - ۳۱
۶ - پنت جی	۸۷ - ۱۰ - ۲۷ (رانت چترودشی)
۷ - ڈاکٹر سیّد محمود	ستمبر ۱۸۸۹ء
۸ - آصف علی	۱۸۸۸ء
۹ - مولانا آزاد	۱۸۸۸ء
۱۰ - نریندر دیو	۱۸۸۹ - ۱۱ - ۷ (کارتک شدی نو)
۱۱ - کرپلانی	۱۸۸۹ء
۱۲ - بیس خود	۱۸۸۰ - ۱۱ - ۲۴

"میرا ملک اور میرے لوگ" لِن یُوٹانگ

اگر سادہ زندگی سے ایک خاندان لمبی عمر حاصل کر سکتا ہے تو قومی اتحاد کے لئے بھی سادہ زندگی سے یہی کچھ ہونا چاہیئے۔" سنگ کو حُون ر۔
، کے لئے یہ بات بالکل صاف تھی۔ کہ افسروں کے کُنبے جن کے بچے زندگی گذارنے کے لئے خرچیلی عادات اختیار کر لیتے ہیں، وہ صرف ایک یا دو پُشتوں تک رہتے ہیں۔ سوداگروں کے پریوار جو محنتی اور کفایت شعار ہوتے ہیں۔ تین یا چار پُشتوں تک پھل پھول سکتے ہیں۔ ۔۔ خاندان جن کے افراد کھیتی کرتے اور کتابیں پڑھتے ہیں اور جن کی عادات سادہ اور محتاط ہوتی ہیں وہ پانچ یا چھ پُشتوں تک چلتے ہیں۔ لیکن وہ خاندان جن کے اندر والدین کی سی خدا ترسی اور دوستانہ پن ہوتا ہے وہ آٹھ یا اس سے بھی زیادہ پُشتوں تک قائم رہتے ہیں۔

"مرحوم"

مختلف صوبجات میں 'مرحوم' کے مترادف مختلف جملے استعمال کئے جاتے ہیں۔ بنگال میں نام سے پہلے 'ایشور' 'بینر' 'سورگیہ' لگائے جاتے ہیں۔ ہندوستانی

نیز گجرات میں 'مرحوم' استعمال کیا جاتا ہے۔ لیکن نام کے بعد یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ شخص مرچکا ہے۔ تیلیگو میں 'کیرتی سیشو' استعمال کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اب شہرت باقی ہے اور جسم نہیں رہا۔ کئی صوبوں میں 'سورگ واسی' اور 'کیلاش واسی' استعمال کئے جاتے ہیں۔

دیو اُٹھان ایکادشی

آج گجرات، مہاراشٹر اور صوبجات متحدہ میں ایکادشی کو بطور دیو اُٹھان ایکادشی کے منایا جاتا ہے یعنی وہ دن جس دن دیوتا لوگ اپنی نیند سے بیدار ہوتے ہیں۔ اور اس دن گجرات، مہاراشٹر نیز صوبجات متحدہ میں تلسی کا بیاہ گوسوامی یا کرشنا سے کیا جاتا ہے۔ جس میں مؤخر الذکر دولہا بنتا ہے۔ اور اُسے ایک غصیلی گو بکانے اپنی چوٹوں سے لنگڑا کر دیا ہوتا ہے۔

ایشور چندر ودیا ساگر

ایک بنگالی نے "۲۰۰ سال کے بعد" کے زیرعنوان ایک مذاقیہ مضمون یوں لکھا:۔

"۲۱۴۰ بعد مسیح جاپان کا ایک عالم ہندوستان آیا۔ اور بڑی بھاری

ریسیرچ کے بعد اُس نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ایشور چندر ودیا ساگر نام کا کوئی شخص ہندوستان میں نہیں تھا۔ ایشور کے معنی مرحوم کے ہوتے ہیں۔ تب نام ظاہر کرتا ہے مرحوم چندر او دیا ساگر۔ چاندیا دیتھ ایک بخومی ہے مادر عالم یہ سمجھا کہ جاپان سے ایک بخومی مسمی یا ساگر ہندوستان آیا تھا۔ کیونکہ اسے جاپان سے جلاوطن کر دیا گیا تھا۔"

ساڑھیاں

ایک نامہ نگار کی اطلاع کے مطابق برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ملازم پیشہ اصحاب جو ہندوستان میں مقیم ہیں ریشمی موزہ کی بجائے ساڑھیاں بطور کرسمس تحفہ نمبر ا کے اپنی بیویوں اور اپنی محبوبہ عورتوں کو اپنے ملک میں بھیج رہے ہیں۔

انگلستان اور امریکہ کی مانند موزے ہندوستان میں بھی کمیاب اور زیادہ قیمتی ہیں۔ اور ایک سپاہی، جہازراں اور ہواباز کے لئے ساڑھی ایک بہتر قیمتی اور زیادہ نئی قسم کا تحفہ ہے۔ ساڑھی (جسے ۵۱ پر نہ ور دے کر ساہ۔ری کہا جاتا ہے) ہندوستانی مستورات کا قومی لباس ہے یہ چھ گز لمبی اور سوا گز چوڑی ہوتی ہے۔ جسے ایک عورت آدھی پہنتی اور آدھی اِرد گرد اوڑھتی ہے۔ اگر اس کا کنارا ریشمی ہو۔ جس پر مکلف زردوزی کی گئی ہو

کو یہ ایک شہزادی کے پہننے کے قابل ہے۔ اور اس کی قیمت پچاس پاؤنڈ ہو سکتی ہے۔ یا یہ محض ردی کی ہو اور اس کی قیمت چند شلنگ ہو۔

ریشم کے سوداگروں نے ان تازہ ہفتوں میں ہزاروں ساڑھیاں برطانوی اور امریکن افسروں کو فروخت کی ہیں۔ بہت سے تاجر خریدار کو ایک چھپا ہؤا کاغذ کا چھوٹا سا ٹکڑا دے دیتے ہیں۔ جس پر ایک مکمل تصویر ہوتی ہے۔ جس میں یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ ساڑھی کس طرح پہننی چاہیئے۔

ایک انگریز عورت جو بہت سال ہندوستان میں رہی ہے۔ ساڑھی کے متعلق یوں کہتی ہے:۔

"ساڑھی ایک نہایت خوبصورت لباس ہے۔ جو ایک عورت پہن سکتی ہے۔ یہ اُس کے عیوب کو چھپا لیتی ہے اور خوبیوں کو تیز کر دیتی ہے لیکن انگلستان یا امریکہ میں صرف چند عورتیں ہی اپنے تحفہ کی ساڑھیوں کو پبلک کے سامنے پہنتی ہیں۔ ایک یا دو بھلے ہی انہیں پہن کر فینسی لباس کے ناچوں یا پرائیویٹ پارٹیوں میں شامل ہو جائیں۔ اور کچھ عرصہ کے لئے ان کو بطور یادگاری تحفوں کے اپنے پاس رکھ لیں۔ لیکن جلد یا بدیر وہ ان ساڑھیوں کو شام کی گاؤنوں میں تبدیل کر ہی لیتی ہیں"

تالا اور چمک پتھر

(ٹائمز اخبار ۵ جولائی ۱۹۴۳ء کا پرچہ) ایک چھوٹے سے پانچ سالہ

لڑکے ڈونلڈ براؤن کی تصویر شائع کرتا ہے۔ جو ایک مقناطیسی پتھر کا معائنہ کر رہا ہے جس کے ایک طرف ایک تالا چپٹا ہوا ہے اور دوسری طرف ربڑ کا ایک پٹی بند۔ یہ وہ تالا ہے جسے دو ہفتے گذرے اس بچہ نے نگل لیا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ تالا لوہے کا تھا۔ ایکس رے کی فوٹو نے یہ ظاہر کیا کہ یہ تالا حلق سے معدہ تک جانے والی نالی میں ہے۔ یعنی خوراک کی وہ نالی جو منہ کے پیچھے سے معدہ تک جاتی ہے۔ لڑکا بروکلین جیوئش ہسپتال میں داخل ہو گیا اور دو ہفتے ٹھہرا۔ جس دوران میں ڈاکٹر "ڈاکٹر سیموئیل سلبر" اوپریشن سے اجتناب کر کے کسی ایسے مقناطیسی پتھر کی تلاش میں تھا۔ جو چھوٹائی کے لحاظ سے نگلا جا سکے۔ اور مضبوطی کے لحاظ سے تالا کو اُٹھا سکے۔ جرنیل الیکٹرک لے آخر کار ایک وائس پریذیڈنٹ کو ایک زبردست میگنٹ کی آمیزش والا چمک پتھر دیکر سنیکٹڈی سے بذریعہ ہوائی جہاز وہاں بھیج دیا۔ اور اس طرح لڑکے کی جان بچا لی۔ بظاہر اس لڑکے کو وہ مقناطیسی پتھر نگلوا لیا گیا۔ جو ربڑ کے ایک لمبے پٹی بند سے بندھا ہوا تھا۔ اور جسے بچہ نے ایسے نگل لیا جیسے معدہ کی نالی کو۔ قدرتی طور پر جب اس کا دوسرا سرا نزدیک آئے گا۔ تو یہ لوہے کے تالا کو اپنی طرف کھینچیگا۔ اور کافی مضبوط ہونے کے باعث اوپر تک لے جائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کیسی عجیب ترکیب؟ بغیر حلق سے معدہ تک جانے والی نالی کے کاٹنے کے یہ کسی طرح سے بھی آسان اوپریشن نہ تھا!

بُدھ کا جُھکا ہوُا سَر

لنکا میں بُدھ کے دانت کے دیہارا کے پاس دارالخلافہ میں ایک زیادہ چھوٹا دیہارا ہے۔ جو قیمتی پتھر سے مزیّن ہے۔ اس میں بُدھ کے پوُرے قد کا سنہری بُت ہے۔ جس کے سر کا لباس قیمتی جواہرات سے آراستہ کیا گیا ہے۔ وقت پا کر ایک لیٹرے کی بُری آنکھ اُس پتھر پر پڑی۔ لیکن چونکہ دوگنے دروازہ اور جنگلہ سے دہارا کو مضبوط کیا گیا تھا۔ وہ زمین سے نیچے اُوپر گرتا ہوُا اندر داخل ہو ہی گیا۔ اس پہ بُت اُوپر کو اٹھتا گیا۔ حتےٰ کہ لُٹیرے کے لئے جواہر کا چُرانا ناممکن ہو گیا۔ اپنے مقصد میں مایوس ہو کر اس نے بُت کو یوُں مخاطب کیا۔ یہ واقعہ چینی سیاح ہیون سانگ اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے:۔

"پہلے جب تتھاگتا (بُدھ) بودھی ستوائی زندگی گذار رہا تھا۔ تو اس کا دل بڑا تھا اور اُس نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ چار قسم کے نفوس کے لئے وہ اپنے رحم کے جذبہ سے متحرک ہو کر اپنی زندگی سے لے کر اپنے مُلک اور اپنے قصبات تک ہر ایک چیز قربان کر دے گا۔ لیکن اب یہ بُت جو اس کی جگہ کھڑا ہے ورثہ میں دی ہوئی جگہ اس قیمتی پتھر کے دینے میں بھی لیت و لعل کرتا ہے۔ اس لئے بدھ کے وہ الفاظ بُت کے اس ردّیہ کے مقابلے میں اس کی پُرانی بلند زندگی کا اظہار نہیں کرتے۔" اس پر پتھر نے اپنا سر نیچا کیا اور چور نے وہ رتن لے لیا۔ لیکن جب اسے فروخت کرنے کے لئے پیش کیا گیا تو چور پکڑا گیا اور

جب اُسے راجہ کے پاس لایا گیا۔ تو اُس نے کہا خود بُدھ نے اُسے یہ پتھر دیا تھا۔ جس کے ثبوت میں اُس نے بُت کے جُھکے ہوئے سر کو دکھایا۔ راجہ جو اُس وقت تک اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ اُس نے چور کو چھوڑ دیا، رتن کو اس کی جگہ پہنچا دیا اور خود معتقد بن گیا۔

برتن اور کیتلی (خارق اور فناس)

ہم تمام اس کہانی کو جانتے ہیں جس میں برتن نے کیتلی کو کالا کہہ کر پکارا تھا لیکن اگر ہمیں اس کہاوت کو اپنی زبان میں ادا کرنا پڑے تو کیتلی کے ترجمہ سے ترجم گھبرا اُٹھیگا۔ ہندی میں مگر ایک اعلےٰ کہاوت ہے۔ خارق فناس کو کہتی ہے "تمہارا چمڑا خراب رہتا ہے" یقیناً اس میں کچھ مذاق کی بات ہے۔ اگر سوکھی ہوئی کھجور جبکہ پھل کی کھال کو سخت کھُردرا ہے۔

بلّی بنام کُتّا

کہا جاتا ہے کہ بلّی گھر نہیں چھوڑتی اور کُتّا مالک کو نہیں چھوڑتا۔

'اہو رُو پم ! اہو دھونی'

یہ قدرے دل خُوش کُن ہے کہ ڈی گال کو سلطنت برطانیہ کی زبردست تعریف کرتے ہوئے اور نئے مجلسی نظام میں دُنیا کی بہبودی کے لیئے اس کی خوشگوار ضرورت جتلاتے ہوئے سُنا جائے! جب ہم اس معاملہ پر بحث و تمحیص کر رہے تھے۔ تو ہمارے میجر کو ہمارے پاس سے گزرنے کا اِتفاق ہُوا۔ اور بظاہر اپنی سلطنت کی تعریف سن کر اُسے ہماری گفتگو میں دِلچسپی پیدا ہوگئی۔ یہ دیکھ کر ایک دوست فوراً چِلّا اُٹھا" اہو رو پم! اہو دھونی" جس کی سنسکرت الفاظ ہونے کے باعث اُس موقعہ پر تشریح کرنی پڑی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ دو جانور آپس میں ملے اور ایک دوسرے کو یوں طعنہ دینے لگے۔ ایک نے کہا 'اہو رُو پم۔ یعنی اوہ! کتنا خوبصورت' دوسرے نے جواب میں کہا 'اہو دھونی۔ یعنی اوہ! کتنی دِلکش آواز' پہلا جانور گدھا تھا اور دوسرا اُونٹ۔۔ اور فرانس اور انگلستان نے ایک دوسرے کی سلطنت کی تعریف کرکے 'پنج تنتر' کی اس پُرانی کہانی کی زمانہ حال میں مثال پیش کردی۔

اندھیر گردی

"پوری ایک اندھیری نے گنڈ ڈسہا جا۔ ٹکے سیر بھاجی۔ ٹکے سیر کھاجا"

اندھوں کی نگری میں جس کا راجہ بیوقوف ہو۔ ایک سیر بھاجی کا بھی ایک پیسہ اور ایک سیر کھا جا (مٹھائی) کا بھی ایک پیسہ! تیلیگو میں اس کہاوت سے ملتی جلتی کئی ایک کہاوتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔ ایک نے کہا۔ "سانڈ نے بچھڑے کو جنم دیا ہے"۔ اس پر دوسرے نے کہا: "تب بچھڑے کو کھونٹی سے باندھ دو"۔

امریکہ کا ایک کُنبہ

گرینڈ پر جون اور اس کی موٹی تازی بیوی کے ۱۳ بچّے اور ۱۶ پوتے ہیں برٹنیک ملرز کے ۸ امرد اور عورتیں ہنری قیصر کے شپ یارڈ (SHIP YARD) میں کام کرتے ہیں۔ اور ان کی اوسط آمدنی فی ہفتہ ۹۹۰ پونڈ یا تقریباً ۱۳ ہزار روپے ہے۔

لڑکا اور لڑکی

ترقی یافتہ یوروپ میں بھی بچّہ کی پیدائش پر لڑکا اور لڑکی میں فرق کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جس شان کے ساتھ لڑکے کی پیدائش کی خبر کا استقبال کیا جاتا ہے۔ ویسے لڑکی کی پیدائش کی خبر کا نہیں۔ سویڈن کی شہزادی سبیل جو ۳۷ سالہ شہزادہ گستاف اڈولف کی بیوی ہے وہ شاہی بحری فوج کو سیلوٹ

فائر کرنے کا موقع دینے والی تھی۔ بحری فوج گذشتہ ہفتہ (جولائی کا تیسرا ہفتہ) میں اگر لڑکا پیدا ہوا۔ تو ۴۸ گولے اور اگر لڑکی پیدا ہوئی تو ۲۱ گولے چلانے کے لئے تیار تھی۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی۔ چونکہ سبئیل نے اس سے پیشتر تین لڑکیوں کو جنم دیا تھا۔ جن کی عمر آٹھ۔ چھ اور پانچ سال کی تھی۔

ادب آداب

بودھوں کے زمانہ میں بھکشو ایک دوسرے سے یوں مصافحہ کیا کرتے تھے۔ ایک 'بندے' کہتا تھا اور دوسرا جواب میں 'ادو گیم' بولتا تھا۔ آج کل مارواڑی ایک دوسرے کو 'جے' کہتے ہیں۔ ملک کے کچھ حصوں میں 'رام رام'۔ اندھرا اور بنگال میں 'نمسکارم' جس کی دوسری شکلیں دوسرے رقبہ جات میں 'نمستے' اور 'پرنام' وغیرہ ہیں۔ انگریزی رواج 'گڈ مارننگ' (اچھی صبح) کے بالمقابل پرانے ہندوستان میں لوگ ایک دوسرے کو "سپرا بھاتم" کہہ کر ملتے تھے۔ جاپان میں ملتے وقت پہلا آدمی کہتا ہے "میں نے پچھلی بار جدائی کے وقت آپ کی دلآزاری کی تھی" اور اسے جواب یہ ملتا ہے "اوہ! نہیں۔ یہ میں تھا جس نے آپ کا دل دکھایا"۔

نزدیکی اشیاء دیکھنے کی ناقص بینائی

(PRESBYOPIA)

رولڈ گولڈ عینکیں اور بہت رنگ والے آبنوسی فریم PRESBYOPIA (نزدیک سے نہ دیکھنے والی بینائی) اور MYOPIA (دُور سے نہ دیکھنے والی بینائی) کی بابت زمانہ حال کے یاد دہندہ ہیں۔ نیز آنکھوں اور ناک اور ان کے ذریعہ چہرہ نے جس موجودہ خوبصورت مذاق کا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی بھی اکثر یاد دلاتے ہیں لیکن PRESBYOPIA (نزدیک سے اچھی طرح نہ دیکھنے والی بینائی) اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود انسان۔ ہمارے بزرگوں کے پاس دوہرے قبہ دار چشموں میں کاٹے ہوئے عمدہ پتھر ہوتے تھے۔ جو دُور کی بینائی کے لئے کام آتے تھے۔ جس کی عام طور پر چالیس سال کی عمر کے بعد لوگوں کو شکایت ہو جاتی ہے۔ مہاراشٹر میں اسے رچالیسی ۴ × ۱۰ کہتے ہیں اور اڈیہ میں چالیبیا (۴۰) گجراتی میں 'بیتالن' (۴۲) اور اندھرا میں چتوارڈ (۱۰ × ۴)

ہیلیفکس اور جواہر لال

جب ۱۹۳۵ء میں جواہر لال جی برطانیہ میں تھے تو انہیں ایک مشترکہ دوست نے یہ ترغیب دی کہ وہ ہیلی فیکس سے مُلاقات کریں۔ کیونکہ ہیلیفکس

اس بات کو بہت شدت سے محسوس کرتا تھا۔ کہ ہندوستان میں لبطور ڈ لشہرائے اُسے جواہر لال سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ جواہر لال سے یہ درخواست بھی کی گئی کہ وہ وزیر ہند اور نائب وزیر ہند سے بھی ملیں۔ لیکن اُنہوں نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور ہیلی فیکس نے اُس کے نکتہ نگاہ کی قدر کی۔

ماسکو میں ایک بے داغ فولادی پُل

لوگوں کی کثیر تعداد نے بیداغ فولاد کے بنے ہوئے برتنوں کو دیکھا ہوگا یہ قیمتی ہوتا ہے لیکن خوبصورت۔ ماسکو میں کمیونسٹوں نے سارے کا سارا ایک پُل اس دھات سے بنوایا اور اپنی شان وشوکت کا اظہار کیا۔

سُنہری فرش

لینن سے ایک بار دریافت کیا گیا کہ اگر سکہ اور سکہ سازی کے متعلق کمیونسٹوں کے خیالات پھیل جائیں تو سونے کا کیا بنے گا؟" اوہ! اسے ہماری لیبارٹیریوں کے فرش پر لگادو۔"

MAYIMBA
اور بجُو

افریقہ میں چند کالے چھوٹے پرندے ہیں جو شہر کے "ظاہر کنندے" یا شہر کے رہنما ہیں۔ مگر ایک کا ذکر ہمالیہ کے پہاڑوں میں آتا ہے۔ اور دوسرے کا ملایا میں۔ مائی اِمبا شمالی روڈیشیا میں ایک خاص قسم کا پرندہ ہے۔ یہ خاص طور پر شہد کی مکھیوں اور بھڑوں کے جھاجھوں پر اپنا گذارہ کرتا ہے یہ خود تند مکھیوں پر حملہ کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔ اور اس لئے ایک پرندہ کو جسے بجُو کہتے ہیں اس کندے کام یعنی حملہ کے لئے دوست بناتا ہے۔ اس چھوٹے سے پرندے کی بابت کہا جاتا ہے کہ یہ شہد کھانے میں پیٹو ہے۔ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی ہوتی ہیں۔ جن کے باعث یہ چھتہ بہ چھتہ تک کا لمبا سفر نہیں کر سکتا۔ اس لئے یہ مائی امبیا کا انتظار کرتا ہے اور اس کے آنے پر پورا ساتھی بن جاتا ہے۔ مائی امبیا پرندہ شہد کے چھتوں کی تلاش میں جاتا ہے۔ اور حیوان بجُو خاص طور پر کبھی کبھی لمبے اور دشوار گذار سفر پر اس کی پیروی کرتا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد پرندہ ایک چھتہ پر ٹھیر جاتا ہے۔ اور بجُو اس چھتہ پر حملہ کرتا ہے۔ اس کی کھال پر شہد کی مکھی کا ڈنگ کوئی اثر نہیں کرتا۔ اس کا موٹے بالوں کا ایک کوٹ ہوتا ہے۔ پرندہ ان جھاجھوں کو جو نیچے زمین پر گرتے ہیں مزے لے لے کر کھاتا ہے۔ بجُو خود شہد کی خوراک کھاتا ہے۔ اور جب پرندہ کھا رہا ہوتا ہے تو خود سو

جاتا ہے۔ مگر جب اس پرندہ کو کوئی بچّو نہ ملے تو یہ پہلے ملنے والے کو تلاش کر لیتا ہے۔ جو کسی کچّے شہد کی مکھیوں کا پتہ لگانے والی کی امداد سے اپنے رہنما پرندہ کی پیروی کرتا ہے۔ اور تب یہ نئی شراکت بہت حد تک پرانی کی مانند کام کرتی ہے۔ "معجزۂ زندگی"

قسمت

قسمت اور قضا کاری میں انسان کا اعتقاد جو ہر وقت انسان کی زندگی پر لٹکا رہتا ہے۔ وہ کئی مختلف طریقوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور کئی کہاوتوں نے اس بڑے مسئلہ کو اپنے اندر شامل کر لیا ہے۔ جن میں ہندو اور مسلمان دونوں کا یقین ہے۔ لیکن آسام کے وزیر اعظم سر محمد سعد اللہ نے اس کا تیز استعمال کیا جب اُس نے آسام میں اموات اور یتیموں کے سوال کو اس سادہ سے مسئلہ سے حل کر دیا۔ کہ اس میں کسی کا اختیار نہیں قسمت اور کرم مسجد یا مندر میں تو ٹھیک معلوم ہوتے ہیں لیکن حیرانی یہ تھی کہ وہ گورمنٹ سیکرٹری ایٹ تک چلے گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ مسلم وزیر اعظم اس کہاوت میں یقین رکھتا ہے کہ :-

"مارے کرشنا راکھے کون ؟۔ راکھے کرشنا مارے کون ؟"

کُتّے کا یا انسانی؟

بمبئی میں ورکنگ کمیٹی کے کسی ایک اجلاس میں میں ایک ڈاکٹر کے ہاں مہمان ہوا۔ اور جب میں اور میرا میزبان اس کی کار میں کسی تقریب پر جا رہے تھے تو کار میں میرے داخلہ کے بعد اور اس کے داخلہ سے پہلے ایک بڑا جانور یعنی ایک سیاہ بالوں والی اور چمکدار کُتیا اپنے مالک سے پہلے کار میں اُچھل پڑی اور بالکل کھلم کھلا مجھ سے دوستی کرنے لگی۔ میرے میزبان ڈاکٹر نے اس کُتیا کی بابت ایک مشہور کہانی بیان کی۔ اُس نے ایک رات سات بچّے جنے اور صبح اس کے اپنے دڑبہ جانے تک کچھ سُنائی نہیں دیا۔ جبکہ وہاں جاکر وہ اپنی کُتیا کی مخصوص آوازوں میں گریہ وزاری کرنے لگی۔ ڈاکٹر اس کے رونے کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ آدھ گھنٹہ رونے کے بعد کُتیا باہر آئی۔ اور باغ میں چھ گڑھے کھود دیئے۔ اور سات میں سے چھ پلّوں کو باری باری لے آئی۔ ہر ایک کو دفن کیا۔ اور سانٹھ کے پودوں سے کاٹتے ہوئے ہرے پتّوں سے بھرے ہوئے گڑھے کو ڈھانپ دیا۔ وہ تمام مردہ تھے۔ اور چونکہ ڈاکٹر ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ ساتویں کو بھی نہ دبا دے۔ وہ اس آخری یعنی ساتویں پلّے کو بھی لے آئی۔ جو زندہ تھا۔ اور اسے اپنی گودی میں رکھ کر تین بجے بعد دوپہر تک روتی اور پیٹتی رہی۔ پھر وہ اُٹھی اور اُس نے اپنی خوراک کھائی۔ کیا یہ کُتیا والی حیوانی عقل ہے یا انسانوں کا سا رویہ؟

نوشیرواں اور ہندوستان

فارس کے پرانے بادشاہوں میں سے نوشیرواں انصاف کے لئے مشہور تھا۔ اور حاتم طائی سخاوت کے لئے۔ اور وہ ان اوصاف کے لئے اتنے ہی مشہور تھے جتنا رستم بہادری کے لئے اور عمر خیام شاعرانہ لیاقت کے لئے۔ نوشیرواں کے عہد میں اس کا ایلچی ہندوستان میں تھا۔ اور اسے کہا گیا کہ وہ ہندوستان کی بہترین اشیاء میں سے کئی ایک کو فارس لے جائے۔ وہ تین چیزیں لے گیا یعنی شطرنج، 'پنچ تنتر' اور 'جتاکا' کہانیاں۔ شطرنج بطور چترانگ یعنی فوج کے چار بازوؤں کے جانا جاتا تھا۔ جو یہ ہیں۔ پا پیادہ فوج، گھوڑ سوار، ہاتھی اور رتھ۔ فارس میں اس کھیل کی بڑی تعریف کی گئی اور اس کا نام شطرنج رکھا گیا۔ پھر فارس نے اس شطرنج کو عرب میں پہنچا دیا۔

"پنچ تنتر" کو فوراً برزجمہر نے فارسی زبان میں ترجمہ کر لیا۔ جو بڑے اور چھوٹے تمام حلقوں میں خوب مشہور ہو گیا۔ 'جاتکا' کہانیوں نے ادبی دنیا میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اور فارس، میریا، اسیریا، اور دیگر پرانے ممالک میں ادب کا مرکز بن گئیں۔ اسی طرح سے گل بکاؤلی، طوطا کہانی، اور بیتال پچیسی مشہور، ہر دلعزیز اور عام پھیل گئیں۔ گل بکاؤلی میں ایک شہزادی کی کہانی ہے۔ جو آج کل کے مرکزی صوبہ میں پھلی پھولی تھی اور جس کا قلعہ دل دل میں تھا۔ جسے اب بھی بکاؤلی قلعہ کہتے ہیں۔ دوسری

میں طوطے کی مشہور ۵ ۲ کہانیاں ہیں۔ طوطا ایک سوداگر کی عورت کو جس کا خاوند تیرتھ یاترا کرنے گیا ہوا ہے اور جو ایک یوگنی کے ہتھکنڈوں کے ذریعہ بادشاہ سے محبت کرنے پر تُلی ہوئی ہے۔ اکیس راتیں کہانیاں سُنا کر اُس خطرناک مہم سے بچا لیتا ہے۔ یہ کہانیاں یہ ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ انہیں سُن کر وہ اتنی ہوشیار ہو جائے گی کہ وہ ہر تکلیف دہ صورتِ حالات سے ٹھیک اُسی طرح بچ نکلیگی۔ جس طرح وہ اکیس عورتیں یقیناً اپنے مکروں اور چالاکیوں سے اپنی مہموں میں بچ گئی تھیں۔ تیسری میں بیتال کی پچیس کہانیاں ہیں۔ نوشیرواں درحقیقت ایک خطاب ہے جو اُسے دیا گیا تھا۔ یہ "انشر روح"، یعنی بڑی روح یا مہاتما کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ وہ بادشاہ قواد کا لڑکا تھا۔ جو اپنے وقت کے سوشلسٹ مزداک کا سرگرم پیرو ہو گیا تھا۔ اور مزداک افلاس مٹانے کے درپے تھا۔ بادشاہ قواد سوشلسٹ اصولوں کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت اس کی موت ہو گئی۔ پروہت اس اصلاح کے سخت دشمن تھے۔ جب نوشیرواں تخت پر بیٹھا تو اس نے سوشلسٹ مزداک کو گرفتار کر لیا اور اُسے پھانسی دیدی۔

عرب کا سوشلسٹ

عرب میں بھی ایک سوشلسٹ کھڑا ہو گیا جس کا نام خارزی تھا۔ وہ ہردلعزیز ہو گیا۔ اور اس نے خلیفہ علی اور بادشاہ معاویہ کو مروا دینا چاہا۔ علی بطور شہید مر گیا۔ لیکن بادشاہ بچ نکلا۔

حروفِ تہجّی

سنسکرت لپی (حروفِ تہجّی) حرف بہ حرف ہندی، مہاراشٹری، گجراتی، اور اڑیا میں نقل کی گئی ہے۔ سوائے اس کے کہ کشا کا اُچّارن (تلفظ) کھیا کیا جاتا ہے۔ بنگال، اندھرا، کناری اور ملیالم اور موٴخرالذکر زبان میں ایک زائد حروف 'ن' ہوتا ہے۔ جسے ناک کی آواز کے ساتھ اینا پکارا جاتا ہے۔ ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ باقاعدہ لپّی کے علاوہ جو چھپی ہوئی کتب میں استعمال کی جاتی ہے مہاراشٹر، اڑیہ اور پنجاب کے تین صوبوں کی جُداگانہ لپیاں بھی ہیں جو بالترتیب موڈی، کرہنی اور لنڈے کہلاتی ہیں۔ یہ ایسی لپی ہے جو دیہات میں رائج ہے۔ اور جس میں دیہاتی اور تاجرانہ حسابات رکھے جاتے ہیں۔ لیکن انگریزی تعلیم یافتہ لوگ انہیں چھوڑ رہے ہیں۔ امر واقعہ یہ تھا کہ دونوں لپیاں بیک وقت بچّوں کو سکھلائی جاتی تھیں۔ ٹھیک اُسی طرح جیسے کہ انگریزی میں دو سکھلائی جاتی ہیں (ایک کُتب کی اور ایک ہاتھ سے لکھنے کی)

تان سین اور اکبر

ایک دفعہ اکبر جنگل میں جا نکلا اور تان سین کے گورو کا راگ سُنا

جس نے بادشاہ کو کلیتاً مسحور کر دیا۔ پھر واپس آ کر اُس نے گُرو کو اپنے دربار میں لانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ تب اُس نے دربار کے نہایت ہی مشہور گویّے تان سین سے پوچھا "آپ کیوں اتنا اچھا نہیں گا سکتے جتنا آپ کا گورو؟" فوراً سیدھا جواب ملا۔ تان سین نے بتلایا "مَیں اپنے گُرو جیسا نہیں گا سکتا۔ کیونکہ مَیں محض ایک بادشاہ کی تعریفیں گاتا ہوں جبکہ میرا گُرو خود خُدا کی شان کے ترانوں میں مست رہتا ہے۔"

ہمایُوں اَور بیرَم خاں

بیرَم خان ہمایوں کا بڑا دست اور مشیر کار تھا۔ اکبر کے عہد میں بیرم خاں کئی مناصب پر فائز رہا۔ بادشاہ اعظم کا کمانڈر انچیف اس کا پالنے والا باپ تھا۔ جس نے شاہی لڑکے کو اپنی گود میں لے لیا تھا۔ تب وہ کمانڈر انچیف بن گیا اور پھر اُس کا فلاسفر، دوست اور راہنما اور پھر اُس کا دُشمن، اور پھر دوست، ایک موقع پر جب ہمایوں بیرَم خاں سے باتیں کر رہا تھا۔ تو اس نے نیند میں اپنی آنکھیں آدھی بند کر لیں۔ بادشاہ نے پُوچھا کہ "جب میں آپ سے باتیں کر رہا تھا تو آپ کی آنکھیں بند کیوں ہوتی جاتی تھیں؟" بیرم خاں نے جسے پیار سے خان بابا کہا جاتا تھا نے، البدیہ جو جواب شیریں فارسی زبان میں دیا۔ وہ اصل زبان میں دئے جانے کے

قابل ہے۔

بیرم اہن بہ شما می گویم شما فرار می کند: میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں،
آپ کیوں آنکھیں بند کر کے خواب لے رہے ہیں؟

بیرم نے کہا۔ قربانت! تم پہ قربان یعنی میں آپ کے لئے سب کچھ
قربان کرنے کو تیار رہوں۔

از بزرگان شنیدہ ام کہ بر سہ مقام حفاظت سہ چیز ال واجب است۔
میں نے بزرگوں سے سُنا ہے کہ تین موقعوں پر انسان کو تین چیزوں کی
ضروری طور پر حفاظت کرنی چاہیئے:۔

(۱) در حضرت بادشاہان حفظ چشم - بادشاہوں کے سامنے اپنی آنکھوں
کی حفاظت کرنی چاہیئے۔

(۲) در خدمت درویشان نگاہ داری دل۔ درویشوں کی خدمت میں اپنے
دلوں کی نگہبانی کرو۔

(۳) در چشم علما پاسبانی زبان۔ عالموں کے سامنے اپنی زبان کا خیال رکھو۔

(۴) در ذات حضور صفات سہ ....

آنحضور کے سامنے جس میں ساری صفتیں اکٹھی ہو گئی ہیں میں یہ
سمجھنے سے قاصر ہوں کہ میں ان تینوں میں سے کس کا خیال رکھوں۔

بادشاہ اس سے بہت خوش ہوا۔

تین قانونی مقدمات

۱۔ بناوٹی حمل یا موت پیدائش کو منسوخ کر دیتی ہے؟

ہندوستان میں چھوٹی اور بڑی دونوں طرح کی ریاستیں ہیں ایک چھوٹے جاگیردار راجہ نے ایک عام آدمی یعنی ایک پٹیل کی لڑکی سے بیاہ کر لیا۔ ابھی وہ نوجوان ہی تھی کہ بیاہ کے چند سال بعد خاوند مر گیا۔ اور اس کا بھائی جانشین مقرر ہوا۔ اسی وقت اس نے ایک رجسٹری شدہ دستاویز کے ذریعہ اپنی بھاوجہ سے اس کے گذارے کی رقم کا اقرار نامہ کر لیا۔ وقت پا کر نوجوان بیوہ اپنے باپ کے گھر واپس آگئی۔ جو اپنے داماد کی موت کا سودا کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے اعلان کر دیا کہ اس کی لڑکی حاملہ ہے۔ اور اس کے خاوند کے بھائی راجہ کو بھی خبر کر دی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد لڑکے کی پیدائش کی اطلاع بھی بھیج دی۔ پیدائش باقاعدہ گاؤں کے پٹیل کے رجسٹر میں درج کی گئی۔ راجہ کے گھر میں بڑی پریشانی پیدا ہو گئی۔ وہ فوراً گاؤں روانہ ہو گئے۔ لیکن انہیں پٹیل کے گھر داخل ہونے کی اجازت نہ دی گئی۔ اور نہ انہیں نئی ماں اور بچہ کو دیکھنے کا کوئی موقع دیا گیا۔ قدرتاً معاملہ قانون دان اصحاب کے سامنے گیا۔ پہلے بڑے اصحاب کے سامنے جنہوں نے دیوانی مقدمہ یا ایک استقرار یہ مقدمہ کا مشورہ دیا۔ پھر مقامی وکلا سے کہا گیا کہ وہ ضروری عرضی دعوے دائر کر دیں۔ لیکن انہوں نے مشورہ دیا کہ دیوانی

مقدمہ کی سماعت میں کئی سال لگ جائیں گے۔ اور اس سے بناوٹ کی تمام شہادت معدوم ہو جائے گی۔ اگر عورت نے واقعی ایک بچہ کو جنم دیا ہے تو کوئی لیڈی ڈاکٹر معائنہ کر کے اس تازہ پیدائش کے امر واقعہ کو تصدیق کر سکے گی۔ مگر کچھ مہینوں کے بعد جس کی تمام علامات غائب ہو جائیں گی۔ اس لئے مجسٹریٹ درجہ اول کی عدالت میں جھوٹی شہادت گھڑنے کے نیز فوجداری مقدمہ دائر کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ مقدمہ دائر کیا گیا۔ لیکن کچھ پس وپیش کے بعد کیونکہ آخر کار تو یہ ایک خاندانی معاملہ تھا۔ اور کوئی دیور یا جیٹھ یہ نہیں چاہے گا کہ وہ اپنی بھاوجہ کو عدالت میں گھسیٹے۔ تب سمن جاری کرنے کا سوال آیا۔ ڈپٹی مجسٹریٹ نے سمن جاری کرنے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی کیونکہ اس میں معززین پھنسے ہوئے تھے۔ اس لئے مستغیث کے وکیل اور ڈپٹی مجسٹریٹ میں یہ سمجھوتہ ہوا کہ مقدمہ برائے تحقیقات کسی کے سپرد کیا جائے۔ لیکن کس کے سپرد کیا جائے؟ ڈپٹی مجسٹریٹ نے تحصیلدار کا نام تجویز کیا۔ لیکن مستغیث کو یہ تجویز پسند نہ آئی۔ کیونکہ تحصیلدار اور وہ دونو دوست تھے۔ نیز دیگر وجوہات بھی تھیں۔ اس اثناء میں معاملہ کلکٹر کے نوٹس میں لایا گیا تاکہ پٹیل کے خلاف پیدائش رجسٹر میں مُبینہ غلط اندراج کی بنا پر محکمانہ کارروائی کی جائے۔ جب معاملات ایسی حالت میں تھے تو طرفین اور ڈپٹی مجسٹریٹ اس بات پر رضامند ہو گئے کہ سرکاری وکیل متنازعہ معاملہ کی تحقیقات کے لئے بہترین آدمی ہے۔ اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ وہ اگلی صبح گاؤں کو روانہ ہو جائے۔ لیکن آدھی رات مستغیث کو اطلاع پہنچی کہ تحصیلدار گاؤں میں پہنچ چکا تھا۔ اور تحقیقات کر رہا تھا۔ صبح کو سرکاری وکیل

جلدی ہی گاؤں پہنچ گیا اور اُسے معلوم ہؤا کہ تحصیل دار تحقیقات کرنے کے بعد چلا گیا ہے۔ اور جس میں اُس نے یہ رپورٹ کی کہ لڑکے کی پیدائش بلا شبہ ایک امر واقعہ ہے۔ سرکاری وکیل نے اپنی طرف سے تحقیقات کی اور پتہ لگایا کہ پٹیل اپنی لڑکی کے طبی معائنہ کے لئے تیار نہ ہو سکے گا۔ اس لیے اس کی رپورٹ یہ تھی کہ حمل اور زچگی کی ساری کہانی جھوٹی تھی۔ پارٹی واپس چلی گئی۔ اور حیران تھی کہ تحصیلدار نے کس طرح اس معاملہ میں اپنا ہاتھ ڈال لیا تب وہ ڈپٹی مجسٹریٹ کے پاس گئے جس نے معاملہ کی تشریح کرتے ہوئے بتلایا کہ اس میں اس کا کوئی ہاتھ نہ تھا بلکہ کلکٹر نے مذکورہ بالا الزام کی بنا پر پٹیل کے چالچلن کی بابت محکمانہ تحقیقات کا حکم دے دیا تھا جس کی ایک نقل کلکٹر نے ڈپٹی مجسٹریٹ کے پاس برائے اطلاع بھیج دی۔

آخر کار سمن جاری کیا گیا اور اس کی تعمیل بھی ہو گئی۔ اس بات پر بلند آواز میں گریہ زاری کی گئی کہ زنانہ کو عدالت میں گھسیٹا جائے۔ اس لئے انہوں نے درخواست کی کہ ذاتی حاضری سے باز رکھا جائے۔ لیکن ڈپٹی مجسٹریٹ نے درخواست مسترد کر دی۔ اپیل کی گئی۔ لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہوئی۔ تب سماعت شروع ہوئی۔ سماعت کے دوران میں ڈپٹی مجسٹریٹ اس بات کے لئے متفکر تھا کہ معاملہ کا سمجھوتہ ہو جائے۔ چنانچہ اس نے پرائیویٹ طور پر اور اعلانیہ دونو طرح سے اس کے لئے زور دیا۔ اُسے دھمکی دی گئی کہ ایسی صورت میں مستغیث کو انتقال مقدمہ کی درخواست دینی پڑے گی۔ نیز اس سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اس کا مفاد کیا ہے۔ جس کا اُس نے آخر کار یوں اقبال کیا کہ تحصیلدار اس کا دوست ہے

اور کہ کلکٹر تحصیلدار کی رپورٹ پر اُس کے چال چلن کی بابت اور بچہ کی پیدائش کے متعلق تحقیقات کا حکم دینے والا تھا۔ لیکن مستغیث کا وکیل سمجھوتہ جیسی واہیات بات کے لئے تیار نہ تھا۔ اگر تحصیلدار نے غلطی کی تھی تو اُسے ضرور غلطی کا خمیازہ بھگتنا چاہیئے۔ اگر عورت نے بچہ کو جنم دیا ہے تو اسے اپنے طبی معائنہ پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ اگر وہ اپنے خاوند کی موت کے وقت حاملہ ہوتی تو وہ اپنے گذارہ کی منظوری کے لئے اُس رجسٹری شدہ دستاویز کو کبھی عمل میں نہ لاتی۔ ساری کہانی ہی بناوٹی یعنی من گھڑت تھی۔ لہٰذا ہر ایک کو اپنی بیوقوفی کی سزا ضرور بھگتنی چاہیئے۔ آخر کار زیادہ بارسوخ حلقوں کی طرف سے وکیل پر دباؤ ڈالا گیا۔ لیکن اب سوال یہ تھا کہ سمجھوتہ کیسے کیا جائے؟ یہ قابلِ دست اندازی جُرم تھا۔ اور اس لئے تصفیہ کے ناقابل تھا۔ پس یہ فیصلہ کیا گیا کہ بچہ کو مار دیا جائے۔ چنانچہ حیات و اموات کے رجسٹر میں نئے پیدا ہوئے بچہ کی موت کا اندراج کیا گیا۔ بچہ کا وارث جو نہ ہی پیدا ہوا تھا۔ اور نہ ہی مرا تھا بلاشبہ اُس کا چچا یعنی متوفی کا بھائی تھا۔ اور سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ پٹیل قید کے پنجہ سے بچ گیا۔ تحصیلدار کی خلاصی یوں ہوئی کہ کلکٹر بیمار ہوا اور چل بسا۔ اور موت نے پیدائش کو منسوخ کر دیا!

۲۔ پھانسی اور پاگل پن!

کئی راجے اور سردار دلیش بھگت ہیں۔ اور انہیں اکثر اپنے زیادہ جوشیلے پن یا کم تدبر کی سزا بھگتنی پڑتی ہے۔ ایک خاص سردار نے جو اس زُمرے میں

سہتا تھا۔ ایک سازش کا جسے آسانی سے ظاہر کرنے کی خاطر ہمیں بغاوت کہہ لینا چاہیئے منصوبہ باندھا۔ اُسے لمبا چوڑہ دَورہ کرنے کی عادت تھی۔ نسبتاً یہ سچ ہے کہ اُس کی ریاست کی طرف جتنی توجہ دینی چاہیئے تھی۔ اُتنی نہیں دی جاتی تھی۔ پس اس سے کہا گیا کہ وہ اپنی ریاست کا نظم ونسق حوالہ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ چنانچہ اس کی ریاست ایک جینتی ر (JAPTI) کے ماتحت کر دی گئی۔ جینتی نے اُس سردار کی سوتیلی ماں سے آشنائی پیدا کر لی۔ ایک رات کلکٹر نے اُس سردار (EFIHN) کو مدعو کیا اور ساتھ ہی ایک مقامی عیسائی مشنری کو بھی۔ جب وہ کھانا کھانے کے بعد جُدا ہونے لگے تو سردار نے مشنری سے کہا۔ کہ ذرا وہ اسے اپنی بندوق دے۔ اور کافی معصومانہ انداز کے ساتھ درخواست پوری کر دی گئی۔ اُسی رات سردار نے جینتی اور اپنی سوتیلی ماں کو بندوق کا نشانہ بنا دیا۔ اگلے دن اسے حراست میں لے لیا گیا۔ اور اس نے مجسٹریٹ کے سامنے صاف اقبال کر لیا۔ جب مقدمہ کی سماعت ہونے لگی تو سرکار نے سرکاری وکیل کو مقرر کیا۔ کیونکہ سردار کی ملکیت زیر اہتمام تھی۔ جبکہ استغاثہ کی پیروی ایڈووکیٹ جنرل کر رہا تھا۔ سرکاری وکیل نے مُلزم سے مُلاقات کی۔ اور ڈیفنس کے لئے اس کا تعاون چاہا۔ سردار نے کہا۔ "اس آدمی کے لئے آپ کیا ڈیفنس پیش کر سکتے ہیں جس نے خود اپنے جُرم کا صاف الفاظ میں اقبال کر لیا ہے؟ سرکاری وکیل نے جواب دیا: قانون کو پھر بھی ڈیفنس کی ضرورت ہے۔ اور بچاؤ کا مطلب بچاؤ کرنا ہی ہے۔ جب تک تم پھانسی کے لئے خواہش نہ کرو۔ اُس وقت تک ڈیفنس کو ضرور منظم کیا جائے گا۔

اور پیروی کی جائے گی۔" سردار پاگل سا نظر آنے لگا۔ اور پولیس ڈاکٹر کو اس کے معائنہ کے لئے بُلایا گیا۔ معائنہ کے دَوران میں اُس نے شدید دیوانگی کی علامات اختیار کرلیں۔ نیز خودکشی اور قتل کے لئے اُبال دِکھلانے لگا۔ وہ مادر زاد ننگا ہو گیا اور بالکل پاگل نظر آنے لگا۔ سماعت کنندہ مجسٹریٹ کو باقاعدہ اس امر کی اطلاع دی گئی۔ اور اس سے یہ درخواست کی گئی کہ ملزم کے پاگل پن کے بحال ہونے تک مقدمہ کی سماعت ملتوی کردی جائے لیکن اُس نے منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر گورنمنٹ سے اپیل کی گئی جس نے التوا کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ ملزم کا معائنہ سب سے بڑے سرکاری افسر طبی یعنی سول سرجن سے کرایا جائے۔ اس عرصہ میں سرکاری وکیل کی پوزیشن نازک ہو گئی اُسے سرکار نے مقرر کیا تھا۔ اور اُس کے مؤکل کے مفاد کبھی کبھی خود سرکار سے ہی ٹکر کا مطالبہ کرتے تھے۔ تمام باتوں کو سوچ کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ ملزم کے لئے ایک آزاد وکیل مقرر کیا جائے جس کی بلاشبہ سرکاری وکیل خوشی خوشی امداد کرے۔ لہذا مُلزم کی بیوی سے مُلاقات کا انتظام کیا گیا۔ اور کسی نہ کسی طرح سے اُس نے ایک بیرسٹر کی خدمات حاصل کرلیں جو بڑا سمجھدار اور وسیلہ باز تھا۔ وقت پاکر سرجن جنرل آیا۔ اور مُلزم کے طبی معائنہ نے یہ ظاہر کیا کہ اُسے پاگل پن کے شدید دَورے آتے ہیں۔ اُس کا رجحان خودکشی اور قتل کے خبط کی طرف ہے اُس کے خیال اور گفتگو میں غیر پیوستگی ہے۔ اور اس کا مزاج قابو ہونے کے ناقابل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ گھٹنے کا جھٹکا بہت بڑھا ہوا پایا گیا۔

اور دوسری علامات وقت اور رفتار کے لحاظ سے گھٹنے کے جھٹکوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ سرجن جنرل نے اُسے پاگل قرار دے دیا۔ لیکن سماعت کنندہ مجسٹریٹ اس کے خلاف اپنی ضد پہ ڈٹا رہا۔ اُس نے سرجن جنرل کو گواہ کے کٹہرہ میں بلایا۔ اور اُس سے سختی کا ہی نہیں بلکہ تندی کا سلوک کیا۔ "بیماری کتنی پرانی ہے؟" عدالت نے پوچھا۔ "تقریباً دو سال کی۔" "آپ ایسا کیوں کہتے ہو؟" "ایک یا دو ماہ کے فرق کے ساتھ یہ صحیح ہے۔" لیکن ماہروں کے خلاف شیخی مارنا اور دھمکانا اچھا نہیں ہوتا۔ وہ ان دھمکیوں سے اور سخت ہو جاتے ہیں۔ "کیا آپ نے ملزم کا اقبال پڑھ لیا ہے؟" "میں پہلی بار اس کا ذکر سن رہا ہوں۔" سول سرجن نے کہا۔ "تب اسے پڑھیئے" اور سرجن جنرل کو اس کے لئے دو گھنٹے کی مہلت دی گئی۔ اس کے بعد وہ پھر گواہ کے کٹہرہ میں کھڑا ہو گیا۔ اور اس سے پوچھا گیا۔ کہ "اب آپ کی کیا رائے ہے؟" سرجن جنرل نے کہا کہ "ملزم کے پاگل پن اور تقریباً دو سال سے ایسا ہونے کے متعلق میرا یقین زیادہ پختہ ہو گیا ہے۔" جس وقت اپنی گواہی دے رہا تھا اُس وقت ملزم کرسی اُلٹی کر کے اُس پر بیٹھا تھا۔ اور کھڑکی سے چھلانگ لگانے اور ایڑیوں کو سر پر رکھ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مجسٹریٹ نہایت گھبرا گیا۔ اُس نے سرجن جنرل کو برخاست کر دیا۔ اور یہ اعلان کیا کہ اُسے اس کی گواہی پہ یقین نہیں۔ اور ملزم کو موت واقع ہو جانے تک گلے سے پھانسی کی سزا دے دی۔

اس حکم کے خلاف گورنمنٹ سے اپیل کی گئی۔ جس نے سرجن جنرل

کی گواہی کو پڑھا اور چھپی ہوئی حالت میں اسے اور بھی قابلِ یقین پایا۔ بہ نسبت اُس کے جبکہ سرجن جنرل نے گواہ کے کٹہرے میں کھڑا ہو کر اسے جوش کے ساتھ دیا تھا۔ ایک اظہار سے مسلسل، مصدّقہ، یکساں اور سمجھدار کہانی بنتی ہے۔ لیکن کٹہرہ میں گواہی شکستہ، آہستہ آہستہ دیر ہی کُن، خالی الفاظ کو پُر کرنے والی یا تفصیلی مُشتبہ اور بناوٹی ہوتی ہے۔

گورنمنٹ کو اپنے سرجن کی سچائی پر یقین تھا جو آئی۔ ایم۔ ایس کا ممبر تھا۔ پیشہ کے لئے باعثِ زینت تھا۔ سرکار کا سب سے بڑا عہدیدار تھا۔ اور ان سب باتوں کے اُوپر وہ اُس کا اپنا ماہر تھا۔ چنانچہ سرکار نے ملزم کی بریت کا حکم دے دیا۔ خوش قسمتی سے اُسے مجرم بھی گردانا گیا تھا۔ اور اسے رہا بھی کر دیا گیا تھا۔ اگر پہلے طبی سارٹیفکیٹ پر صرف مقدمہ کی سماعت ہی ملتوی ہو جاتی تو اس کی قسمت میں پاگل خانہ ہونا جملات کے مطابق اسے پاگل خانہ بھیج دیا گیا جسے آج کل دماغی ہسپتال کہا جاتا ہے اور دو سال وہاں رہنے کے بعد اُس کا تندرست ہونا یقینی تھا بالخصوص اس حالت میں جبکہ اُسے مقدمہ کی تازہ سماعت نظر نہیں آتی تھی۔

اس مقدمہ میں بظاہر ملزم نے خوشی خوشی اور سچے دل سے ایسی سزا اپنے اُوپر لے لی جسے کسی عدالت کو دینے کا حق یا اِمکان نہ تھا۔ اور قانون کی انتہائی سزا سے اپنے آپ کو بچا لیا۔ جسے مجسٹریٹ نے بڑے احسان کے ساتھ اُسے دیدیا تھا۔

۲۔ حجّام اور برہمن

ایک وکیل کے منشی کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے بیٹے کو وکیل کے (لب اس خصوصی) دیکھیے، کمپاؤنڈر یہ چاہتا ہے کہ اس کا فرزند ڈاکٹر بن جائے، ایسے ہی کالج کے کلرک کی یہ زبردست خواہش ہوتی ہے کہ اس کا لڑکا پروفیسر دکھلائی دے اور سڑک کے مستری کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ اس کا لختِ جگر انجینئر کے عہدے پر مامور ہو جائے۔ لیکن متعلقہ عدالت کے چوبدار کی خوشی جو جج کے آگے آگے چیمبر سے عدالت تک نقرئی عصا کو اٹھا کر چلتا تھا اس بات میں تھی کہ جب وہ ریٹائر ہو تو اس کا پسر اس کی جگہ لے لے۔ اور ریٹائر ہونے کا دن بڑی تیزی سے نزدیک آرہا تھا۔ اس کی ذات حجّام تھی۔ اور حجّام بڑے ہوشیار، شیریں گفتار، اپنے استروں کی مانند نرم اور صاف، بات چیت کرنے والے۔ کسی حد تک شاطر اور سیاسیات میں مس رکھنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے لڑکے نے پرائمری یا اونچے درجہ کی ابتدائی تعلیم کو ختم کر لیا تھا۔ اور چوبدار کے ماتحت بطور شاگرد لیا گیا تھا وہ نقرئی چادر اور نقرئی عصا کو چمکاتا رہتا تھا۔ اور بار لائبریری میں وکیلوں کے ایسے ویسے کام کرتا رہتا تھا۔ وکیل صاحبان لڑکے پر مہربان ہو گئے۔ اور کبھی کبھی اس کا مذاق بناتے رہتے تھے۔ ذکی الحس لڑکا ان مذاقوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ جو کبھی کبھی اس کی ذات کے متعلق ہونے کے باعث بے رحمانہ ہو جایا کرتے تھے اور جن سے اس کے جذبۂ خودداری کو ٹھیس پہنچانا مقصود

تھا۔ لہٰذا ایک اعلیٰ صبح وہ ایک بڑے شہر بھاگ گیا۔ جہاں اُس نے چھوٹے موٹے پیغامات پہنچانے کے کام سے روپیہ کما لیا۔ اور علاقہ کے حالات۔ قصبہ کے اِداروں، ملک کی سیاسیات اور سرکار کے مختلف عملہ داروں سے واقف ہو گیا۔ لڑکے نے برہمن ہونے کا بہانہ کر لیا۔ پڑوس کے ایک مشہور برہمن خاندان کا نام رکھ لیا۔ اپنے بھائیوں میں سب سے آخری ہونے کا ڈھونگ رچا اور ایک ٹھیکیدار کے ماتحت نوکری حاصل کر لی۔ اس کا کام رجسٹر حاضری دیکھنا اور بل ادا کرنا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اپنی اس کامیابی سے اس کی تسلی نہ ہوئی اور اُس نے اپنے آپ کو بہتر آسامی کے قابل سمجھا اور سرکاری نوکری کا خیال کر لیا۔ لیکن وہ نہ ہی اس کے قابل تھا۔ اور نہ ہی اس کا کوئی مُربّی تھا۔ اور دوسری پاسپورٹ یعنی سرپرستی کے مقابلے میں لیاقت چھوٹی بات تھی۔ اس لئے اس نے یہ فیصلہ کر لیا کہ جس بات کے لئے بیرحم قدرت اور اس سے بڑھ کر بے رحم سوسائٹی نے اُسے محروم رکھا تھا۔ وہ اُسے اپنی عقل سے پورا کرے۔ چنانچہ اس نے مزدری دوستیاں گانٹھ لیں۔ اور تھوڑی سی چوری بھی کر لی۔ اُس نے لیٹر پریس سے ایک راجا کے لیٹر پیپر اور کوٹ آف آرمز حاصل کرنے کا انتظام کر لیا۔ نیز چیف جج کے نام ایک جعلی چھٹی بھی لکھ لی جس میں یہ درج تھا۔ "یہ لڑکا ایک اعلےٰ برہمن خاندان سے ہے۔ مجھے اس میں دلچسپی ہے۔ اور میں بڑا خوش ہوں گا۔ اگر آپ اسے ایسی آسامی دینے کا انتظام کر سکیں جو ۶۰/- روپے ماہوار سے کم نہ ہو۔" لڑکے نے خود اپنی لیاقت کا اندازہ صرف اتنا ہی لگایا تھا۔ بدقسمتی سے

جج قائم مقام افسر تھا اس لئے تقرر یہاں کرنا اُس کے احاطۂ اختیار سے باہر تھا۔ اُس نے لڑکے سے اگلے دن آنے کو کہا بالخصوص چونکہ اُسے یہ شک پڑ گیا۔ کہ چِٹھی کا مُصنّف مُشکل سے ہی اُسے ایسی چِٹھی لکھ سکتا تھا۔ وہ لڑکے سے ایک دن پہلے پبلک باغات میں مِلا تھا اور جس بات کو بظاہر لڑکے نے بڑی احتیاط سے نوٹ کر لیا تھا اور اسی لئے اُس نے سوچا کہ کہ اُسے سارے معاملے کی تصدیق کرنی چاہیئے۔ اُس شام کو وہ چِٹھی کے مصنّف سے ملا اور پتہ کر لیا کہ چِٹھی جعلی ہے۔ پس اگلی صبح مقررہ وقت پر پولیس جو لڑکے کا انتظار کر رہی تھی۔ اُس نے لڑکے کو اپنی حراست میں لے لیا اور وقت پر لڑکے پر مقدمہ چلایا گیا۔ سب جیل سے لڑکے نے باپ کو مایوسی کی تار بھیجی۔ جس میں اپنی حالتِ زار کا ذکر کیا اور فوری اِمداد چاہی کچھ عرصہ سے لڑکا تھوڑا سا روپیہ اپنے بوڑھے باپ کو بھیجا کرتا تھا۔ لیکن دیکھیئے پرماتما کے اچھے وقت، باپ کے پاس یہ بُرا پیغام پہنچا۔

(۲)

باپ فوراً اس جگہ پہنچ گیا اور اس کے ساتھ دوستوں اور رشتہ داروں کی کافی تعداد گئی جو سب کے سب حجّام تھے۔ اور جو باپ کی مانند ہوشیار، لائق اور کسی حد تک باوسیلہ تھے۔

سماعت مقدمہ سے چند دن پہلے اُنہوں نے لڑکے کو ضمانت پر رہا کرالیا اور ایک موت کے نظّارہ کا انتظام کیا۔ جس میں مناسب رسم کے ساتھ اور جلوس کی شکل میں لڑکے کی لاش کو اس کے باپ اور دیگر حجام رشتہ دارو ں

نے اُٹھایا اور شمشان لے جاکر اُسے باقاعدہ جلایا۔ موت کی رپورٹ بھی شہر کے حیات و اموات کے رجسٹر میں باقاعدہ طور پر درج کر دی گئی۔ سماعت کے دن عدالت کو موت کے "امرِ واقعہ" کی خبر دی گئی اور مقدمہ ملتوی ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد عدالت کے پاس ایک گمنام خط پہنچا۔ جس میں یہ درج تھا کہ کس طرح عدالت نے اندھی ہو کر ایک زندہ آدمی کو مُردہ ظاہر کرنے والی رپورٹ پر یقین کر لیا۔ اس خط کو پولیس کے پاس برائے تصدیق در رپورٹ بھیجا گیا۔ پولیس نے تحقیقات شروع کر دی اور حیات و اموات کے رجسٹر اور شمشان کے سارٹیفکیٹ سے موت کی تصدیق کر لی۔ اور جب حیات و اموات کا رجسٹر کہتا ہے کہ تم مر گئے ہو تو یہ تمہاری موت کے متعلق ڈاکٹر کے اعلان سے بھی بڑھ کر ہے۔ ڈاکٹر بھلے ہی غلطی کر جائے لیکن رجسٹر کیسے غلطی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ گمنام خط کو درج کر لیا گیا اور مقدمہ کو فہرستِ مقدمات سے کاٹ دیا گیا۔ نوجوان بچ کر ایک بڑے شہر چلا گیا۔ اور جہاں اُس نے فیشنیبل لباس پہن لیا اور محض سوئے اتفاق سے ایک ایسی جگہ کے وکیل کو مل گیا جہاں اُس کا باپ چوبدار رہا تھا اور وہ خود اس کا شاگرد۔

" ہیلو۔ آپ یہاں کیوں ہو ؟" بے اختیار گرما گرم یہ سوال اُس وکیل نے نوجوان سے پوچھا۔ لیکن اُس نے فوراً اپنے ہاتھوں۔ آنکھوں۔ اور چہرہ کے اشاروں سے وکیل صاحب کو یہ التجا کی کہ وہ ایسی دوستانہ گفتگو نہ کرے۔ اور اُسے علیحدہ لے جا کر سمجھایا۔ کہ اُس کی خوشحالی۔

اس کا بلند پایہ لباس اور شکل و صورت کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بھاٹیہ خاتون کا معتبر اور اچھا تنخواہ دار باورچی تھا۔ وہ اپنے آپ کو برہمن ظاہر کر رہا تھا۔ اور برہمن سے بڑھ کر کون اچھا باورچی بن سکتا تھا!

دہلی کے متعلقہ توہمات

توہمات کا ٹھیکہ ہندوستانیوں نے ہی نہیں لے رکھا ہے۔ جب لارڈ ہارڈنگ کی حکومت نے دارالخلافہ کو کلکتہ کی بجائے دہلی بدل دینے کا فیصلہ کر لیا۔ تو اُنہوں نے پہلے "بادلی" گراؤنڈز کو منتخب کیا۔ جس پر دربار کیمپ کی تجویز کی گئی۔ کیوں یہ بادلی سے رائے سینا تبدیل کیا گیا جو ایک گاؤں کا نام ہے۔ اور جس پر نئی دہلی واقع ہے صرف قیاس کا معاملہ ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جس دن ہندوستان کے دارالخلافہ نے کلکتہ سے دہلی تبدیل ہونا تھا، اُس دن کلکتہ میں گورنمنٹ ہاؤس پر جو یونین جیک تھا اُسے بجلی کی ضرب نے نقصان پہنچا دیا۔ پھر جب وہ دہلی چلے گئے تو اُنہوں نے ایک ایسے دروازے کو کھول دیا۔ جو مُدّتوں سے قلعہ میں بند رکھا گیا تھا۔ اور جسے "طلاقی دروازہ" کہتے تھے۔ یہ دروازہ اس وقت بند کیا گیا تھا۔ جب بہادر شاہ کو موت قلعہ سے باہر لے گئی تھی۔ اور جب اس کی زبانی کہا گیا معلوم ہوتا ہے۔ کہ دروازہ صرف اُسی صورت میں کھولا جائے جب وہ

واپس قلعہ میں آئے۔ پس یہ ایک ایسا قلعہ تھا جس پر ۱۸۵۷ء کی بلا آیت یا موت یا قضا کاری سوار تھی۔ آخر کار یہ پتہ چلا کہ اصلی منتخب کردہ گراؤنڈز جن پر ۱۹۰۳ء کے دربار کا خیمہ نصب کیا گیا تھا ناموزوں تھیں کیونکہ بنیادیں غرق ہو جائیں گی۔ کہا جاتا ہے کہ ان وجوہات کی بنا پر ابتدائی انتخاب منسوخ کیا گیا۔ اور رائے سینا کو منتخب کیا گیا۔

بادلی کے ابتدائی قطعہ کے متعلق ایک شعر ہے جو یوں ہے:۔

"نو دلی دس بادلی اور قلعہ وزیر آباد"

اعتقاد یہ تھا کہ نویں دہلی کے بعد جو موجودہ پرانی دھلی ہے دسویں بادلی کی گراؤنڈز پر تعمیر کی جائے گی۔ اور یہ آخری دلی ہوگی۔ گرچہ اس کی تعمیر ہرگز اس پر نہیں ہوئی۔ پس بادلی پر دسویں دلی کے جو آخری دہلی ہوگی بنائے جانے کے متعلقہ پیش گوئی ہرگز سچ ثابت نہیں ہوئی علی پور روڈ کے خاتمہ پر جو ترچھی بلڈنگ ہے۔ جس میں لیجسلیٹو چیمبر اور والسرائے کا ہاؤس دونو ہیں۔ اسے ۱۹۰۳ء کے دربار کے موقع پر عارضی استعمال کے لئے لارڈ کرزن نے چھ ماہ کے اندر ۱۹۰۳ء میں بنوایا تھا۔

ترکی کا قانون

"ایشیا اینڈری امریکینز" کے کالموں میں جان ودن الیس کہتا ہے کہ

"اُس وقت کے قانون کے مطابق اگر تم نے ایک گھوڑا چُرا لیا اور پکڑے گئے۔ تو تم ایک سال سے لے کر تین سال سزا کے مستوجب ہوگے۔ لیکن اگر تم نے ایک بھیڑ چرالی تو تم تین سال سے لے کر سات سال تک کی سزا پا سکو گے۔ جبکہ تم اُس کی گنتی کے لئے کوشاں ہو میں تم کو ایک اور بتلاؤں گا۔ اگر میں نے سنجیدگی کے ساتھ آپ پر خنجر کھینچا لیکن آپ تندرست ہو گئے۔ تو سزا ایک سال سے لے کر تین سال تک ہوگی۔ لیکن اگر میں نے خنجر کو کھینچا۔ اور اُس نے آپ کو چھوا تک نہیں۔ تو سزا شاید تین سال سے سات سال تک ہو جائے۔

ترکی قانون دان میری کند ذہنی پر حیران تھے۔ کیونکہ میں نے مذکورہ بالا فیصلے کے جواز کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تھی۔ وہ کہتے تھے۔ یہ بالکل صاف ہے۔ اگر میں گھوڑا چرانے جاتا ہوں تو یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ میں گھوڑے پر سوار ہو کر بچنے کا منصوبہ باندھتا ہوں اور اس لئے میں غیر مسلح ہو کر آتا ہوں۔ لیکن بھیڑ چرانے کی صورت میں میں بھیڑ پر چڑھ کر بھاگ نہیں سکتا۔ اس لئے میں ممکن گرفتاری کے مقابلہ میں مسلح ہو کر آتا ہوں۔ اور اس لئے میں زیادہ مجرمانہ ذہنیت رکھتا ہوں اور زیادہ سزا کا مستحق ہوں۔ دوسری حالت میں اگر میں تم پر خنجر کھینچ لیتا ہوں اور اگرچہ تم کو سخت زخمی کر دیتا ہوں۔ تاہم تم بچ جاتے ہو تو نتیجہ معلوم ہو جاتا ہے کہ تم نہیں مرے۔ لیکن اگر میں نے اتنا بھی نہیں کیا کہ تم کو چھو لیتا تو شاید چھو لینے کی صورت میں میں تم کو مار ہی ڈالتا۔ لہٰذا زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔

اس میں سبق یہ دیا گیا ہے۔ کہ دلیسی دِل کے ساتھ برتنے کے لئے ایک مغربی کے اندر لوگوں کی بابت علم ہونا چاہیئے۔ صرف یہی ایک طریقہ ہے۔ جس سے تم اس خیال کے پاس جا سکتے ہو جسکے پاس ... جاتے ہیں۔ ترکی زبان میں نہ کوئی تذکیر و تانیث ہے اور نہ ہی نسبتی ضمیر کو ترجیحاً صدائے مفعول میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ عربی میں اصلی خیال کو پندرہ نام نہاد تدابیر کے مطابق ترمیم کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ سسٹم مغربی دماغ کے لئے بالکل غیر ہے۔

لیکن جب تک آپ کو یہ پتہ نہ لگ جائے۔ کہ ایک عربی کا نمونۂ خیال کیا ہے۔ اس وقت تک جو کچھ وہ کہتا ہے آپ اُسے سمجھ نہیں سکتے۔ ایک افسر جو بہت سال تک ملازمت کرنے کے بعد عراق سے روانہ ہو رہا تھا۔ اُسے الوداع کہنے کے لئے علاقہ کے بڑے اور تقریباً بڑے تمام کے تمام منجملہ عرب کے زرست برد برس کے نمائندے موجود تھے۔ افسر نے خیال یہی کیا کہ اُن کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پہلے پانچ منٹ عربی زبان میں تقریر کی۔ لیکن نتیجہ بہت خراب نکلا۔ اُس نے فعلیں (VERBS) کو قتل کر ڈالا" اسموں (NOWNS) کو زخمی کر دیا۔ اور لاش کو قلی الفاظ اور جملوں کے ساتھ باندھ دیا۔ اور اپنی وحشت آمیز گڑبڑ کو غیور اعرابیوں کے ہتک محسوس کرنے والے مجمع پر بُری طرح سے پھینکا۔

جہان دوان ایس ایک عربی جلسہ میں مدعو کیا گیا۔ اور وہ اکیلا ہی مغربی منتظم تھا جسے دعوت دی گئی۔ جب پُوچھا گیا کہ ایسا کیوں ؟ تو اعرابیوں نے واضح کیا کہ" جو اللہ کے ساتھ سچا ہے وہ عبداللہ کے

ساتھ بھی دغا نہیں کرے گا۔ چونکہ آپ مُبلّغ ہو اور اپنے مذہب میں سچے ہو۔ جیسا کہ تُم اسے سمجھتے ہو اس لئے ہم آپ کو مدعو کرتے ہیں۔

لارنس کے متعلق جان وون ایس کا خیال

کئی کہانیاں رائج ہیں۔ کہ کس طرح عرب کا لارنس عربی کا بھیس بدلنے میں پکّا ماہر تھا۔ لیکن جان وون ایبس کا خیال ہے کہ عربی بننے کے متعلق لارنس کی ہوشیاری کی جو کہانیاں جاری ہیں وہ سراسر بناوٹی ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ ایک عربی درجن غلطیوں میں سے کسی ایک کو فوراً تاڑ لے گا۔ جو لازمی طور پر سرزد ہونگی کیونکہ جس طریق سے سر کے لباس کو ترتیب دی جاتی ہے' بیٹھنے میں جس طرح لباس کو لٹکایا جاتا ہے یا اُٹھتے وقت اسے سنبھالا جاتا ہے یا کس طرح سینڈلوں کو دست بدست پھیرا جاتا ہے یا اُتارا جاتا ہے۔

تین پیالے یا ایک

شیعوں کے درمیان یہ کہا جاتا ہے کہ کوئی بھی قہوے کے تین پیالے نہ لے جن کا وہ مستحق ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی ایک بار پی لیتا ہے

تو پیالہ ناپاک ہو جاتا ہے ۔ اور خاص صفائی کے لئے علیحدہ رکھ دیا جاتا ہے ۔ لیکن اگر آدمی دوسرا پیالہ لیتا ہے تو ناپاک پیالہ سے جو بھاپ اُٹھتی ہے ۔ وہ دوسرے پیالہ اور جو کچھ اس میں ہے اُسے ناپاک کر دیتی ہے ۔ نیز اُن تمام کو بھی جو بعد میں پیتے ہیں ناپاک بنا دیتا ہے ۔ لہٰذا دوسرے پیالے سے انکار کرنے میں انسان کے حسن سلوک کی قدر کی جاتی ہے ۔ رمضان میں روزہ رکھنے والوں کے سامنے یا گلی کوچہ میں تمباکو نوشی نہ کرنا ایک قسم کی مہربانی تسلیم کی جاتی ہے ۔ کوئی بھی بائیں ہاتھ سے قہوہ کا پیالہ نہیں لیتا ۔

ایک اقتصادی بظاہر اُلٹی مگر سچی بات

صوبجات متحدہ کے گورنر سر موریس ہالیٹ نے "۱۹۴۲-۴۳ء" کی تحریک میں سب گورنروں سے زیادہ تقریریں کی ہیں ۔ ۲۲ اگست کو ضلع جنگ کمیٹی اور قومی جنگی محاذ اور ڈسٹرکٹ بورڈ مرزا پور کے ایڈریس کا جواب دیتے ہوئے آپ نے کہا " ہندوستان مالدار ملک ہے لیکن اس کی آبادی غریب ہے " ۔ ہو سکتا ہے کہ اس بظاہر اُلٹی مگر اصل میں سچی بات بیان کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ اس کے متعلق پڑھا ہو اُسے یاد کیا ہو ۔ کیبٹ مچل (نیو یارک) نے ایک کتاب موسومہ " ہندوستان بلا حکایت " (India Without a Fable) لکھی ۔ جس کا ریویو کرتے ہوئے ہیرالڈ بک نے کہا " بالکل صاف طور پر اس

کا باب یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان دُنیا کے نہایت مالدار ممالک میں سے ایک ہے اور اس کے باشندے سب سے غریب ہیں۔ مصنف اسے "ہندوستان ایک اقتصادی بظاہر اُلٹی مگر درحقیقت سچائی کا نام دیتا ہے اور اسے ثابت کئے جاتا ہے۔

کاؤنٹ ٹالسٹائی دو مثالوں کا حوالہ دیتا ہے

"شاہنشاہ ہیڈرین دیانت دارانہ طور پر سیمیٹک اقوام کا دُشمن تھا۔ ایک دن جب وہ مشرق میں سفر کر رہا تھا۔ تو ایک یہودی اس کی شاہانہ ریل گاڑی کے پاس سے گزرا اور بادشاہ کو سلام کیا۔ بادشاہ نے غصّہ میں آکر للکارا" تم ایک یہودی! بادشاہ کو سلام کرنے کی جرأت کرو! تم کو اپنی جان دے کر اس گناہ کی تلافی کرنی پڑے گی!"

کچھ دیر بعد ایک اور یہودی اُس کے پاس سے گذرا۔ اور اس مثال سے مُتنبہ ہو کر اُس نے بادشاہ کو سلام نہ کیا۔ اس پر ہیڈرین نے کہا:" تُم ایک یہودی! بادشاہ کو سلام کئے بغیر پاس سے گزرنے کی جُرأت کرو۔ ایسا کر کے تم نے اپنی زندگی کھو دی"۔

اس رویہ پر اپنے مُتحیّر درباریوں کو اُس نے یہ جواب دیا:- " میں یہودیوں سے نفرت کرتا ہوں۔ وہ کچھ بھی کریں۔ میرے لئے

وہ ناقابل برداشت ہے۔ اس لئے انہیں تباہ کرنے کے لئے کسی بھی بہانہ کو ہیں جانے نہیں دینا۔" سیمیٹک اقوام کے تمام مخالفوں کا یہی حال ہے۔

سیمیٹزم کے خلاف

غیر یہودی مالدار ہے اور وہ کامیاب ہے۔
یہودی مالدار ہے اور وہ منافع باز ہے۔
غیر یہودی غریب ہے اور وہ قابل رحم ہے
یہودی غریب ہے اور وہ دوسروں پر پلتا ہے
غیر یہودی اپنے روپے کو خرچ کرتا ہے اور وہ فراخ دل ہے۔
یہودی اپنے روپے کو خرچ کرتا ہے اور وہ قومی دولت کو ضائع کرتا ہے۔
غیر یہودی اپنے روپیہ کو خرچ نہیں کرتا وہ باشعور ہے۔
یہودی اپنے روپیہ کو خرچ نہیں کرتا وہ کمینہ ہے۔
غیر یہودی ملازم رکھتا ہے وہ کام اور روٹی دیتا ہے۔
یہودی نوکر رکھتا ہے۔ اور وہ لوگوں کو غلام بناتا ہے۔
غیر یہودی ملازمت کرتا ہے اور وہ دیانتدار کام کرنے والا ہے۔
یہودی نوکری کرتا ہے اور غیر یہودی کو اس کے کام سے محروم کر دیتا ہے۔

غیر یہودی کا لباس خراب ہے اور اس کا گھر غریبی سے گذارہ کرتا ہے۔ اور وہ اُوپر کی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔

یہودی کا لباس خراب ہے اور وہ غلیظ ہے۔

غیر یہودی اپنی آن کی اور اپنی قوم کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ ایک شریف آدمی ہے اور دیش بھگت ہے۔

یہودی اپنی آن کی حفاظت کرتا ہے وہ شوریدہ سر اور جھگڑالو ہے۔

غیر یہودی جھگڑتا نہیں۔ وہ مسیحی طریقہ پر معاف کر دیتا ہے۔

یہودی جھگڑتا نہیں۔ وہ بزدل ہے۔ اور اپنے رشتہ داروں کی پرواہ نہیں کرتا۔

میکالے نے یہودی کی بابت یوں لکھا تھا۔

تہذیب کی اوائل عمر میں جب ہمارا جزیرہ نیو گنی جتنا غیر مہذب تھا، جب علم ادب اور فنون سے ابھی تک دوسرے بے بہرہ تھے، جب روم کی جگہ پر مشکل سے ہی کوئی چھپر دار جھونپڑی نظر آتی تھی تو اس وقت ان ملعون لوگوں کے فصیل دار شہر اور صنوبر کے محلات، شاندار مندر، سوداگری کے جہازوں کا بیڑہ، مقدس تعلیم کے سکول، بڑے مدبر اور سپاہی طبعی فلاسفر، تواریخ دان اور شاعر تھے۔ کس قوم نے آجتک اپنی آزادی اور مذہب کے لئے مردانہ وار اتنے زبردست دشمنوں کا مقابلہ کیا؟ کس قوم نے آجتک اپنی آخری اندوہوں میں جو کچھ بہادرانہ مایوسی سر انجام دے سکتی ہے اس کے شاندار ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔

جنگی کفایت شعاری

جنگ کے زمانہ نے کئی کفایت شعاریوں کو لازم گردانا ہے۔ ہمارے لئے ہندوستان میں لفافوں کی کفایت شعارانہ سلیپ عالمگیر جنگ نمبر اول اور نمبر ۲ کی جنگی کفایت شعاری کی پالیسی کے مابین ایک جوڑنے والی کڑی ہے۔ لیکن ہم اکثر اس بات پر حیران ہوا کرتے تھے کہ کیوں ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا جس کی لمبائی پانچ انچ اور چوڑائی آٹھ انچ سے غالباً زیادہ نہ ہوگی ایسے لفافہ میں ڈالا جائے جس پر دس انچ لمبا اور بارہ انچ چوڑا کاٹا ہوا نہ کیا ہوا اور گوند لگا ہوا کاغذ کا ٹکڑا خرچ کیا گیا ہو۔

عام ذرائع

مادی اشیاء یعنی مصالحہ جات کے متعلق جنگی کفایت شعاری کو چھوڑئیے۔ وقت کے بارہ میں کفایت شعاری کی جو کوششیں کی گئی ہیں۔ ان پر ذرا غور کیجئے۔ باوجود جنگ اور اس کی سختیوں کے پتھر جیسے روزمرہ کے کام کا نظم کافی حد تک کم نہیں ہوا ہے۔ اس بارہ میں ایک عارضی

سول ملازم" نیو سٹیٹسمین اور نیشن" مؤرخہ ۱۳ مارچ ۱۹۴۳ء کے کالموں
میں اپنے تجربات بیان کرتا ہے۔ اُس کا دفتر لنڈن سے ضلع میں تبدیل کر
دیا گیا تھا۔ یہ سپاہیوں کے بسنے کا رقبہ تھا جس میں تمام مقامی زمینداروں
کے لئے بذریعہ قانون لازمی تھا۔ کہ وہ افسروں کو چارپائیاں، ناشتہ، دوپہر اور شام
کا کھانا ایک گنی فی ہفتہ کے حساب سے دیں۔ باقی افسروں کی مانند اس کی تنخواہ
سے بھی تنخواہ وصول ہونے کی جگہ سے ایک گنی وضع کر لی جائے گی۔ اور
فارم پُر کرنے کے بعد جائز حقدار کو ڈاک خانہ پر دی جائے گی۔ افسر
اپنی بیوی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا لیکن جو جبراً الگ نہ رکھی گئی تھی۔
اس لئے اُسے نصف سامان مہیا کردہ گھر ملا۔ اس نے کہا اس صورت
میں آپ اپنی بیوی کے ساتھ رکھے جاؤ گے۔ یعنی اُسے ایک فارم بھرنا
پڑے گا۔ اور ہر ہفتہ ڈاک خانے سے اپنی گنی لینی ہو گی۔ اب ہم نے یہ
دیکھنا ہے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ افسر کا دفتر اس افسر کی تنخواہ سے
ایک گنی وضع کرتا ہے اور اسے صحت وزارت کے پاس پہنچا دیتا ہے۔
جو اسے پوسٹ ماسٹر جنرل کے پاس بھیج دیتی ہے۔ وہ جو اسے مقامی ڈاکخانہ
کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ اور یہ مقامی ڈاک خانہ اُس افسر کی عورت کو دے
دیتا ہے جبکہ وہ اسے لینے کے لئے سارا راستہ طے کر کے آتی ہے۔ یقیناً
یہ زیادہ سادہ اور نہ زیادہ سستا ہو گا۔ یعنی وقت اور محنت کے لحاظ سے
زیادہ کفایت شعارانہ اگر افسر خود اپنی عورت کو گنی ادا کر دے۔ بجائے اس
کے کہ

افسر
افسر کی عورت کو۔
افسر کی عورت وزارت صحت کو۔
وزارت صحت پوسٹماسٹر جنرل کو۔
پوسٹ ماسٹر جنرل مقامی ڈاک خانہ کو۔
اور مقامی ڈاک خانہ افسر کی عورت کو۔

دوسری مثال

افسر کو لکھنے کے لئے ایک ڈیسک یا لکھنے کی میز اور کرسی کی ضرورت تھی۔ جو کونے پر ایک کباڑی کی دوکان سے خریدے جا سکتے تھے۔ اور ہاتھ ریڑھی پر آدھے گھنٹے میں لائے جا سکتے تھے۔ لیکن نہیں۔ وہ بالکل ہاتھ سے باہر ہوگا۔ افسر کو لازمی طور پر آفس آف ورکس کے مقامی نمائندہ کے پاس ایک فارم پر درخواست کرنی ہوگی جو ایک دوسری فارم پر لندن بھیج دی جائے گی۔ اس کے بعد یہ لندن کی حدود سے باہر کسی قدر مہنگی فرم کے گودام گھر یا فیکٹری کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اور فرم خالص نئے ڈیسک اور خالص نئی کرسی کے دو بڑے بڑے پیکٹ بنا کر لندن بھیج دیتی ہے اور یہ اُسوقت کا حال ہے جبکہ ریل گاڑیوں میں ضروری اسلحہ جات کے لئے جگہ چھوٹی پڑتی تھی۔ ڈیسک اور کرسی نے ایک لنڈن سے ۱۰۰ میل کا سفر طے کیا اور دوسرے مانگ کے چھ ہفتوں کے بعد پہنچے

تیسری مثال

جب دفتر کھولا گیا۔ تو عملہ نے سٹیشنری کے دفتر کو چھ سو
لفافوں کے لئے انڈنٹ بھیجا۔ لیکن ۶۰۰ کی بجائے اس کے پاس اڑھائی
ہزار پہنچ گئے۔

چوتھی مثال

کاغذ کی قلت کی انتہا پر انہیں ریگولیشن فارموں کی کتاب اور چند
اور کاپیوں کی ضرورت پڑی۔ کم از کم قواعد سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ انہیں
ضرورت ہے۔ چھ کاپیوں کے لئے انڈنٹ بھیجا گیا لیکن بہتر آگئیں۔

کھڑکیاں

دفتر کے کمروں کی کھڑکیوں کے لئے بلیک آؤٹ انتظامات کی
ضرورت تھی۔ کچھ ایک افسروں کی بیویاں دفتر کے خرچ پر ایسا کرنے کے
لئے بالکل تیار تھیں۔ لیکن انہیں ایسا کرنا مشکل ہوگا۔ پردوں کے لئے
انڈنٹ کرنا تھا۔ آفس آف ورکس آسانی سے پیمائش لے کر آگے بھیج سکتے

تھے۔ لیکن نہیں۔ ہر ٹینڈر کرنے والی فرم کو پیمائش کرنے کے لئے دو آدمی بھیجنے پڑتے تھے۔ جب ٹینڈر مکمل ہو چکے تھے یہ بھیجے جا چکے تھے۔ اُن پر غور و خوض کیا جا چکا تھا۔ اور فیصلہ کیا جا چکا تھا نیز پردے اوپر اُٹھائے گئے تھے تو عملہ کے کچھ حصہ کو بلیک آوٹ قواعد کے مطابق کچھ ہفتے ہر روز ڈیڑھ گھنٹہ کام ضائع کرنا پڑتا تھا۔

پانچویں مثال

افسر کا ایک رفیق کار جو اکیلا ہی ایک کار خصوصی کو کر رہا تھا۔ اُس نے ہوائی حملہ کے موسم میں ایک معاون چاہا۔ اور تین ماہ کے لئے اُسے ہر روز اوسطاً ایک گھنٹہ مجموعی کام کو کرنا پڑتا تھا۔ تب اسے اطلاع ملی کہ اس کی تبدیلی کسی اور جگہ کی جانی تھی۔ اور اس کی جگہ چار اگزیکٹو سات یا آٹھ کلرک اور دیگر معاونوں نے سنبھالی۔ جتنا کام اس سارے عملہ نے تین ماہ سے زیادہ عرصہ میں ہوائی بمباری کی انتہا پر اس رفیق کار کے ایک دن کے برابر تھا۔ عملہ کو کچھ عرصہ بعد گھٹا کر دو یا تین کی تعداد میں کیا گیا۔

چھٹی مثال

آفس آف ورکس سے اس نئے یونٹ کے سامان کی فہرست افسر

پاس پہنچی۔ مال مُرسلہ کی ایک گانٹھ ۸ اِنچ لمبی اور ۲ اِنچ چوڑی تھی۔
ول درجہ کا غذ کا ایک بڑا اور بہت مہنوں والا لفافہ ایک کفایت
شعارانہ لیبل میں بندھا ہوا تھا۔ اس کے اندر ایک پتلا سا سفید گتہ
تھا۔ جسے کھول کر دیا جائے تو اس کی لمبائی سولہ انچ بنتی تھی۔ اور چوڑائی
۵ انچ۔ اس کے اندر ایک انڈنٹ فارم تھی جس پہ لمبی چوڑی چھپی ہوئی
ہدایات درج تھیں۔ پُر کرنے والے خانے تھے۔ اور نقطوں والی لکیریں تھیں
جن پر بطور رسید دستخط کرنے اور تاریخ دینا تھا۔ وہ "بند شدہ سامان"
کے متعلقہ تھے۔ اور یہ مال ہندوستانی ربڑ کے دو چھوٹے ٹکڑے
تھے۔ جنہیں دفتر کا ایک لڑکا۔۔ ہائنر دُور کسی دوکان سے تین یا چار پنس
جوڑے کے حساب سے خرید سکتا تھا۔

مہاراشٹر کے برہمن

مہاراشٹر کے برہمنوں میں چت پاون، دلیس استھا اور کارادا س ہیں
چت پاون برہمنوں کی کثیر تعداد رتنا گری سے ہے۔ وہ دوسری ذاتوں
سے شادیاں نہیں کرتے۔ لیکن جیل میں ہم نے سُنا ہے کہ پونا کے مسٹر
این۔ ڈی گاڈگل ممبر لیجسلیٹو اسمبلی (مرکزی) نے اپنی لڑکی کی شادی بیجاپور کے بیم
بھاوی مادھو راؤ کے لڑکے سے کر دی ہے۔ بیم بھاوی مادھو راؤ کئی سال آل
انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر رہے تھے۔ یہ شادی سول میرج ایکٹ کے ذریعے کی گئی۔

مہینوں کے نام

ہندوستان کے مختلف حصّوں میں مہینوں کے نام مُختلف ہیں۔ مثلاً صوبجات متحدہ میں پوشیا ماس پوش کہلاتا ہے اور اسوی یج اسوین۔ یہاں تک بہت زیادہ فرق نہیں ہے۔ لیکن اسوین کو اسوج بھی کہا جاتا ہے۔ کارتِک کو کارتک کہا جاتا ہے لیکن مارگا سِرشٹ کو آغان یا اگرا ہائین (راستہ دکھانے والا) کہتے ہیں۔

چوبے، دوبے اور تیواڑی

صوبجات متحدہ میں کھانے پینے کے معاملے میں چوبے برہمن عام مخولوں کا نشانہ ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جب ایک چوبہ برہمن کھانے کو آتا ہے تو میزبان کے کنبہ میں سے جو ساس ہوتی ہے۔ وُہ اپنی بہو سے کہتی ہے کہ مہمان یعنی چوبے کے لئے چارپائی کا انتظام کر رکھے تاکہ پیٹ بھر کھانے کے بعد وہ چارپائی پر خوب آرام کرے اور کروٹیں بدلے۔ خواہ مذاق ہیں، خواہ سنجیدہ طور پر یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ جہاں کہیں اِن چوبوں کو کھانے کی دعوت ملتی ہے وہ خود اپنے ساتھ چارپائی لے

جانے کے عادی ہیں۔ چوبے برہمن وہ ہوتے ہیں۔ جو چاروں ویدوں میں ماہر ہوں۔ دوبے دو ویدوں میں اور تیوارڑی وہ برہمن ہیں، جنہیں تین ویدوں کے پڑھنے کا استحقاق ہے۔

بورسدہ برہمن

لیکن جو بورسدہ برہمن گجرات میں رہتے ہیں اُن کی اپنی جُدا جماعت ہے۔ ایک سنبھاونا یا دکشنا ہوتی ہے۔ جوان برہمنوں کو دی جانے والی تھی۔ بشرطیکہ وہ بیویوں کے ساتھ آئیں اور اکیلے نہ آئیں۔ جب برہمنوں کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ فوراً سیدھے نزدیک کے دیہات میں گئے۔ اور وہاں سے "فی المحال" قرضہ پر لڑکیاں مانگ کر لائے اور یہ وعدہ کر آئے کہ اپنی آمدنی کا کچھ حصّہ بھی دیں گے۔ جیسا کہ تجویز کیا گیا تھا۔ انہیں کمائی ہوئی۔ لیکن جب اپنی عزت کے خیال سے وہ لڑکیاں واپس کرنے گئے تو والدین نے جن میں سے کثیر تعداد اہیروں کی تھی۔ یہ بیان کیا کہ جب ہم نے لڑکیاں بھیجی تھیں تو ہم نے ہمیشہ کے لئے بھینٹ کر دی تھیں۔ پس اس کے بعد وہ برہمن اور لڑکیاں خاوند اور بیویاں بن کر رہنے لگے۔

اس جماعت کی عورتیں بڑی جفاکش ہیں۔ اور آج تک باہر کھیتوں میں کھیتی باڑی کے کام کے لئے جاتی ہیں۔ عورتیں اتنی مضبوط ہیں کہ

ایک نیک عورت نے ایک درخت کے نیچے بچہ جنا اور اُسے ٹوکرہ میں ڈال کر سیدھا اپنے گھر لے آئی۔ بچہ بڑا ہو کر وکیل بن گیا۔ وہاں کی وکیل جماعت میں ایک اور وکیل بھی تھا۔ جو بھاٹ تھا۔ دونو کو ایک مقدمہ میں مدعی نے اپنا وکیل کر رکھا تھا۔ اور جب مُدعا علیہ کٹہرہ میں کھڑا ہوا تو بھاٹ وکیل نے اُس سے اُس کے قرضہ کی بابت پوچھا۔ مدعا علیہ نے جو پٹیل تھا۔ اُس ہتک کو جو اِس سوال میں مضمر تھی، بُرا مانا۔ اور عدالت سے پناہ مانگی۔ لیکن عدالت نے سوال کی اجازت دیدی۔ "ہاں۔ میرے ذمہ کچھ ادائیگیاں ہیں یعنی میری کچھ ساکھ ہے۔ میں اراضی کے بغیر بھاٹ نہیں ہوں۔ جو گاتا پھروں اور اس طرح اپنا روزگار کماؤں۔" بھاٹ جزبز ہو گیا۔ اور برہمن وکیل اس کی جگہ آگے بڑھا۔ اور زیادہ فخر کے ساتھ اُسی سوال کو دوہرایا۔ جس پر پٹیل نے کہا "ہاں، میں نے کچھ روپیہ ادا کرنا ہے۔ تمہیں لازمی طور پر یہ پتہ ہونا چاہیئے۔ کہ گاؤں میں میری جگہ ہے۔ میں درخت کے نیچے پیدا نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ہی ٹوکرہ میں لایا گیا۔
